دو قرآن
ڈاکٹر غلام جیلانی برق

دو قرآن

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

ترتیبِ مضامین

ابتدائیہ

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی تصانیف و تعارف

ڈاکٹر غلام جیلانی برق 1901ء میں لسیال (ضلع اٹک) میں پیدا ہوئے اور 12 مارچ 1985ء کو اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے۔ آپ کے والد علاقے کے دینی اور مذہبی عالم تھے۔ ان کا نام محمد قاسم شاہ تھا اور گاؤں میں ایک مسجد میں امامت کرتے تھے۔ اور پھر اس مسجد کو خود اپنے وسائل سے تعمیر کروایا۔ جو ابھی لسیال میں قائم و دائم ہے اور جناب قاسم شاہ صاحب اور انکی اہلیہ اسی مسجد کے احاطے میں مدفون ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نسل در نسل ایک مذہبی و دینی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم دینی مدرسوں میں حاصل کی جس میں مولوی فاضل، منشی فاضل، ادیب فاضل وغیرہ شامل ہیں۔ پھر بائیس سال کی عمر میں میٹرک کیا اور انگریزی تعلیم کی طرف راغب ہوئے۔ عربی میں گولڈ میڈل لیا۔ ایم اے فارسی کیا اور 1940ء میں پی ایچ ڈی کیا۔ اس وقت آپ 37 سال کے تھے۔ اور تھیسس انگلش زبان میں امام ابن تیمیہ لکھا۔ اس کی تصحیح مولانا مودودی سے کروائی۔ پہلے مولوی تھے مسجد میں نماز پڑھاتے تھے پھر 1920ء سے 1933ء تک اسکول ٹیچر رہے پھر 1934ء سے 1957ء تک کالج میں عربی کے پروفیسر رہے۔ آپ کے PHD کا تھیسس HARVARD اور OXFORD یونیورسٹیوں سے پاس ہوا۔ اور یوں آپ مولوی غلام جیلانی سے ڈاکٹر غلام جیلانی برق بن گئے۔ آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کی والدہ نے خواب دیکھا کہ آسمانوں میں پرندے اُڑ رہے ہیں اور ان کی چونچوں میں تختیاں ہیں۔ ایک پر ڈاکٹر صاحب کا نام سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے۔ اور باقی دوسرے بھائیوں کا نام عام حروف میں لکھا ہے۔

آپ کے بڑے بھائی غلام ربانی عزیز بھی پچیس اسلامی کتب کے مصنف تھے اور گورنمنٹ سروس کے آخر میں قصور کالج سے بطور پرنسپل ریٹائرڈ ہوئے۔ آپ نے کئی کتب کا عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا۔ اسلام پر تحقیقی کتب لکھیں جس میں اسلام کا طول و عرض، حکمائے عالم مشہور ہیں۔ آپ کے سب سے بڑے بھائی نور الحق علوی تھے۔ جو عربی کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر تھے۔ (1915ء تا 1944ء)، عربی گرائمر پر مستند عالم سمجھے جاتے تھے۔ علامہ اقبال آپ سے عربی گرائمر اور

عربی تاریخ ادب پر اکثر تبادلہ خیال کرتے اور مشورہ لیتے۔ (میری داستان حیات۔ ڈاکٹر برق) اس کا ذکر ڈاکٹر برق صاحب نے اپنی خودنوشت داستان حیات میں کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے رشتہ دار بھی اسلامی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

جناب غلام ربانی عزیز کو 1982ء میں سیرت طیبہ لکھنے پر آدم جی ایوارڈ بھی ملا تھا۔ سیرت طیبہ پر آپ نے دو کتب تحریر کی تھیں۔ برصغیر میں تین بھائی اور تینوں اسلامی علوم کے عالم۔ یہ جناب قاسم شاہ صاحب اور انکی اولاد کے لئے پاک و ہند میں ایک منفرد اعزاز تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے چھوٹے بھائی غلام یحییٰ صاحب بھی تعلیم و تدریس کے شعبہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اک ہمہ جہت شخصیت اور ایک ادارہ تھے۔ دلکش شخصیت کے مالک اور آنکھوں سے ذہانت عکس ریز تھی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ کا حلقہ احباب وسیع تھا۔ ان میں مولانا مودودی' ڈاکٹر باقر' ڈاکٹر عبداللہ' شورش کاشمیری' پروفیسر اشفاق علی خان' جنرل عبدالعلی ملک (شاگرد) ڈاکٹر فضل الٰہی (جید عالم) مولانا زاہد الحسینی' مولوی غلام جیلانی' پروفیسر ڈاکٹر اجمل' ڈاکٹر حمید اللہ' پروفیسر سعادت علی خان' عنایت الٰہی ملک' (مصنف و مولف) میاں محمد اکرم ایڈووکیٹ' مولانا عبدالماجد دریا آبادی' حفیظ جالندھری' طفیل ہوشیار پوری' جنرل شیریں دل خان نیازی' پروفیسر سعد اللہ کلیم صاحب (مصنف)، کیپٹن عبداللہ خان (مصنف و مولف) صوفی غلام مصطفےٰ تبسم' شیخ عبدالحکیم' شیخ محمد افضل صاحب سردار امیر اکبر خان (مشہور ایڈووکیٹ) کرنل محمد خان' جنرل شوکت' جنرل شفیق الرحمان' احمد ندیم قاسمی' جسٹس کیانی شامل تھے۔

الفیصل ناشران و تاجران کتب کو یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کی کتب کو اعلیٰ درجے کی طباعت' کاغذ' متناسب سائز' دیدہ زیب سرورق اور خوب صورت آرٹ و مصوری سے مزین کریں اور قارئین کو پیش کریں۔ ڈاکٹر صاحب کو خوبصورتی' حسن کائنات' جمال' موسیقیت' فنون لطیفہ سے عشق تھا کیوں کہ بقول ان کے اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ ڈاکٹر برق اِک عہد ساز انسان تھے اور مستقبل پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ ہم ان کی اس خواہش کو پورا کرنے کی حد درجہ کوشش کر رہے ہیں اُمید ہے ہمارا معیار اشاعت و طباعت قاری کے ذوق سلیم کے مطابق ہوگا۔ کتاب قاری اور مصنف کے درمیان پل کا کام کرتی ہے۔ اس لئے یہ پل یہ رابطہ حسین سے حسین تر کی جانب سفر کرتا رہے گا۔ (انشاء اللہ)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ناشر: محمد فیصل

پیش نامہ

یہ ۱۹۳۸ء کی بات ہے:

میں امتِ مسلمہ لائبریری امرتسر میں بیٹھا تھا۔ بعض پرانے اخبارات ورسائل کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ روزنامہ انقلاب کا کوئی خاص نمبر میرے سامنے آگیا۔ چند صفحے الٹے تو میری نگاہ ایک عنوان ''قرآن حکیم اور علم الآفاق'' پر جم کر رہ گئی۔ مضمون پڑھا تو پسند آیا۔ لکھنے والے کا نام تھا۔ پروفیسر ''غلام جیلانی برق'' جو ان دنوں محض ایم۔اے تھے اور اب تو ماشاء اللہ ایم اے پی۔ایچ۔ڈی ہیں۔ڈاکٹری کی یہ سند انہوں نے کہیں بعد میں حاصل کی۔

میں نے سوچا کیا ہی اچھا ہو اگر وہ اس قسم کے مضمون ''البیان'' کے لیے بھی لکھا کریں۔کچھ عرصے کے بعد میں نے ان کے نام رسالہ جاری کر دیا اور اس کے ساتھ ایک خط بھی لکھ دیا۔چند روز کے اندر اندر ان کا پہلا مضمون دفتر میں پہنچ گیا۔

آج پھر کئی برس کے بعد سوچتا ہوں، قدرت کے وسیلے کتنے عجیب وغریب ہیں! مجھے کیا معلوم تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے قلم سے قرآن مجید کے معارف پر ایک ایسی کتاب نکلے گی جو اردو لٹریچر میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہوگی اور وہ مجھے اس کا دیباچہ لکھنے کے لیے کہیں گے اور سچ مچ اس کا شرف مجھے ہی حاصل ہوگا۔کبھی خواب میں بھی یہ باتیں نہ سوچی تھیں لیکن قدرت کے وسیلے کتنے حیرت انگیز ہیں! ان بوسیدہ اخبارات کی ورق گردانی اور حسین وجمیل کتاب کی اشاعت کے درمیان اتنا تعجب انگیز رشتہ ایسی غیر مرئی کڑیاں!

دو اڑھائی برس تک ان کا کوئی نہ کوئی مضمون دوسرے چوتھے مہینے ''البیان'' میں ضرور شائع ہوتا رہا۔یہاں تک کہ ۱۹۴۲ء کے اوائل میں ان کی طرف سے ''دوقرآن'' کے مسودے کی ایک قسط موصول ہوئی۔شروع میں خیال تھا کہ عام طویل مضمونوں کی طرح یہ بھی زیادہ سے زیادہ

دو چار قسطوں میں ختم ہو جائے گا لیکن نہیں ایک مرتبہ یہ سلسلہ شروع ہوا تو پورے چودہ مہینوں کے بعد ختم ہوا اور جس طرح پہلی قسط دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکا کہ یہ سلسلہ اتنا طویل ہوگا اسی طرح یہ بھی محسوس نہیں ہو سکا کہ ان کی محنت ''البیان'' کے پڑھنے والوں کی طرف سے ایسی بے قرار شکر گزاریوں کا خراج حاصل کرے گی کہ عین اس زمانے میں جب کہ کاغذ نہ صرف انتہائی طور پر گراں ہے بلکہ گراں قیمت پر بھی ملنا مشکل ہے۔ احباب کے مسلسل تقاضوں سے متاثر ہو کر ان مضامین کو ایک مستقل کتاب کی شکل میں چھاپنا پڑے گا۔ دفتر امت مسلمہ ہم سب کے دلی شکریے کا مستحق ہے کہ اس نے ایسے نامساعد حالات کے باوجود اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔

''دو قرآن'' میں جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے بتایا گیا ہے کہ قرآن ایک نہیں، دو ہیں۔ ایک وہ جو کتاب کی شکل میں ہر مسلمان کے گھر میں موجود اور ہر حافظ کے سینے میں محفوظ ہے، اور دوسرا وہ کائناتِ ارض و سماء کی شکل میں ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ یہ دھرتی، یہ سورج، یہ چاند، یہ ان گنت تاروں بھری کہکشاں، یہ بادل اور یہ ہوائیں، یہ پانی سے لدی ہوئی گھٹائیں۔ یہ مہکتے ہوئے پھول، یہ چہکتے ہوئے پرندے، سمندر اور خشکی کے یہ مہیب جانور، یہ سونے چاندی۔ ایلومینیم۔ کوئلے اور لوہے کی کانیں، یہ سر بفلک پہاڑ۔ یہ لق و دق صحرا اور وسیع و بسیط سمندر۔ یہ سب کے سب اس قرآن کی آیات ہیں۔ ایک قرآن میں لکھی ہوئی آیتیں ہیں اور دوسرے میں عمل و حرکت کرتی ہوئی آیتیں۔ ایک قرآن اصول و قوانین کا ضابطہ ہے اور دوسرا اس کی عملی تشریح۔

قرآن حکیم اور صحیفۂ فطرت کی آیات کا یہ حیرت انگیز تطابق ہی تو ہے جس پر غور و فکر کرنے کا بار بار حکم دیا گیا ہے لیکن مسلمانوں کی بدنصیبی کہ انہوں نے مظاہر فطرت اور عجائبات عالم کے اندر چمکتی ہوئی سچائی سے منہ موڑ کر زندگی سے باہر کسی دوسری سچائی کی تلاش شروع کر دی، مگر زندگی اور سچائی دو الگ چیزیں نہیں ہیں۔ تاریک حجروں میں کوئی روشنی نہیں ہے۔ خانقاہوں اور قبرستانوں میں موت کے پہرے ہیں۔ زندگی کے نشان نہیں ہیں اوراد وظائف میں انسانی کرامات میں بازوؤں کو شل کر دینے والی سردی اور دماغوں کو منجمد کر دینے والی برودت ہے۔ عمل و

حرکت پر آمادہ کر دینے والی حرارت و تمازت نہیں ہے، اس قوم کی بدقسمتی میں کیا شک ہے جس نے مچلتی ہوئی زندگی کے ساتھ بغل گیر ہونے کی بجائے سوئی اور سہی ہوئی موت کے پہلو میں لیٹنا گوارا کر لیا۔

قرآن برائے نام مسلمانوں کا مذہب نہیں بلکہ تمام انسانوں کا مذہب ہے، تمام زمانوں کا مذہب ہے اور تمام جہانوں کا مذہب اور زیادہ صحیح لفظوں میں زندگی کا مذہب ہے۔ وہ کتاب جو انسان کو زندگی اور اس کے مظاہرے سے الگ کسی نا قابل فہم سچائی کی ترغیب دیتی ہے، خالقِ کائنات کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔

قرآن کس طرح فطرت کی مہیب سے مہیب اور حقیر سے حقیر چیزوں کی طرف انسانی ذہن کو متوجہ کر کے اسے سبق اندوزی کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کی پوری تفصیل تو آپ کو آئندہ صفحات میں ملے گی، البتہ اشارے کے طور پر میں بھی ایک بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ چند ہی روز کا ذکر ہے کہ میں سورہ نحل کی ان آیات کی تلاوت کر رہا تھا جن میں نوع انسانی کو شہد کی مکھی کے کارناموں کی طرف متوجہ کر کے یہ لکھا ہے کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ یعنی شہد کی مکھی کے ان اعمال میں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں سبق موجود ہے۔

اتفاقاً اسی روز میں نے ایک انگریزی کتاب میں شہد کی مکھی پر ایک مختصر مضمون بھی پڑھا، اس میں لکھا تھا کہ انسان اپنی زندگی کے لیے زیادہ سے زیادہ تین خواہشیں کر سکتا ہے۔ صحت، دولت اور عقل۔ یہ تینوں چیزیں شہد کی مکھی کو میسر ہیں، اس لیے کہ وہ سورج کی روشنی۔ تازہ ہوا اور خوبصورت پھولوں اور پھلوں میں گھومتی رہتی ہے اور سخت محنت کر کے شہد کے ذخیرے جمع کرتی رہتی ہے۔ اس مختصر مضمون کا مطالعہ کرنے کے بعد میں نے اپنے دل سے سوال کیا۔ کیا درحقیقت مکھی کے اعمال میں انسانوں کے لیے سبق موجود نہیں ہے؟

زندگی ہی مذہب ہے! یہ بنیادی اصول ہے جسے آپ ذہن میں رکھ کر اس کتاب کا مطالعہ کریں گے۔

جناب برق نے یہ کتاب لکھ کر درحقیقت قرآن پاک کی اتنی زبردست خدمت سرانجام

دی ہے جس کی سعادت اس سے پہلے ہندوستان کے کسی مسلمان کو حاصل نہیں ہوئی۔ مظاہر فطرت کے متعلق کوئی آیت ایسی نہیں ہے جسے انہوں نے سائنس کی روشنی میں پیش نہ کیا ہو، اس کارنامۂ عظیم کے لیے نہ جانے انہوں نے کتنی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا، کتنی سخت محنت کی ہوگی، کتنا وقت صرف کیا ہوگا۔ میں ان تمام مسلمانوں کی طرف سے جو قرآن کے سرچشمے سے، سائنس کے پیالے میں پانی لے کر اپنی پیاس بجھانا چاہتے ہیں، ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مصر میں یہ کام علامہ طنطاوی جوہری نے سرانجام دیا تھا۔ عربی زبان سے نابلد ہونے کے باعث ہندوستان کے مسلمان اس سے مستفید نہیں ہو سکے۔ ہندوستان کے مسلمان اب فخر کر سکتے ہیں کہ ان کے ہاں بھی ایک طنطاوی ہے۔

میں نے قلم اٹھایا تھا، کتاب کا دیباچہ لکھنے کے لیے لیکن نہیں لکھ سکا۔ پھر سوچا، دیباچہ نہ سہی، تعارف ہی سہی! لیکن تعارف بھی نہیں لکھ سکا، اس لیے کہ اچھی چیزیں تعریف سے بے نیاز ہوتی ہیں۔ میں زیادہ سے زیادہ مسرت اور حیرت کا اظہار کر سکا ہوں اور وہ بھی اتنا نہیں جتنا میں اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں۔

پریت نگر ۲۰ دسمبر ۱۹۴۳ء

محمد اقبال سلیمانی

باب ۱

تمہید

قرآن حکیم کے مطالعے سے معلوم ہوتا کہ قرآن دو ہیں۔ کتاب الٰہی اور صحیفۂ فطرت، یعنی کائنات۔ ہر دو کو اللہ نے آیات کہا ہے۔ قرآن حکیم کے متعلق تو ظاہر ہے۔ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ (یوسف) قرآن کے مندرجات کتاب مبین کی آیات ہیں۔

دلیل اوّل:

اور دوسری طرف صحیفۂ کائنات کے مختلف مناظر کو بھی بار ہا آیات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ (آل عمران. ۱۹۰) اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ.... وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (البقرة. ۱۶۴)

ارض و سماء کی تخلیق اور اختلاف لیل و نہار میں عقل مندوں کے لیے آیات موجود ہیں۔ ارض و سماء کی تخلیق، اختلاف لیل و نہار، سمندروں میں تیرنے والی مفید کشتیوں اور اس گھٹا میں جو زمین و آسمان کے درمیان خیمہ آراء ہے، اربابِ عقل کے لیے آیات موجود ہیں۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (روم. ۲۲)

زمین و آسمان کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف اللہ کی آیات میں سے ہے

وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ. (جاثیة. ۴)

تمہاری پیدائش اور چوپاؤں کی افزائش نسل میں اہل یقین کے لیے آیات الٰہی موجود ہیں۔

دلیل دوم:

قرآن اور صحیفہ کائنات ہر دو بظاہر بے ترتیب سے ہیں۔ قرآن حکیم میں ربط وسور مفسرین کے لیے ہمیشہ ایک معما بنا رہا اور کائنات کی ظاہری بے ترتیبی عیاں ہے۔ سیاروں کی بکھری ہوئی محفل سلسلہ کوہستان تک بلند و پست چوٹیاں۔ انسانی دنیا میں الوان و طبائع کا اختلاف، اقلیم اشجار میں ظاہری بے نظمی اور حشرات وحیوانات کی بے آہنگی طلبائے کائنات کو ہمیشہ پریشان کرتی رہی۔ ہر دو بظاہر بے ترتیب ہیں لیکن دراصل ایک زبردست نظام کے حامل ہیں جس طرح اسرار قرآن انسانی فہم سے وراء الورا ہیں۔ اسی طرح صحیفۂ فطرت باوجود عیاں ہونے کے از بس ادق ہے۔ علمائے مغرب، افعالِ الٰہی (کائنات) کے مطالعہ پر عمریں صرف کر چکے ہیں۔ ان بزرگوں کی ہر کوشش انہیں پیام درماندگی دے رہی ہے اور وہ قدم قدم پر یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ

''معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد''

دلیل سوم:

جس طرح دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا عالم قرآن کی ایک آیت نہیں بنا سکتا، اسی طرح بڑے سے بڑا سائنس دان ایک پتے اور ذرے تک کی تخلیق سے عاجز ہے۔

اہمیت مطالعۂ فطرت:

جس طرح قولِ خدا (قرآن) کا مطالعہ فرض ہے، اسی طرح عملِ خدا (کائنات) کا مطالعہ بھی از بس لازمی ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ. (عنکبوت. ۲۰)
اے رسولؐ! دنیائے انسانی کو حکم دے کہ وہ زمین میں چل پھر کر دیکھے کہ خدا نے کس طرح آفرینش کی ابتدا کی۔

جس طرح قرآن سے اعراض باعث ہلاکت ہے۔

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ (آل عمران. ۸۷) ان لوگوں نے کلامِ الٰہی سے منہ پھیر لیا۔

اسی طرح صحیفۂ کائنات سے اعراض بھی عذاب الٰہی کا باعث بنتا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ارض وسماء میں کتنی ہی ایسی آیات ہیں جن سے
يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ. یہ لوگ منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں۔

(یوسف. ۱۰۵)

ایک مقام پر صحیفۂ کائنات کے مطالعے سے اعراض کی سزا قومی موت تجویز کی گئی ہے۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ کیا یہ لوگ آسمان و زمین وغیرہ کی تخلیق پر غور
وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ لا. وَّاَنْ نہیں کرتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت
عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ. قریب آ گئی ہے۔

(اعراف. ۱۸۵)

مطالعۂ کائنات کی اہمیت کا اندازہ صرف اسی ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن میں وضو، نماز، صوم و زکوٰۃ، حج، طلاق اور قرض وغیرہ پر ڈیڑھ سو آیات ہیں اور مطالعۂ کائنات کے متعلق سات سو چھپن۔ قرآن حکیم ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے آخری پیام الٰہی ہے۔ اگر آج یہ کتاب ہمیں معاون ارضیہ، دفائن جبال اور خزائن بحار سے مستفید ہونے کا درس نہیں دیتی اور ترقی یافتہ اقوام کا ہم دوش نہیں بناتی، تو یہ کتاب (خاکم بدہن) صراحتاً ناقص و نامکمل ہے اور اس کا دعویٰ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (نعوذ باللہ) بے بنیاد ہے۔ آج اہل مغرب لوہے، تانبے، بارود اور دیگر خزائن ارضی سے فائدہ اٹھا کر فلک علم و ہنر پر آفتاب بنے ہوئے ہیں۔ ہواؤں میں اڑ رہے ہیں، دریاؤں میں تیر رہے ہیں۔ زمین کی بعید ترین اطراف کی خبریں لمحوں میں سن رہے ہیں۔ عمل تبخیر سے ریلیں دوڑا رہے ہیں۔ آنے والے حوادث سماویہ (باد و باراں) کی خبریں دے رہے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ وہ صحیفۂ کائنات کے مطالعہ کے بعد اس کے قوانین و آیات کو اپنی بہتری کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ٥ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ط اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا. (فاطر ۲۷. ۲۸)

غور کرو کہ پہاڑوں میں سفید، سرخ اور سیاہ رنگ پتھروں کی تہیں موجود ہیں، نیز انسانوں چوپاؤں اور مویشیوں کے مختلف رنگوں کا مطالعہ کرو اور یاد رکھو اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف عالم ہی ڈرتے ہیں۔

اس آیت سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصلی علم صحیفۂ کائنات کے مطالعے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ خوف یا خشیتہ اللہ صرف علمائے کائنات ہی کا حصہ ہوسکتا ہے جس طرح شکسپیئر، روسو، لقمان، سعدی، بوعلی سینا اور اقبال کی صحیح عظمت کو سمجھنے کے لیے ان کے اعمال (تصانیف) کا مطالعہ ضروری ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صحیح عظمت و رفعت، کمالِ تخلیق، جمالِ تکوین، نظامِ ربوبیت اور حیرت انگیز نسقِ کائنات کو سمجھنے کے لیے صحیفۂ فطرت میں غور و تدبر کرنا پڑے گا۔ اگر کسی مصنف کی تعریف اس کی تصنیف پڑھے بغیر ہوسکتی ہے تو اللہ کی حمد و ثنا بھی اس کے حیرت انگیز اعمال پر تدبر کیے بغیر ممکن ہے۔

ایک بھوکا روٹی ملنے پر، پیاسا پانی حاصل کرنے کے بعد اور جاہل دولت علم سے بہرہ ور ہو کر شکر یہ ادا کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اولاد ملنے پر یوں شکر الٰہی ادا فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ط (ابراهيم. ۳۹)

اس اللہ کا شکر ہے جس نے بڑھاپے میں مجھے دو بیٹے اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ عطا فرمائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام زندان سے رہا ہو کر فرماتے ہیں:

وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ. (يوسف. ۱۰۰)

اللہ نے جیل خانے سے نکال کر مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

ایک عرب شاعر کہتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِذَا لَمْ يَاْتِنِيْ اَجَلِيْ حَتّٰى اِكْتَسَيْتُ مِنَ الْاِسْلَامِ سِرْبَالًا

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے موت سے پہلے مجھے لباسِ اسلام سے مزین کیا لیکن مسلمان کو

محض ذاتی فائدے کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے رب العالمین ہونے پر شکریہ ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

غور فرمایئے کہ مطالعہ کائنات کی طرف دعوت دینے کے علاوہ کس وسیع ہمدردی کا پیام دیا گیا ہے۔ اللہ کو صرف حقیقی حمد و ثنا پسند آتی ہے، اس لیے آج بعض ایسی اقوام معزز کر دی گئیں جو خدا کی صحیح معنوں میں شاکر ہیں اور ہمیں ریاکاری و زبانی حمد و ثنا کی سزا ذلت اور غلامی کی صورت میں ملی گئی، حالانکہ ظاہری ساجدوں اور مصلیوں سے ہماری مساجد معمور ہیں لیکن:۔

قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ. (سبا. ۱۳) میرے حقیقی شکر گزار بندوں کی تعداد بہت کم ہے۔

زمین کے اندر معدنیات کا ایک حیرت انگیز سلسلہ موجود ہے۔ فضا میں مخفی قوانین سمع و بصر (ریڈیو ٹیلی ویژن) محو عمل ہیں۔ آج بجلی اور اس کے کرشموں جر ثقیل اور اس کے معجزوں، سٹیم اور اس کے عجائبات، پٹرول اور اس کے کمالات سے دیگر اقوام فائدہ اٹھا رہی ہیں، حالانکہ:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا. تمام کائنات وخزائن ارضی تمہارے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ (بقرة. ۲۹)

قدرت کی طرف سے ہمیں آنکھیں، کان اور دل و دماغ عطا ہوئے ہیں لیکن ہم نے ان اعضاء کا صحیح استعمال نہ کیا اور آج اس جرم کی سزا بھگت رہے ہیں۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل. ۳۶) انسان سے آنکھ، کان اور دل کے (صحیح یا غلط استعمال کے) متعلق باز پرس ہوگی۔

اسلام میں تفکر و تدبر کو بہترین عمل قرار دیا گیا، حدیث میں وارد ہے:

(صحیفہ کائنات میں گھڑی بھر تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے)

ایک صبح بیدار ہونے کے بعد آنحضرت صلعم نے فرمایا:

لَقَدْ اُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَ اٰيَةٌ وَيْلٌ لِّمَنْ قَرَاَهَا وَلَمْ يَتَدَبَّرْ وَيْلٌ لَّهٗ ثُمَّ وَيْلٌ لَّهٗ. آج رات مجھ پر ایک آیت اتری ہے ہلاکت ہو اس پر جو اسے پڑھے اور غور نہ کرے اس پر دوبارہ سہ بارہ ہلاکت ہو۔

پھر یہ آیت پڑھی:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ○ (بقرۃ. ۱۶۴)

زمین و آسمان کی تخلیق رات دن کے اختلاف سطح سمندر پر تیرنے والے مفید جہازوں اور مردہ زمین کی نس نس میں زندگی بھرنے والی بارشوں، پھر پھر کر چلنے والی ہواؤں اور ان بادلوں میں جو زمین و آسمان کے درمیان خیمہ آراء ہیں۔ اہل دانش کے لیے کچھ اسباق موجود ہیں۔

قرآن حکیم مومنین کو بلندی و رفعت کی بشارت دینے آیا تھا۔

أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ (آل عمران. ۱۳۹)

اگر تم ایمان دار رہے تو دنیا میں سربلند رہو گے۔

آج دنیا میں وہی قوم بلندی و آزادی اور عزت حاصل کر سکتی ہے جو صحیح معنوں میں فیض رساں اور خادم خلق ہو جو مخازن و معادن کو استعمال میں لا کر رفاہ عامہ کے لیے گاڑیاں چلائے، دریاؤں پر پل باندھے، نہروں اور سڑکوں کا جال بچھائے، سمندر کی طغیانیاں مسخر کر کے انہیں تجارت کے قابل بنائے، جس کی تلاش و جستجو سے ایک عالم فائدہ اٹھائے، جو آبشاروں سے بجلی پیدا کر کے دنیا کو روشنی اور طاقت عطا کرے، جو کوئلے اور پٹرول کا صحیح استعمال جانتی ہو اور جس کے فولادی اسلحہ اعدائے انسانیت کے لیے تباہی و ہلاکت کا پیام ہوں۔

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ. (حدید. ۲۵)

ہم نے فولاد پیدا کیا جو ایک پر ہیبت اور نہایت مفید دھات ہے۔

قرآن حکیم میں ہمیں امر بالمعروف کا لقب دیا گیا ہے۔ معروف یہ بھی ہے کہ ہم کائنات کے اسلحہ خانہ سے قوت و ہیبت کا وہ سامان پیدا کریں کہ شیطان کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جائے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ. (انفال. ۶۰)

تم وہ سامان قوت پیدا کرو اور تھانوں پر تمہارے گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوئے ہوں کہ تمہارے دشمن، اللہ کے دشمن غش کھا جائیں۔

تامرون بالمعروف میں تامرون کا لفظ صاف صاف اعلان ہے، اس حقیقت کا کہ خیر الامم وہ ہے جو دنیا میں معروف، یعنی نیکی، عدل، مساوات اور صلح و آشتی کا حکم دے سکے۔ حکم دینا حاکم کا کام ہوتا ہے، لہٰذا خیر الامم کے لیے حاکم ہونا ضروری ہے اور اس زمانے میں کوئی حکومت معاون ارضی کے استعمال کے بغیر ایک دن کے لیے بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ منکر کے لفظ میں ہر قسم کی بدی شامل ہے۔ دنیا میں غلامی سب سے بڑی برائی ہے۔ یہ ذلت بدکاری، جہالت اور فلاکت کی آخری منزل ہے ایک غلام قوم میں معروف کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ وہ بکریوں کا ایک ریوڑ ہوتی ہے جس طرح بکری کا دودھ، گوشت، چمڑا، ہڈیاں، مینگنیاں اور بال تک فروخت کیے جاتے ہیں، اسی طرح ایک حاکم قوم محکوم قوم کی تمام پیداوار، سرمایہ، اجناس، زمین اور جان تک صرف اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتی ہے کیا ایسی قوم خیر الامم کہلا سکتی ہے؟

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران. ۱۱)

مسلمانو! تم خیر الامم ہو اور دنیا کی بہتری کے لیے اٹھے ہو تمہارا کام معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا ہے۔

"اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کا فقرہ بتلا رہا ہے کہ خیر الامم بننے کے لیے تمام دنیا کی بہبودی پر توجہ کرنا پڑے گی اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہمارے پاس نفع رسانی کے تمام اسباب موجود ہوں۔ ہم عالم گیر علم، ہیبت خیز اسباب قوت اور جاذب قلوب متاع اخلاق کے مالک ہوں۔ اگر ایک طرف دنیا ہمارے اخلاق کی ثنا خواں ہو تو دوسری طرف ہماری شمشیر خاراشگاف سے ہفت اقلیم کی طاغونی طاقتیں رعشہ بر اندام ہوں۔ یہی معروف ہے اور یہی وہ قبائے زریں ہے جو خیر الامم کے قامت پر راست آتی ہے۔

ایک حقیقت:

جس طرح سورج مشرق سے نکل کر مغرب کی طرف سفر کرتا ہے اور دوسری صبح پھر مشرق سے نمودار ہوتا ہے اسی طرح علم وتہذیب کا آفتاب بھی گردش کرتا رہتا ہے۔ محققین اس امر پر متفق ہیں کہ تہذیب کا آفتاب پہلے مشرقی ممالک پر چمکا تھا۔ چین اور ہندوستان، بابل اور مصر کی تہذیبیں ازبس قدیم ہیں۔ رفتہ رفتہ مغرب کا ایک خطہ یونان علم وعرفان کا مرکز بن گیا۔ ۳۳۶ء ق م سکندر اعظم نے ایرانی سطوت کا خاتمہ کیا اور ۳۳۱ء ق م میں مصر پر قبضہ جمالیا تھا۔ سکندر کی وفات کے بعد یونان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا اور خانہ جنگی کے شعلے اطراف ملک میں بھڑک اٹھے۔

۲۴۸ء ق م میں پارتھیا بیدار ہوا اور تھوڑی سی مدت میں ایک طاقت ور سلطنت بن گیا۔ تقریباً دو صدیوں کے بعد روم میں آثارِ حیات پیدا ہونے لگے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک زبردست سلطنت بروئے کار آ گئی۔ روم نے پارتھیا کو پہلی شکست ۳۸ء ق م میں اور دوسری ۱۶۳ء میں دی ۲۱۶ء میں پارتھیا کے آخری آثار دنیا سے مٹ گئے اور آفتاب تہذیب پوری آب و تاب سے پھر مغرب پر چمکنے لگا۔

کچھ عرصے کے بعد ایران میں زندگی نے ایک نئی کروٹ لی۔ ساسانی خاندان کا علم مدائن پر لہرانے لگا۔ دوسری طرف رومتہ الکبریٰ کے طوفان میں آثارِ جزر نظر آنے لگے یہاں تک کہ ساتویں صدی کے وسط میں ریگستان عرب سے علم وعرفان کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا جس سے مشرق ومغرب ہر دو سیراب ہو گئے۔

چند صدیوں کے بعد آفتاب علم وتمدن پھر مغرب کی طرف بڑھا۔ جرمنی، فرانس، ہسپانیہ اور انگلستان سے ہوتا ہوا مغرب اقصیٰ (امریکہ) تک جا پہنچا اور اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ مشرق میں آفتاب پھر نکل رہا ہے اور ہندوستان، ایران اور ترکی میں پھر سے بیداری کے آثار عیاں ہیں۔ اس حقیقت کی طرف اللہ نے اہل بصیرت کو یوں متوجہ کیا ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ o تُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ. (آل عمران. ۲۶. ۲۷)	اے اللہ! تو جسے چاہتا ہے وارث زمین بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے غلامی میں مبتلا کر دیتا ہے عزت وذلت تیرے اختیار میں ہیں دنیا کی تمام بلندیاں (خیر) تیرے دستِ قدرت میں ہیں اور تو ہر چیز پر قادر ہے تو ہی وہ مالک ہے جو تہذیب وتمدن کے روز روشن کو غلامی کی کالی رات میں اور رات کو دن میں بدلتا رہتا ہے۔ مردہ اقوام کی خاکستر میں اخگر حیات پیدا کرنا اور زندہ اقوام (جو کاہل ہو چکی ہیں) کو موت کی نیند سلانا تیری سنت ہے۔

ان حقائق کو ایک بیدار آنکھ اور نور سے ایک لبریز دل دیکھ سکتا ہے لیکن واحسرتا کہ مسلم اس دولت سے محروم ہے وَهُمْ عَنْ اٰيَاتِنَا مُعْرِضُوْنَ o یہ لوگ آیاتِ کائنات سے اعراض کر رہے ہیں۔

مقادیر:

کپاس اور گندم کی ترکیب آٹھ عناصر سے ہوئی۔ اختلاف مقادیر سے کہیں وہ عناصر گندم کی صورت میں جلوہ گر ہوئے اور کہیں کپاس کی شکل میں پانی میں دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہے۔ اگر اس مقدار کو ذرہ بھر گھٹا بڑھا دیا جائے تو ایک زہر تیار ہوگا۔ اگر یہ دو عناصر مساوی مقدار میں جمع کر دیے جائیں تب بھی ایک مہلک مرکب بنے گا۔ آکسیجن وہائیڈروجن ہر دو قاتل ومہلک گیسیں ہیں جن کے مختلف اوزان سے لاکھوں مرکبات تیار ہو سکتے ہیں اور ہر مرکب زہر ہلاہل ہوتا ہے، لیکن اگر دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کو ترکیب دی جائے تو ان دو زہروں سے پانی تیار ہوگا جو تمام عالم کا مدارِ حیات ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ. (انبیاء. ۳۰) ہم نے پانی کو ہر چیز کا مدارِ حیات قرار دیا ہے۔

غور فرمائیے کہ اللہ مقادیر کا کتنا بڑا علم ہے وہ کس طرح معین مقداروں سے کائنات کی مختلف اشیاء تیار کر رہا ہے۔

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ — ہم نے ہر چیز کو (عناصر کی) معین مقدار سے پیدا کیا ہے۔ (قمر ۴۹)

لیموں اور کالی مرچ ہر دو ہائیڈروجن دس حصے اور کارب بیس حصے سے تیار ہوئے ہیں، لیکن سالمات کے تفاوت سے ہر دو کی شکل، رنگ ذائقہ اور تاثیر بدل گئی۔ اسی طرح کوئلہ اور ہیرا کاربن سے بنے ہیں لیکن سالمات کے اختلاف سے ایک کا رنگ کالا، دوسرا سفید، ایک قابل شکست اور دوسرا ٹھوس ہے۔

اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ (حجر . ۲۱) — ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم معین مقدار میں ہر چیز کو نازل کرتے ہیں۔

وَمَا کُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِیْنَ. (مومنون. ۱۷) — اور ہم اشیاء کی تخلیق (وترکیب) سے غافل نہیں تھے۔

کائنات کی ہر چیز عناصر کی نہایت دقیق دانسب آمیزش سے تیار ہوتی ہے، اگر یہ ترکیب ذرہ بھر کم وبیش ہو جائے تو سلسلۂ حیات آناً فاناً درہم برہم ہو جائے اگر آج اللہ تعالیٰ پانی کی ساخت میں سے ہائیڈروجن صرف ایک درجہ کم کر دے تو دریاؤں اور سمندروں میں زہر کا سیلاب آ جائے اور کوئی ذی حیات باقی نہ رہے، غور فرمائیے کہ اللہ کا علم عناصر و مقادیر کس قدر لرزہ فگن اور ہیبت انگیز ہے تمام نباتات کے عناصر ترکیبی ایک ہیں یہ صرف اختلاف مقادیر کا اعجاز ہے کہ:

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

حیوانات و نباتات کی ترکیب آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن، نائٹروجن اور چند دیگر نمکوں سے ہوئی۔ انہی عناصر سے ہڈیاں، پٹھے، خون اور بال تیار ہوئے اور انہی سے درختوں کے پتے شگوفے پھول، خوشے، رس اور پھل بنے۔ کڑواہٹ، ترشی اور مٹھاس انہی عناصر کا کرشمہ ہے

اور رنگ و وضع کی یہ نیرنگیاں انہی کی بدولت ہیں۔

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ۝ ہم نے سب چیزیں تول تول کر پیدا کیں۔

(حجر ۱۹)

قرآن حکیم میں مسلمانوں کو سات سو چھپن دفعہ مناظر قدرت و قوانین فطرت پر غور کرنے کی ہدایت کی گئی۔ علامہ ابن رشد، فارابی، بو علی سینا اور فخر الدین رازی نے بھی ہمیں اسی طرف متوجہ کیا لیکن ہم نے توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ کہ آج دوسری قومیں برق و باد پر سوار ہو کر منازل حیات طے کر رہی ہیں اور ہم صحرائے حیات میں طوفان ریگ کے تھپیڑے کھا رہے ہیں۔ علامہ شعرانی اسلام کے طبعی پہلو کو سمجھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ اگر مسلمان، مسلمان رہا تو وہ علم شریعت کی طرح علم فطرت میں بھی ایک نہ ایک دن کمال پیدا کر کے رہے گا، اسی لیے تو فرمایا تھا کہ:

اِنَّ الْاِسْلَامَ فِیْ اَوَّلِ اَمْرِہٖ کَانَ شَرِیْعَةً ثُمَّ فِی اٰخِرِ الزَّمَانِ یَکُوْنُ حِقِیْقَةً۔

اسلام آغاز میں محض شریعت تھا اور آخری زمانے میں حقیقت بن جائے گا۔

وہ آخری زمانہ یہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم آیات ارض و سماء کی طرف متوجہ ہو کر اسلام کو ایک حقیقت اور ٹھوس اصلیت ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۝ زمین و آسمان میں اہل ایمان کے لیے حقائق و بصائر موجود ہیں۔ (جاثیہ۔ ۳)

وَفِیْ خَلْقِکُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ۝ دولت یقین سے مالا مال اقوام کے لیے خلق انسانی و حیوانی میں آیات الٰہیہ موجود ہیں۔ (جاثیہ۔ ۴)

شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

مسلمانوں کی فلاح و نجات اس وقت صحیفۂ کائنات کے مطالعہ میں ہے، وہی اقوام آج باعلم، طاقت ور اور پر ہیبت ہیں جنہوں نے فطرت سے قوانین قوت کا درس لیا اور اسلوب قدرت کے مطالعہ میں عمریں صرف کر دیں۔ علم الآفاق سے غفلت و جہالت نے مسلم کو ذلیل کر ڈالا۔ اس

کا توازن ملی جاتا رہا۔ اس کی سلطنتیں اجڑ گئیں، سرحدیں غیر محفوظ ہو گئیں اور اس کی تمام حفاظتی تدابیر خام ثابت ہوئیں۔ اگر آج ہم اپنی خامیوں کو متعین کرنے اور ان کا علاج سوچنے کے لیے کوئی کمیشن مقرر کریں تو ہماری کوششیں رائیگاں جائیں گی، اس لیے کہ اقتصادیات، سیاسیات و دیگر اصناف علم و تمدن کے ماہرین ہمارے ہاں موجود نہیں۔

یورپ میں ہر خامی کا علاج سوچنے کے لیے کمیشن بٹھائے جاتے ہیں جن کے سامنے بڑے بڑے ماہرین فن شہادتیں دیتے ہیں اور یہ کمیشن تمام نشیب و فراز پر غور کرنے کے بعد ایک رپورٹ حکومت کو بھیجتے ہیں۔ اگر آج کسی بین الاقوامی مجلس کے سامنے تجدید اسلحہ، اقتصادیات، توازن قوت و تقسیم دولت پر شہادت دینے کی ضرورت پڑے تو کیا اسلامی دنیا کے ۶۰ کروڑ افراد میں سے کوئی ایک عالم بھی ایسا نکل سکے گا جس کی شہادت کو کچھ بھی اہمیت حاصل ہو؟ ہمیں دنیا کی طرف شاہد بنا کر بھیجا گیا تھا۔

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ. (بقرة. ۱۴۳) ہم نے تمہیں لوگوں کے لیے شاہد بنا کر بھیجا ہے۔

بہ دیگر الفاظ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم تمام شعبہ ہائے علم و تمدن میں وہ مہارت پیدا کریں کہ ہر مسئلے پر ہماری شہادت آخری ثابت ہو، لیکن افسوس کہ جہالت کی وجہ سے ہماری رائے کو لغو اور شہادت کو مردود قرار دیا گیا۔

استعمال اعضاء:

اللہ نے آنکھیں، کان اور عقل دیکھنے، سننے اور سوچنے کے لیے عطا کیے ہیں۔ جو قوم ان اعضاء و حواس کو استعمال نہیں کرتی وہ حقیقتاً اندھی، بہری اور لایعقل ہے۔ وہی لوگ صاحب عقل ہیں جو کائنات کے مناظر و حقائق کو ایک حقیقت رس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس آواز کو جو کائنات کے ہر ذرے سے بلند ہو رہی ہے کان لگا کر سنتے ہیں۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا. (الحج. ۴۶) یہ لوگ مناظر ارضی کی کیوں سیر نہیں کرتے تاکہ ان کے دل سمجھنے لگ جائیں اور کان سننے کی نعمت سے بہرہ ور ہوں۔

ایک قوم کا زوال دراصل زوال حسیات کی داستان ہے۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ (حج. ۴۶) دراصل آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ ایک مردہ قوم کے دل بے حس ہو جاتے ہیں۔

بہتر سواری:

دنیا کی بعض اقوام موٹروں اور طیاروں پر سوار ہو کر جادۂ حیات طے کر رہی ہیں اور ہم یا تو پا شکستہ ہو کر ٹھنڈے سایوں میں محوِ استراحت ہیں اور یا آہستہ خرام اونٹوں پر جھومتے جھامتے چلے جا رہے ہیں، ہمارے سست رو کارواں کا بہ مراحل پیچھے رہ جانا حتمی و یقینی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے لیے بہترین سواریوں کا انتخاب کرتے ہیں۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط (زمر ۱۷. ۱۸) مبارک ہیں وہ لوگ جو کسی بات کو سن کر احسن اقویٰ چیز کو اختیار کرتے ہیں۔

کعبہ کی اہمیت:

مسلمان دنیا کے ہر کونے میں پھیلے ہوئے ہیں جنہیں باوجود اختلاف رنگ ونسب چند چیزوں نے متحد کر رکھا ہے واحد خدا، واحد رسول، واحد کتاب، واحد عربی زبان (صلوات و عباذات میں) اور واحد قبلہ۔ ہمارے علماء و اغنیاء کو حکم دیا گیا تھا کہ ہر سال کعبہ میں جمع ہو کر قومی فلاح کی سبیل سوچیں اور استحکام ملت کے ذرائع پر غور کریں تفکر فی الآفاق قیام امت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور اس قانون صلاح و بقا کا علم حاصل کرنا جو کائنات میں محو عمل ہے نجات و حیات کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ط ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

اللہ نے عزت کے گھر کو حرمت والے مہینوں جن میں جنگ بند کر کے وسائل حیات سوچنے کا حکم دیا گیا ہے اور قربانی کے جانوروں کو امت کے لیے ذریعہ استحکام بنایا ہے (کعبہ کی تعمیر کا بڑا مقصد یہ ہے) کہ تم یہ معلوم کر سکو کہ اللہ کا علم (مائدہ. ۹۷) ارض و سما کو محیط ہے اور کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

لیکن آج کعبہ میں کوئی ایسی درس گاہ موجود نہیں، جو اللہ کے بے پناہ علم (اوزان و مقادیر) کی طرف راہنمائی کرے۔ غور فرمایئے کہ سمندر کی تاریک گہرائیوں میں مچھلی کے انڈے سے مچھلی ہی پیدا ہو رہی ہے۔ کوہ قاف کے سیاہ غار میں ایک مچھر کا بچہ مچھر بن رہا ہے۔ بطونِ حیوانات میں قطرات منویہ مناسب، موزوں اور صحیح اشکال اختیار کر رہے ہیں۔ جو جوفِ صدف میں قطرہ آب گہر بن رہا ہے نہ کہ کوئلہ۔ اللہ اکبر! اس عالم الغیب کی جہانگیر اور ہمہ بیں نگاہ سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی مخلوق بھی بچی ہوئی نہیں۔ ہر مقام اور ہر محل پر نہایت صحت و استحکام سے کام ہو رہا ہے۔ کائنات کی یہ کارگاہ جلیل نہایت نظم و نسق سے چل رہی ہے۔ میزان و اعتدال سے چل رہی ہے کہیں کوئی غلطی نہیں، سقم نہیں، بد نظمی نہیں، فتور نہیں۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ۔ بار بار دیکھو، کیا تمہیں اس لا انتہا سلسلہ خلق میں
(ملك۔۳) کوئی بد نظمی نظر آتی ہے؟

کیا اللہ کے اس ہیبت انگیز علم کا اندازہ لگانے کے لیے کعبے میں کوئی درسگاہ موجود ہے؟ نہیں! اس لیے لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ کا منشا پورا نہیں ہو رہا ہے۔ آج حج محض ایک رسم بن کر رہ گیا ہے۔ وہاں انسانوں کی ایک بھیڑ جمع ہو جاتی ہے جو چند حرکات طوعی و کرہی سرانجام دینے کے بعد واپس آ جاتی ہے۔ کوئی نیا تخیل اور کوئی دنیا درسِ حیات سیکھ کر نہیں آتی، کعبے کے یہ فرائض کسی حد تک آج آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیاں سرانجام دے رہی ہیں۔ جہاں دنیا کے ہر گوشے سے طلبہ صحیفۂ کائنات کا درس لینے آتے ہیں۔

مومناں را فطرت آموز است حج ہجرت آموز و وطن سوز است حج
طاعتے سرمایۂ جمعیتے ربط اوراق کتاب ملتے
آں کہ زیر تیغ گوید لا الہ آں کہ از خونش بروید لا الہ
آں سرور آں سوز مشتاقی نماند در حرم صاحب دلے باقی نماند
(اقبالؒ)

اُمَّۃً وَّسَطًا:

قرآن حکیم میں مسلمانوں کو اُمَّۃً وَّسَطًا (اعتدال پسند) کہا گیا ہے۔ہم کئی طرح سے امت وسطٰی ہیں۔ ہم علوم مغرب (یونان) کو مشرق تک پہنچانے کا واسطہ بنے۔ عیسائیت، یہودیت، بدھ ازم اور ہندو دھرم جسم کو کچل کر خشک روحانیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ہم نے جسم و روح اور دین و دنیا میں آشتی پیدا کی۔جن علمائے طبیعی کو رومۃ الکبریٰ کے رہبان کچل رہے تھے۔ ہم نے انہیں اپنے دامن رافت میں پناہ دی اور مذہب و ایمان کا ہاتھ ان کے سر پر رکھا پھر جغرافیائی حیثیت سے بھی ہم اُمَّۃً وَّسَطًا ہیں۔یعنی ربع مسکون کے عین وسطی حصوں میں آباد ہیں، بہ دیگر الفاظ ہم اس چراغ کی طرح ہیں جو وسطِ محفل میں جل رہا ہو۔ ہمارا یہ مذہبی و جغرافیائی فرض تھا کہ ہم دنیا کو علم و عرفان کی روشنیوں سے جگمگاتے اور اقوام کی نگاہوں کو تجلیات معارف سے خیرہ کرتے، لیکن وائے برما! کہ جہالت سے ہمارا اپنا گھر تاریک ہو رہا ہے۔

تمثیل

ایک بادشاہ اپنے محل کو جواہرات سے سجاتا ہے، دنیا کے بہترین صناع نقاشی کرتے ہیں، ایرانی غالیچے بچھائے جاتے ہیں، سنہرے پردے لٹکائے جاتے ہیں، بہترین پھولوں کے گلدستے لگائے جاتے ہیں اور زیب و زینت کا آخری کمال دکھلایا جاتا ہے، پھر کتنا ظلم ہوگا، اگر اس کی چہیتی بیوی، بچوں، خادموں اور درباریوں میں اس زیب و جمال کو پسند کرنے کی حس ہی موجود نہ ہو، اور وہ اس محل میں بیل کی طرح داخل ہو کر اس کی سجاوٹ سے غیر متاثر رہتے ہوں۔

یہی حال مسلمانوں کا ہے مَلِكُ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ نے طارمِ فلک کو کن خیرہ ساز نقوش سے آراستہ کر رکھا ہے فرشِ زمین پر پھولوں کی کیا قیامت انگیز بہار جما رکھی ہے۔ کائنات میں حسن و شباب کا کیا طوفان ابل رہا ہے لیکن وائے برما کہ ہماری آنکھیں اس حسن و جمال سے متمتع ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتیں۔ ایک بیل کو کیا معلوم کہ طلوع و غروب آفتاب کی رنگینیوں میں کیا حسن ہے؟ اور ایک الہڑ دہقانی کو کیا معلوم کہ ساون کی اودی اودی گھٹائیں کیف و مستی کا کیا

کیف انگیز پیام دے رہی ہیں۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ نِ الْكَوَاكِبِ. (صافات۔ ٦)
ہم نے آسمان کو حسین ستاروں سے سجا رکھا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ۝ (حجر ١٦)
ہم نے آسمانوں کو کئی حصوں میں بانٹ کر اسے اہل نظر کے لیے سجا دیا ہے۔

ہے کوئی لطف اٹھانے والا، پسند کرنے والا اور دیکھنے والا؟

تمہارے لیے:

اگر یہ درست ہے کہ قرآن کے اولین و آخرین مخاطب ہم ہی ہیں تو سنئے قرآن کیا کہتا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ط وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ج وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ. (ابراهیم. ۳۲. ۳۴)

اللہ وہ ہے جس نے زمین و آسمان پیدا کیے جس نے بارشیں برسا کر تمہارے لیے پھل تیار کیے۔ سمندروں میں الٰہی قانون سے تیرنے والے جہاز تمہارے قبضے میں دیے۔ نہریں تمہارے لیے مسخر کیں۔ گھومنے والے آفتاب و ماہتاب پر تمہیں حکمران بنایا اور لیل و نہار کا سلسلہ تمہارے بس میں کر دیا، نیز تمہیں وہ سب کچھ دیا جس کی تمہیں تمنا تھی۔

اس آیت میں لَکُمْ (تمہارے لیے) کا لفظ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ تمام نعمتیں مسلمانوں کے لیے تھیں اور مسلمانوں کے واسطے سے باقی عالم انسانیت کے لیے، لیکن آج سورج، بجلی، روشنی اور ایتھر کو فرنگ نے مسخر کر رکھا ہے۔ سمندروں کی مہیب سطح پر ان کی حکومت ہے، باغات و انہار کے مالک وہی ہیں۔ آبشاروں اور نہروں سے وہی لوگ بجلی نکال کر

دنیا کو روشنی و طاقت دے رہے ہیں اور ہم بجلی کے لیمپ کو دیکھ کر صرف حیران ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ:

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ. (بقرة. ۲۵۸) اللہ اپنے اوپر ظلم توڑنے والوں کو کبھی سیدھی راہ پر نہیں ڈالتا۔

فرش زمین:

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا (بقرة۔۲۲) اللہ نے زمین کو تمہارے لیے بستر بنایا۔

اور مقام حیرت ہے کہ ہم اپنے بستر کی ماہیت تک سے ناواقف ہیں۔ ہمیں یہ قطعاً معلوم نہیں کہ یہ زمین کن عناصر سے تیار ہوئی، کب بنی، کس سہارے پر قائم ہے اس کے بطن میں کیا ہے۔ اور یہ اس پر پانی کہاں سے آ گیا؟ ہمارا یہ ''ہمہ دان'' ملا کہتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی قدرت سے ہوا، لیکن کیا اس قدرت کا علم حاصل کرنا ہمارے فرائض میں شامل نہیں؟ اگر نہیں تو اس ارشاد کے کیا معنی ہیں؟

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰـهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ. (مائدہ. ۹۷) یہ اس لیے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کا علم ارض و سماء کو محیط ہے۔

فولاد:

فولاد سے تیار شدہ اشیاء، مثلاً: جہازوں، طیاروں، ٹینکوں اور توپوں کی ہیبت سے آج دنیا لرز رہی ہے۔ وہ قومیں کس قدر طاقتور ہیں جنہیں استعمال فولاد کا علم حاصل ہے اور وہ قومیں کس قدر ضعیف و ذلیل ہیں جو اس علم سے بیگانہ ہیں۔ آج سے ۱۳۶۲ سال پہلے ایک امی (فِدَاہُ اَبِیْ وَاُمِّیْ) نے فاران کی چوٹیوں سے مسلمانانِ عالم کو یہ پیغام سنایا تھا کہ:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ. (حدید. ۲۵) ہم نے فولاد اتارا، جس میں زبردست ہیبت اور دنیا کے لیے بے شمار فوائد ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہ دی اور ذلت و رسوائی کے جہنم میں دھکیل دیئے گئے۔ اگر آج ہماری برائے نام اسلامی سلطنتیں فولاد کے استعمال سے آگاہ ہو جائیں تو ان کا موجودہ ضعف قوت میں اور انحطاط عروج میں بدل جائے۔

ان آیات کی موجودگی میں یہ کہنے کی جرأت کیسے ہوسکتی ہے کہ قرآن تمام زبانوں کے لیے درس ہدایت نہیں؟ فی الحقیقت رسول عربی علیہ السلام کا دیا ہوا پیغام وہ عالی شان دستور العمل ہے جس پر کاربند ہونے کا لازمی نتیجہ زندگی قوت، حشمت، تسخیر بحر و بر اور تمکن فی الارض ہے۔

حمد بے حد مر رسول پاک را آں کہ ایماں داد مشت خاک را

نکتہ:

یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن حکیم میں فقہی آیات عموماً یَسْئَلُوْنَکَ کے جواب میں ملتی ہیں مثلاً یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ.... یَسْئَلُوْنَکَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ . (بقرۃ۔۲۱۹) وغیرہ اور مطالعۂ کائنات پر نہایت تاکیدی اوامر نازل ہوئے ہیں جن سے اعراض کی سزا قومی و ملی ہلاکت ہے۔

ایک تاریخی واقعہ:

حضرت عزیز علیہ السلام بیت المقدس کے پاس سے گزرتے ہیں جسے بخت نصر تباہ کر چکا تھا اور سوچتے ہیں کہ کیا اس ہلاک شدہ بستی کا احیاء ثانی ممکن ہے؟ اللہ نے آپ کو سو سال کے لیے موت دے دی اور پھر زندہ کر کے فرمایا:

فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ. اپنے طعام (انجیر) اور پینے کی چیز (دودھ) کی (بقرۃ. ۲۵۹) طرف دیکھ کہ سو سال کی لمبی مدت میں بھی کوئی چیز خراب نہیں ہوئی۔

دودھ اور انجیر کا اتنے عرصہ تک خراب نہ ہونا کوئی معجزہ نہیں، بلکہ آج ماہرین اشربہ واغذیہ کو اس قابلیت سے ڈبوں میں بند کرتے ہیں کہ سالہا سال تک خراب نہیں ہوتیں۔ اسی آیت کا مندرجہ ذیل ٹکڑا:

وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ قف وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ کَیْفَ نُنْشِزُھَا ثُمَّ نَکْسُوْھَا لَحْمًا. (بقرة. ۲۵۹) اپنے گدھے پر غور کرو، اور ہم تمہیں دنیا کے سامنے ایک نمونہ بنا کر پیش کرنے والے ہیں۔ پھر ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کس طرح انہیں ترتیب دے کر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔

موجودہ علم التشریح کی طرف کس زور کی دعوت ہے۔ جب عزیز علیہ السلام گدھے اور اس کی ہڈیوں کی ترتیب پر غور کر چکے تو الٰہی صناعی و تخلیق سے مرعوب ہو کر پکار اٹھے:

قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. (بقرة. ۲۵۹) تو عزیز پکار اٹھا کہ مجھے قدرت الٰہی کا علم اب حاصل ہوا ہے۔

یہی وہ علم ہے جس کا نتیجہ خشیہ ہے اور جس سے ایمان میں تقویت پیدا ہوتی ہے اور یہی آیات ہیں جن سے اربابِ علم کے دل دہل جاتے ہیں اور سینے نورِ عرفان سے معمور ہو جاتے ہیں۔

اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا. (انفال. ۲) جب ان کے سامنے آیات الٰہی کی تفسیر کی جاتی ہے تو ان کے سینے نور سے منور ہو جاتے ہیں۔

آج مغربی تجربہ گاہوں میں حیوانوں کو چیر پھاڑ کر الٰہی صناعی کا تماشا دیکھا جا رہا ہے، اللہ کی حیرت انگیز تخلیق و نظامِ آفرینش کا مطالعہ ہو رہا ہے اور مسلم نہ صرف جاہل ہے بلکہ ان علوم کو خلاف اسلام قرار دیتا ہے۔ ہم کئی صدیوں سے اس مخبوط الحواسی کی سزا بھگت رہے ہیں اور ابھی نہ جانے کتنے قرن اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ. (حشر. ۱۹) یہ لوگ خدا کو بھول گئے اور خدا نے ان کو یوں حواس باختہ کیا کہ انہیں اپنی خبر بھی نہ رہی۔

ابتلائے خلیلؑ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے تمام کائنات باہیں حسن و جمال پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کو ان تمام حسین مظاہر فطرت میں سے ایک معبود کا انتخاب کرنا تھا۔ آپ کی عرش رس نگاہ آسمان کے نوری کھلونوں کو چیر کر بدیع السموات والارض تک جا پہنچی اور آپ نے یہ روح افزا

اعلان فرمایا کہ:

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ. (انعام۔ ۷۷) میں غروب ہونے والے مظاہر کی پرستش نہیں کرتا۔

یہ تھی پہلی ابتلائے خلیلؑ!

اس کے بعد تحقیق کا درجہ آتا ہے۔ ابراہیمؑ تقلید سے متنفر تھے۔

اگر تقلید بودے شیوهٔ خوب
پیمبر ہم رہِ اجداد رفتے

(اقبالؒ)

اسی لیے فرمایا:

رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى. (بقرہ۔ ۲۶۰) اے رب مجھے احیائے اموات کا منظر دکھلا۔

چنانچہ چار ذبح شدہ پرندے ابراہیمؑ کی آنکھوں کے سامنے دوبارہ زندہ کیے گئے اور یہ تھی دوسری ابتلائے خلیلؑ۔

جب ابراہیمؑ ان ابتلاؤں میں پورے پورے اترے اور صاحب تحقیق ونظر ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا تو اللہ نے آپ کو امامت وسلطنت کی یوں بشارت دی:

اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا. (بقرۃ۔ ۱۲۴) کہ اے ابراہیمؑ! میں تمہیں دنیائے اسلامی کا امام بنانے والا ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ میری اولاد کے متعلق کیا حکم ہے؟ تو کہا:

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ. (بقرۃ۔ ۱۲۴) کہ تیری اولاد میں سے ظالم لوگ صلاحیت امامت کھو بیٹھیں گے۔

جہالت سب سے بڑا ظلم ہے۔ آج اولادِ ابراہیمؑ اسی لیے ذلیل ورسوا ہے کہ کلامِ خدا (قرآن) اور عمل خدا (کائنات) ہر دو سے جاہل ہے اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ زمین کے خزانوں کو استعمال کیے بغیر کوئی قوم چند گھنٹوں کے لیے بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔

نظر:

قرآن حکیم میں بار بار حکم دیا گیا ہے:

اُنْظُرُوْا مَا ذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.   زمین وآسمان پر نظر ڈالو۔

(یونس. ۱۰۰)

آؤ دیکھیں کہ نظر کے معنی لغت میں کیا ہیں۔

نظر: دیکھنا، غور کرنا، معائنہ کرنا، سوچنا (قاموس فیروز آبادی)

تو گویا ہمیں کائنات کو دیکھنا، اس پر سوچنا، غور کرنا اور اس کے تمام پہلوؤں کا معائنہ کرنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس قسم کا دیکھنا ان آنکھوں سے ہو سکتا ہے؟ جواب نفی میں ہے، اس لیے کہ آنکھ کا دائرہ بصارت از بس محدود ہے۔ اگر نظر کمزور ہو تو عینک استعمال کرنی پڑتی ہے، اگر اٹک سے لاہور تک کا سفر کرنا پڑے تو ریل گاڑی کی ضرورت ہوتی ہے چونکہ اللہ نے ہمیں نظر کا حکم دیا ہے، اس لیے ہمارا فرض ہے کہ اس حکم کی تعمیل بہتر سے بہتر رنگ میں کریں اور تیزیٔ بصارت کے جس قدر وسائل مل سکیں، انہیں استعمال میں لائیں۔ آج دنیا میں بہترین آلات بینائی ایجاد ہو چکے ہیں۔ جن سے تخلیق کے بہت سے مخفی پہلو عریاں ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ ان کے آلات کو عربی میں منظار اور اردو میں خوردبین یا دوربین کہا جاتا ہے۔

ایک مسلم کو حکم دیا ہے کہ وہ فریضۂ صلوٰۃ ادا کرے اب یہ مسلم کا فرض ہے وہ جسم کو پاک کرے، صاف کپڑے پہنے اور مسجد تک چل کر جائے یہ خدا کا فرض نہیں کہ اس کے کپڑے دھوئے، اسے وضو کرائے اور فرشتوں کو بھیجے کہ جاؤ میرے پیارے بندے کو اٹھا کر مسجد میں پھینک آؤ۔ بعینہ اسی طرح یہ مسلم کا فرض ہے کہ وہ کائنات کا مطالعہ و معائنہ کرنے کے لیے وسائل نظر تلاش کرے تاکہ الٰہی حکم کی تکمیل ہو سکے۔

انتساب:

جب کوئی فرد قوم کے لیے کسی پہلو میں مفید ثابت ہوتا ہے تو اس کی یادگار باقی رکھنے

کے لیے عمارات وغیرہ کو اس کے نام پر منسوب کر دیا جاتا ہے مثلاً: سر گنگا رام ہسپتال، سر فضل حسین لائبریری، ولز ہاسٹل اور ایمرسن کالج۔ اللہ کے ہاں حشرات و دواب اور اشجار و احجار کو وہ اہمیت حاصل ہے کہ قرآن حکیم کی بعض سورتیں ان کی طرف منسوب کر دی گئیں۔ سورۂ بقرہ میں ۲۶۱۲ الفاظ اور ۲۸۶ آیات ہیں مختلف مضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جنت و دوزخ کا ذکر ہے، ایمان و نفاق پر بحث ہے۔ مختلف پیغمبروں کے تذکرے ہیں اور بہت کچھ ہے لیکن اس سورت کا نام بقرہ (گائے) رکھا گیا۔ مومن، جنت، موسیٰ اور عیسیٰ یا کتاب نہیں رکھا گیا۔

اسی طرح بعض دیگر سورتوں کے نام یہ ہیں:

نمل (چیونٹی)، نحل (مگس شہد)، عنکبوت (مکڑی)، انعام (چوپائے)، دخان (گیس، سٹیم، دھواں)، مائدة (طعام)، الکھف (غار)، نور (روشنی)، صافات (اڑتے ہوئے پرندے)، طور (پہاڑ کا نام)، نجم (ستارہ)، قمر (چاند)، حدید (فولاد)، قلم (آلہ تحریر و تصنیف)، الدھر (زمانہ)، انفطار (پہاڑوں وغیرہ کا پھٹنا)، البروج (آسمان کے حصے)، الطارق (مسافر شب یعنی ستارے وغیرہ)، الفجر (صبح)، البلد (شہر)، الشمس (سورج)، اللیل (رات)، الضحیٰ (طلوع آفتاب کے بعد کا وقت)، التین (انجیر)، زلزال (کانپنا۔ زلزلہ)، العصر (زمانہ)، الفیل (ہاتھی)، لھب (آگ کا بھڑکنا)، الفلق (طلوعِ صبح)، الناس (انسان)۔

غور فرمایئے! مناظر کائنات کو کس قدر اہمیت حاصل ہے کہ کتاب الٰہی کے کئی حصے ان کی طرف منسوب ہیں۔

ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد عالمے از ذرۂ تعمیر کرد
کوہ و صحرا، دشت و دریا بحر و بر تختہ تعلیم ارباب نظر
(اقبالؒ)

علم:

انسانی علم کا تعلق مندرجہ ذیل اشیاء سے ہو سکتا ہے۔

۱۔ پانی سے: مثلاً اشربہ وادویہ وغیرہ تیار کرنا۔

۲۔ زمین سے: انہار کھودنا، معادن نکالنا، طبقات الارض کی چھان بین، پٹرول اور کوئلہ کی تلاش۔

۳۔ ہوا سے: ہوا میں اڑنا، ہوا کا تجربہ اور ہوا کی طاقت کو استعمال کرنا وغیرہ۔

۴۔ آگ سے: سٹیم تیار کرنا، انجن بنانا، آتش بار طیارے ٹینک اور توپیں تیار کرنا۔

۵۔ نباتات سے: تجزیہ نباتات کے بعد خواصِ نباتات معلوم کرنا۔

۶۔ حیوانات سے: حیوانات سے سواری و بار برداری کا کام لینا، اچھی نسلیں پالنا، چمڑے رنگنا، پوستین تیار کرنا اور کعبہ میں ہر سال کئی لاکھ ذبح شدہ حیوانات قربانی کو بجائے نقصان رساں ہونے کے مفید بنانا۔

۷۔ اجسام الناس سے: علم الاعضاء، علم الطب اور تشریح الافعال وغیرہ۔

۸۔ نفوس سے: علم العبادات، شاعری اور موسیقی وغیرہ۔

گویا کائنات کا ہر منظر عجائبات کی ایک دنیا پہلو میں لیے دبکا بیٹھا ہے۔ ہر ذرہ ہمیں قوت و جبروت کا ایک لازوال پیام دے رہا ہے اور ہر پتا بقا و صلاحیت کی حیات انگیز داستان سنا رہا ہے لیکن افسوس ہم ان آیات سے غافل ہیں۔

يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ. (یوسف. ۱۰۵) یہ لوگ مناظر کائنات سے آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں۔

شعاعیں:

پروفیسر آرتھر اڈنگٹن کاسمک شعاعوں (COSMIC RADIATION) پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جو کاسمک شعاعیں عالم بالا سے تخلیق ارض سے پہلے روانہ ہوئی تھیں وہ زمین پر اب پہنچی ہیں۔ یہ مقدار میں بہت کم اور طاقت میں بہت زیادہ ہیں۔ نباتات واز ہار (پھولوں) کا تنوع انہی کی وجہ سے ہے۔ آغازِ آفرینش میں صرف ایک پھول کسی پودے پر لگا ہوگا جب اس پودے کے بیج زمین پر جھڑے تو کسی بیج میں ''کاسمک شعاع'' داخل ہوگئی، فوراً اس میں

ایک تغیر آ گیا۔ چنانچہ اس بیج کے پھول رنگ وصورت میں دوسرے ہم جنسوں سے الگ ہو گئے۔
یہ لالہ وگلاب کی مختلف قسمیں اسی شعاع کی کارستانیاں ہیں۔

شعاعی جنکشن:

ایک انچ بھر فضا میں سے وہ تمام شعاعیں گزر رہی ہیں جو پانی، گھاس، عمارات اور شمس وقمر سے نکل کر ہر طرف پھیل رہی ہیں۔ اگر خوردبین سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس انچ بھر جگہ میں سے کروڑوں اجرام سماوی کی شعاعیں ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی گزر رہی ہیں۔ قطبی ستارے کی ضعیف ترین شعاع آفتاب کی طاقت ور موج نور کو چیر کر جا رہی ہے، اور ایک بہت بڑا ریلوے جنکشن، اس انچ بھر فضائی مقام کے مقابلے میں ہیچ نظر آتا ہے۔

روشنی کی طاقت:

روشنی ایک مہیب طاقت ہے، جو کرنوں کا زینہ لگا کر آسمان سے اتر رہی ہے، اگر ہم اس روشنی کو جمع کر سکیں جو ٹینس کے میدان پر صرف ایک دن میں پڑتی ہیں تو اس قوت سے دو سو گھوڑوں کی طاقت کا ایک انجن قیامت تک چلایا جا سکتا ہے۔

روشنی کی قیمت:

ہم اپنے کارخانوں اور گھروں میں بجلی سے کام لیتے ہیں جس کا منبع اولین آفتاب ہے۔ یورپ کے ایک ماہر طبیعات نے اندازہ لگایا ہے کہ تمام دنیا میں ہر سال صرف ۱/۴ چھٹانک وزن کی بجلی خرچ ہوتی ہے جس کے پیدا کرنے پر ۳۴ کروڑ روپیہ لاگت آتی ہے۔ دوسری طرف جو روشنی سورج سے صرف ایک دن میں زمین پر آتی ہے، اس کا وزن ۴۴۸۰ من ہے۔ بجلی کے حساب سے اس روشنی کی قیمت ۱۵,۰۰,۰۰,۰۰,۰۰,۰۰,۰۰۰ ڈالر بنتی ہے۔ اللہ سبحانہ کا لطفِ عمیم دیکھو کہ ہم ایک پائی تک صرف کئے بغیر طاقت کے اس بے پناہ خزانے سے متمتع ہو رہے ہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ. (الرحمٰن. ۱۳) تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے۔

علمائے مغرب کا خیال یہ ہے کہ آفتاب ہمیں دس ارب سال تک اور روشنی دیتا رہے گا۔

گہوارۂ زمین:

ابتدا میں زمین ہموار تھی اور اس پر ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ اگر آج زمین کو پھر ہموار کر دیا جائے تو ہر مقام پر تقریباً دس ہزار فٹ گہرا پانی چھا جائے۔ کچھ مدت کے بعد زمین کی اندرونی حرارت سے بطن الارض کے مواد اچھل کر باہر آ گئے اور ہر سو پہاڑ نظر آنے لگے۔ زلزلوں کے علاوہ پانیوں کی شکست و ریخت اور طول زماں نے بھی سطح زمین کو ناہموار بنانے میں کافی حصہ لیا۔ زمین کا ناہموار ہونا ایک الٰہی رحمت ہے ورنہ یہ انسانی و حیوانی زندگی کا گہوارہ نہ بن سکتی۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا. (طٰهٰ ۵۳) اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارا گہوارہ بنایا۔

عادتِ الٰہیہ:

بعض حیوانات بعض اعضاء کو زیادہ استعمال کرتے ہیں تو وہ بڑھ جاتے ہیں اور بعض کم استعمال کرتے ہیں تو وہ رفتہ رفتہ مٹ جاتے ہیں۔ نباتات میں بھی یہی سنتِ الٰہیہ جاری ہے۔ کچھ صدیاں پیشتر کیلے کی پھلی میں امرود کی طرح چھوٹے چھوٹے بیج ہوا کرتے تھے جن کی کاشت سے کیلا پیدا کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ کیلے کی شاخیں لگانے کا رواج ہو گیا۔ جب قدرت نے دیکھا کہ بیج کو استعمال نہیں کیا جاتا تو آہستہ آہستہ بیج کا خاتمہ ہی کر دیا۔ اور آج کیلے میں بیج دکھائی نہیں دیتا۔ قدرت کا ازل سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ صرف ان اقوام کو دنیا میں باقی رکھتی ہے جو مفید ہوں اور غیر مفید اقوام کو کیلے کے بیج کی طرح مٹا دیتی ہے۔

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ زمین میں صرف اسی کو رنگِ دوام حاصل ہوتا (رعد۔ ۱۷) ہے جو دنیا کے لیے مفید ہو۔

اللہ سنتا ہے:

آج ہم تموج اثیری کی بدولت ہزارہا میل دور کی باتیں چشم زدن سے بے تار و سلسلہ سن رہے ہیں۔ یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ اثیر اللہ کے دائرہ اختیار کے اندر ہے یا باہر؟ اگر اندر ہے تو لازماً کائنات کی ہر وہ آہٹ صدا اور جنبش جو اثیر میں جنبش پیدا کر سکتی ہے اللہ تعالیٰ

سے پنہاں نہیں رہ سکتی ہے۔نظریہ امواج اثیری نے ہمیں یقین دلا دیا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ۔ اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔

امپریل کالج آف سائنس (لنڈن) کے ایک پروفیسر مسٹر ولیم ایک دفعہ انسانی کان کی ساخت پر غور کر رہے تھے۔ الٰہی صناعی کے حیرت انگیز کمالات سے مرعوب ہو کر چلا اٹھے:

"He who planted ears,

Shall He not hear?"

''جس اللہ نے کان ایجاد کیے ہیں، کیا وہ خود صفتِ سمع سے محروم ہے؟''

سبحان اللہ! پروفیسر ولیم کو اپنے علم و مطالعہ کی بدولت اللہ کی صفت سمع پر کیا روح افزاء ایمان حاصل ہے۔

ماحول سے تطابق:

تمام کائنات کی ترکیب بجلی کے خوردبینی ذرات، یعنی منفیوں (ELECTRONS) سے ہوئی۔ منفیوں کا اختلاط مثبت ذرات برقیہ، یعنی ثباتیوں (PROTONS) سے ہوا اور یہ مرکب عقیمیہ (NEUTRON) کہلایا۔ چند عقیمیے مل کر جواہر (ATOMS) بنے اور جواہر کا مجموعہ سالمہ (MOLECULE) کہلایا۔ ہر جوہر اور ہر سالمہ بجلی کا ایک چھوٹا سا خزانہ ہے۔

نباتات کی ترکیب بھی انھی ذرات برقیہ سے ہوئی۔ صرف نام کا فرق ہے، نباتات میں عنصر نباتی کی ترکیب خلیوں (CELLS) سے ہوتی ہے۔ ہر خلیہ منفیوں اور ثباتیوں کا ایک مرکب ہوتا ہے۔ جس کے اجزائے ترکیبی بنایے (PROTOPLASM) کہلاتے ہیں۔ یہ خلیہ کوئی مردہ چیز نہیں بلکہ نہایت حساس اور پیچیدہ خزانہ حیات ہے، جس کے مقابلہ میں گھڑی یا مطبع کی مشین از بس سادہ معلوم ہوتی ہے۔ ہر بنایے میں ماحول کے ساتھ بدلنے کی حیرت انگیز استعداد موجود ہے۔

آغاز میں پودے سمندر کے ساحل پر نمودار ہوئے تھے جب ان کے بیج جھڑے تو آندھیاں، پرندے اور بارشیں انہیں نئے ماحول میں لے گئیں، جہاں پودوں میں کچھ تبدیلی پیدا ہوگئی، جو گلاب کا پودا کسی باغ میں اگا تھا اور اسے ہر وقت حیوانات کی غذا بننے کا ڈر رہتا تھا۔ قدرت نے حفاظت کی خاطر اس کے ساتھ بہت زیادہ کانٹے دیئے اور جو گلاب کسی باغ میں اگا تھا جس کے اردگرد اونچی دیوار تھی اور ایک مالی بھی حفاظت پر مقرر تھا، اس کے کانٹے کم کر دیئے اور پھر جنگلی اور بستانی پودے میں بہ لحاظ نزاکت ولطافت بھی کافی فرق دیکھا گیا۔ باغ میں پودے مالی اور نظارگیوں کی خواہش سے بھی متاثر ہوکر زیادہ خوشنما ونازک بن گئے۔

شرلے کہتا ہے کہ میں نے پائیں باغ کے ایک کونے میں ہی پی کا ایک پھول دیکھا جس کے کنارے کچھ سفیدی مائل تھے، میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ یہ پھول بالکل سفید ہوجائے۔ اگلے سال یہ پھول زیادہ سفید ہوگیا اور چند سال کے بعد بالکل سفید۔

نباتات کی طرح حیوانات کو بھی نئے ماحول میں نئے اعضاء وآلات مل جاتے ہیں۔ پرندے کی چند ہڈیاں صرف گیس سے پر ہوتی ہیں، تاکہ ہوا میں اپنا بوجھ آسانی سے اٹھا سکے۔ مینڈک کی وہ تھیلی جو پانی میں تیرنے کے کام آتی ہے، خشکی پر پھیپھڑے کے فرائض سرانجام دیتی ہے، اسی طرح مچھلی کو پانی میں جس قدر آلات کی ضرورت تھی وہ سب عطا ہوئے۔ یہاں قدرتا سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب کچھ کسی قوت ناظمہ کے بغیر ہو رہا ہے؟ کیا کائنات کی اس حیرت انگیز مشین کو چلانے کے لیے کوئی دماغ مصروف عمل نہیں؟ کیا یہ تخلیق وآفرینش کے بصیرت افروز معجزے محض حسنِ انسان سے ظاہر ہو رہے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ایک مغربی عالم کیا پتے کی بات کہتا ہے:

"THE IDEA OF MIND BEHIND AND MIND WITHEN SEEMS AS RATIONAL AND WORKING HYPOTHESIS AN ANY."

''یہ خیال کہ ایک دماغ کائنات کے اندر اور باہر مصروف عمل ہے۔ ایک معقول اور

قابلِ یقین تخیل ہے۔"

رفتارِ آفرینش:

زمین میں ارتقائے آفرینش پر لاکھوں صدیاں صرف ہوئیں۔ایک وہ وقت بھی تھا کہ کائنات عقل سے محروم تھی، انسان کی تخلیق نے اس کمی کو پورا کیا۔دوسرے لفظوں میں انسان کی ایجاد گزشتہ تاریخ تخلیق کا آخری واکمل باب تھا۔ابھی ایسے دماغ آئیں گے، جن کی تمہید ہم ہیں۔ خدا جانے یہ دنیا کہاں جارہی ہے، آج سے دس لاکھ سال بعد کیسے انسان آئیں گے، اوران کے دماغ کس قدر بلند ہوں گے، کوئی نہیں بتلاسکتا۔ برناڈ شا کہتا ہے کہ کئی لاکھ سال بعد انسانی عقل ارتقاء کی اس منزل تک جا پہنچے گی کہ طیاروں اور موٹروں سے ہزار گنا زیادہ تیز رفتار سواریاں ایجاد ہو چکی ہوں گی، اور جس طرح کہ آج حجری زمانے کے آلات وظروف اور ازمنہ وسطیٰ کی منجنیق عجائب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔اس زمانے میں طیارے وغیرہ زمانۂ جاہلیت کی یادگار سمجھ کر عجائب گھروں میں رکھ دیے جائیں گے۔سچ ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا. جب ہم کسی آیت یا منظر کو مٹا دیتے ہیں تو اسے بہتر یا ویسا ہی پیدا کر دیتے ہیں۔

تلافی مافات:

انسانی بدن کی مشین پر غور فرمایئے۔ایک ڈاکٹر اس اعتماد پر جسم میں سوراخ کر دیتا ہے کہ اندر ایک حیرت خیز مشین، پوست گوشت بنانے پر لگی ہوئی ہے۔اگر تلافی مافات کا یہ قدرتی سلسلہ نہ ہوتا تو ہزارہا مریض عمل جراحی (آپریشن) کے بغیر ہلاک ہو جاتے۔اسی طرح کا ایک سلسلہ عالمِ اخلاق میں بھی کام کر رہا ہے۔ہم گزشتہ گناہوں اور کج راہیوں کی تلافی توبہ وندامت سے کر سکتے ہیں اور برہمنوں کا یہ اصول کہ گناہ کی تلافی نہیں ہو سکتی درست نہیں۔

ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. جو لوگ جلد ہی سنبھل جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ خامیوں کو نظر انداز فرما دیتا ہے۔ (نساء۔ ۱۷)

اللہ کا دارالحکومت:

اگر سرما کی کسی رات کو مریخ کا کوئی باشندہ بمبئی کے بازاروں میں اتر آئے تو وہ ہر طرف بلند عمارات اور خوبصورت دکانیں دیکھے گا، جن میں بجلی کے قمقمے نور کا سیلاب اٹھا رہے ہوں گے موٹروں کا تانتا بندھا ہوگا، ہر طرف ایک چہل پہل نظر آئے گی، تو کیا وہ یہ خیال کرے گا کہ یہ تمام رونق خود بخود پیدا ہوگئی؟ کیا ایک جوہری کی دکان میں چاندی اور سونے کے برتن خود بخود قرینے سے سج گئے؟ کبھی نہیں۔ ذرا اندھیری رات میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو، ستاروں کے قمقمے کس شان وشکوہ سے جل رہے ہیں۔ نور وتجلی کا کیا سیلاب امنڈ رہا ہے، کہکشاں کی شاہراہوں پر کروڑوں آفتاب کیسی بہار دکھلا رہے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کسی عظیم الشان فرمانروا کا دارالحکومت ہے۔

سُبْحَانَهُ وَ تَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ. کیا یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، اللہ اس سے بہت بلند اور پاک ہے۔

کائنات کے اس لرزہ فگن سلسلے پر غور کرنے کے بعد جرمنی کے مشہور مفکر آئن سٹائن نے فرمایا:

THE UNIVERSE IS RULED BY MIND AND WHETHER IT BE THE MIND OF A MATHEMATICIAN OR OF AN ARTIST OF A POET OR ALL OF THEM: IT IS THE ONE REALITY WHICH GIVES MEANING TO EXISTENCE. ENRICHES OUR DAILY TASK ENCOURAGES OUR HOPE AND ENERGIZES US WITH FAITH WHEREVER KNOWLEDGE FAILS.

کائنات پر ایک زبردست دماغ حکومت کر رہا ہے، اس سے بحث نہیں کہ وہ دماغ ریاضی داں کا ہے، یا مصور کا، شاعر کا یا ان سب کا، یہ ایک حقیقت ہے جو ہماری حیات کو پر معنی بناتی

ہے، امیدوں کو ابھارتی ہے اور جہاں علم کی روشنی نا کام رہے، وہاں ہمارے یقین کو اور زیادہ مضبوط کرتی ہے۔

یہی مفکر ایک مقام پر کہتا ہے:

"HE WHO CAN NO LONGER PAUSE TO WONDER AND STAND RAPT IN AWE IS AS GOOD AS DEAD AND HIS EYES ARE CLOSED."

وہ انسان جو کائنات پر اظہار تعجب کے لیے ٹھہرتا نہیں اور اس پر خشیہ وتقویٰ کی کیفیت طاری نہیں ہوتی، وہ مر چکا ہے اور اس کی آنکھیں بصارت سے محروم ہو چکی ہیں۔

آئن سٹائن کا یہ قول آیتِ ذیل کا تقریباً ترجمہ معلوم ہوتا ہے:

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ لا وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۔

کیا یہ لوگ کائنات ارض وسماء اور دیگر الٰہی مخلوق پر غور نہیں کرتے؟ شاید ان کی موت قریب آ گئی ہے۔

(اعراف۔ ۱۸۵)

ہمالہ کے بلند اور دہشت ناک سلسلے کے سامنے کھڑے ہو کر ایک انسان یوں محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی ہیبت انگیز جبار کے پر عظمت دربار میں سہا ہوا کھڑا ہے وہ ہر سو سیع وعمیق وادیاں، وہ حواس بر افگن سکوت، وہ رعب وہیبت کی لا انتہائیاں اور حیرت وتعجب کی بے پایانیاں۔ اللہ اللہ انسانی عقل کپکپا اٹھتی ہے، کیا ان مہیب مناظر کی خالق وہی ہستی ہے، جس نے کشمیر کے حسین و جمیل خطے کو اپنی رعنائیوں کا مظہر بنایا۔ یہ پھولوں کی دنیا، ندیوں کے نغمے، چڑیوں کے زمزمے، ہواؤں کی لطافتیں، فضاؤں کی ملاحتیں، دنیائے رنگ، جہان نیرنگ!

وہ سامنے سمندر کی پر جبروت دنیا میں ہمالہ پیکر موجیں ایک ہولناک چٹان سے ٹکرا کر دھاڑتی ہوئی واپس آ رہی ہیں۔ پانی کی یہ دنیا کس قدر مرعوب کن ہے، دوسری طرف شب ماہتاب میں کسی خاموش تنہا اور آسودہ جھیل کا منظر کس قدر دل فریب ہے اس کے ساحل پر وہ تیلے

نیلے، اودے اودے پھول، عطرتیوں میں بسی ہوئی ساکن ہوا۔ سطح آب پر سویا ہوا سکون، گھاس میں نیم بیدار بگلے اور مرغابیاں۔ آہ! یہ منظر کتنا حسین اور کتنا وجد آور ہے۔ ہم یوں محسوس کرتے ہیں کہ گویا فطرت کی بہاروں میں گم ہو رہے ہیں کسی مغربی فطرت شناس نے کیا اچھا کہا ہے:

"WHEN WE STAND AND GAZE UPON THE SCENE BEFORE US WE GROW TO FEEL A PART OF IT. SOMETHING IN IT COMMUNICATES WITH SOMETHING IN US. THE COMMUNION BRINGS US JOY AND THE JOY BRINGS US EXALTATION."

''جب ہم کچھ رک کر ان حسین مناظر پر نگاہ ڈالتے ہیں، جو ہمارے سامنے حد نگاہ تک پھیلے ہوئے ہیں، تو ہم محسوس کرتے ہیں گویا ہم ان مناظر کا ایک جزو بن چکے ہیں۔ اس حالت میں کائنات کا شاہد مستور ہم سے ہم کلام ہو جاتا ہے۔ یہ ہم کلامی کیف نشاط پیدا کرتی ہے اور یہ نشاط وجد و مستی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

خیز دوا کن دیدہ مخمور را دوں مخواں ایں عالم مجبور را
غایتش توسیع ذات مسلم است امتحاں ممکنات مسلم است

(اقبالؒ)

صدرِ محفل:

ماہرین علم السماء نے اندازہ لگایا ہے کہ اس نیلی فضا میں ہمارے آفتاب سے لاکھوں گنا بڑے بے شمار سورج نہایت تیزی سے محو پرواز ہیں اور ہمارا آفتاب کائنات کے بے شمار شمسی نظاموں کے سامنے محض ایک ذرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر یہ تمام شموس و اقمار مل کر قدرت کی لا انتہا دنیاؤں کی ایک چھوٹی سی کسر بنتے ہیں، انسان کائنات کی اس وسیع و عریض محفل میں صدر نشین ہے کتنی بڑی تکریم اور کتنا بڑا اعزاز ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل) ہم نے انسان کو اشرف کائنات بنایا۔

انسان کی برادری کس قدر وسیع ہے، کہکشانی سیارے سے لے کر لالۂ صحرا تک سب ہی لوگوں میں ایک ہی خون (ذراتِ برقیہ) دوڑ رہا ہے۔ سب کی پیدائش ایک ہی نفس (منفیہ) سے ہوئی، اس لیے یہ سمندر، پہاڑ اور آفتاب و نجوم انسان کے بھائی ہیں۔ گو انسان عمر اور قد میں چھوٹا ہے لیکن ع

"ہرچہ بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر"

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ایک نفس (منفیہ)

(اعراف. ۱۸۹) سے پیدا کیا ہے۔

ہمیں اس پرشکوہ کائنات کا سردار بنا کر بھیجا گیا تھا لیکن حالت یہ ہے کہ ہم قدم بہ قدم پر آئینِ فطرت توڑتے ہیں۔ باقی تمام کائنات اپنے دستور العمل کو نباہ رہی ہے اور انسان:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ تاریخ عالم (العصر) شاہد ہے کہ انسان ہمیشہ

(عصر. ۲.۱) خسارے میں رہا۔

کیا یہ محض حُسنِ اتفاق ہے؟

ہماری زمین آفتاب سے نکلی تھی، اس لیے ارضی برقیوں کا منبع بھی آفتاب ہے۔ سورج سے نکلے ہوئے یہ ذرات آج طیور و وحوش اور لالہ و گل کی صورت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان شعلوں کو یہ شکل کس نے دی؟ کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا؟ ہم مانتے ہیں کہ دنیا میں اتفاق بھی کوئی چیز ہے لیکن اتفاقات یا مواقع اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی۔ پھر یہ کیوں ہے کہ تخلیق کائنات میں تمام اچھے مواقع استعمال کئے گئے اور برے اتفاقات کو چھوا تک نہیں گیا؟ اس لیے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ کوئی نگران آنکھ اور کوئی زبردست دماغ مصروفِ عمل ہے جو تمام تعمیری مواقع مہیا کر رہا ہے اور تخریبی مواقع سے بچ رہا ہے۔ تخلیق و تکوین کے یہی وہ ایمان افروز معجزات ہیں جن پر غور کرنے کے بعد پروفیسر ولیم میکمر اٹد نے کہا تھا:

"CAN ANYONE SERIOUSLY SUGGEST THAT THIS DIRECTING AND REGULATING POWER

ORIGINATED IN CHANCE ENCOUNTER OF ATOMS? CAN THE STREAM RISE HIGHER THAN ITS FOUNTAIN?"

کیا کوئی شخص سنجیدگی سے یہ خیال کر سکتا ہے کہ کائنات میں یہ نظم و ہدایت عناصر کی اتفاقیہ آمیزش سے پیدا ہوگئی ہے کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی نہر اپنے منبع سے مرتفع تر سطح پر بہہ سکے۔

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِيْنَ. (مؤمنون. ١٧) آفرینش کائنات سے ہم غافل نہ تھے۔

نقشۂ تعمیر:

آم کی گٹھلی ایک چھوٹا سا صندوق یا فریم ہے، جس میں آم کے درخت کا مکمل خاکہ و نقشہ پتوں، ٹہنیوں اور پھل سمیت موجود ہوتا ہے۔ یہ چھوٹا سا آم گٹھلی میں موجود ہے، زمین، ہوا اور آفتاب سے غذا و حرارت حاصل کرنے کے بعد پودا درخت بن جاتا ہے۔ یہ گٹھلی اس نقشے کی طرح ہے جو انجینئر تعمیر عمارات سے پہلے تیار کرتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین پر جب پہلا آم اگا تھا تو نقشہ کہاں تھا؟ جواب یہ ہے کہ خالق کے دماغ میں:

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ○ (سبا. ٣) ذرہ یا ذرے سے کم و بیش کوئی زمینی یا آسمانی چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین، یعنی علم الٰہی میں موجود نہ ہو۔

مخفی طاقت:

تمام کائنات پر ایک غیر محسوس طاقت کا اثر نظر آتا ہے۔ ہر چند کہ یہ طاقت غیر مرئی ہے لیکن یقیناً موجود ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ہم ریڈیو پر دس ہزار میل سے کوئی تقریر یا ڈرامہ سنتے ہیں اور کبھی کبھی متاثر ہو کر رو دیتے ہیں۔ مقرر دس ہزار میل دور ہے اور ہم تک اس کی آواز اثیر کی بدولت پہنچ رہی ہے۔ بہ الفاظ دیگر ہم اثیر سے متاثر ہو رہے ہیں جو ایک غیر محسوس طاقت ہے۔ اس سے واضح تر مثال یہ ہے کہ سیب درخت سے ٹپکنے کے بعد نہ تو آسمان کی طرف دوڑتا ہے اور نہ

افق کی طرف بھاگتا ہے بلکہ کشش ارضی (ایک غیر محسوس طاقت) کے زیر اثر زمین کی طرف آتا ہے۔ دیکھا آپ نے کہ سیب کی اس افتاد پر ایک غیر مرئی طاقت کا کتنا زبردست اثر ہے، اسی طرح کی ایک طاقت تمام کائنات میں سرگرم عمل ہے جسے اللہ کہا جاتا ہے۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ط اللہ کا تخت سلطنت ارض وسما کو محیط ہے۔

(بقرة. ۲۵۵)

جس طرح پاکستان کے تمام دشت وجبل، باغ وراغ اور انسان وحیوان مل کر پاکستان کہلاتے ہیں اور انسان پاکستان کا دماغ ہے پھر کسی خاص موقعہ (مثلاً جلسہ تقریب وغیرہ) پر صرف ایک منتخب انسان صدر بزم بنتا ہے جو اہل پاکستان کے جذبات وخواہشات کا مظہر ہوتا ہے۔ اسی طرح کائنات کی بھری محفل میں اللہ تعالیٰ صدر محفل ہے جو قوت، طاقت، خواہشات اور جذبات انسانی کا منبع ومصدر ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ. (دھر. ۳۰) پہلے اللہ ایک چیز کی خواہش کرتا ہے اور پھر تم

دنیائے مغرب کا ایک حکیم عجائبات تکوین سے متاثر ہو کر کہتا ہے:

"THE MORE WE KNOW THE MORE WE FIND THERE IS TO KNOW. THE FARTHER WE GO, THE GREATER IS OUR JOY. THE DEEPER WE PENETRATE THE HIGHER IS OUR EXALTATION. SO ON AND ON WE SHALL GO LAYMEN AND SCIENTISTS ALIKE, WE SHALL NEVER STOP, BECAUSE THE LURE IS TOO GREAT."

جوں جوں ہمارا علم فطرت بڑھتا جاتا ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ابھی کچھ اور بھی ہے جسے جاننا چاہیے۔ اس کیف انگیز دنیا میں ہم جوں جوں آگے بڑھتے ہیں ہماری مسرتوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مطالعہ کائنات پر صرف کیا ہوا لمحہ ہمیں بلند تر کیف ومستی کا پیام دیتا ہے۔ ہم سب

(عوام وعلماء) اس حسین منزل کی طرف بڑھتے ہی جائیں گے اور ٹھہریں گے نہیں، اس لیے کہ شاید کائنات کی تجلیاں از بس نظر فریب ہیں۔

وحدتِ کائنات پر فرانسس تھامپسن کا خیال ملاحظہ ہو:

" ALL THINGS BY IMMORTAL POWER NEAR
AND FAR HIDDENLY TO EACH OTHER LINKED ARE.
THAT THOU CANNOT STIR A FLOWER.
WITHOUT THE TREMBLING OF A STAR."

''تمام قریب و بعید اشیاء کو ایک لازوال طاقت نے مخفی طور پر بہ یک دیگر باندھ رکھا ہے جب تم ایک پھول کو چھیڑو گے تو فضائے گردوں میں ایک ستارہ کانپ اٹھے گا۔''

اللہ اکبر! توحید پر اس سے بہتر مضمون کوئی کیا باندھے گا۔ یہی وہ زمزمۂ ہائے ثناو عبودیت ہے جو قرنوں کے مسلسل مطالعہ و تفکر کے بعد ان کے دل کی گہرائیوں سے نکل رہے ہیں۔ کیا اللہ ایسے انسانوں کو سپرد جہنم کر دے گا جن کی زندگیاں افعال الٰہی کی تلاش میں کٹ گئیں۔ جنہوں نے ہر پتے میں انوارِ الٰہی دیکھے۔ ہر ذرے میں آفتاب الوہیت کا تماشا کیا، ہر قطرے میں اس کی صناعیاں عیاں و نہاں دیکھیں اور پھر کھول کھول کر ہمیں سمجھائیں۔

اللہ کی ان خیرہ ساز اور مبہوت کن دنیاؤں میں انسان کی حقیقت ہی کیا ہے؟ وہ ایک چھوٹا سا کیڑا ہے جو زمین پر رینگ رہا ہے، پھر اس خالق ارض و سماء اور قہار و جبار کی نوازش دیکھو کہ وہ اس حقیر سی مخلوق (انسان) کی طرف کبھی پیغمبر بھیجتا ہے کبھی اپنا جمال دکھاتا ہے اور کبھی ہم کلامی کا شرف عطا کرتا ہے۔ ایک عبرانی شاعر کیا پتے کی بات کہتا ہے:

"WHEN I COSIDER THE HEAVENS, THE MOON AND THE STARS WHICH THOU HAST ORDAINED, WHTAT IS MAN THAT THOU ART MINDFUL OF HIM AND THE SON OF MAN THOU

VISITED HIM."

''جب میری نگاہ تیرے مہیب آسمانوں، ستاروں اور مہتاب پر پڑتی ہے جو تیری مشیت سے مقہور و مجبور ہو کر سرگرم عمل ہیں تو معاً خیال آتا ہے کہ خدا جانے یہ انسان کیا چیز ہے جس کی تجھے اس قدر فکر ہے کہ ابن آدم کو تو نے اپنا جلوہ بھی دکھایا۔''

لندن یونیورسٹی کے ماہر علم التشریح پروفیسر ڈیوڈ فریسر نے اللہ جانے انسانی بدن میں الٰہی تخلیق کے کیا شعبدے دیکھے کہ مبہوت ہو کر بول اٹھا:

"OUR MINDS AR OVERWHELMED BY IMMENSITY AND MAJESTY OF NATURE."

''عظیم فطرت کے لامتناہی جلال و جبروت کو دیکھ کر میرا دل ڈوب رہا ہے۔''

یہی شیدائی فطرت ایک اور مقام پر کہتا ہے:

"WE HARDLY KNOW WHICH TO ADMIRE THE MORE, THE MIND THAT ARRANGED NATURE OF THE MIND WHICH INTERPRETED."

''ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کس کی زیادہ تعریف کریں، اس دماغ کی جس نے فطرت کو آراستہ کیا یا اس دماغ کی جس نے فطرت کی ترجمانی کی، یعنی علمائے فطرت۔''

خالق کائنات بے حد جدت پسند ہے ایک حقیر ذرہ برقی سے کیا کچھ بنا ڈالا ارب در ارب انسان پیدا ہو چکے ہیں لیکن تنوع پسند رب نے ایک چہرہ دوسرے سے ملنے نہ دیا۔ گلوں کی بو قلموں رنگت، حیوانات و حشرات کی لامتناہی انواع، جمادات کی بے شمار اقسام، اثمار و فواکہ کے مختلف ذائقے اور کھرب در کھرب اشجار کے مختلف اوراق و اشکال، انسان سوچتا ہے تو عالم حیرت میں کھو جاتا ہے کہ اس قدر مصروف اور اتنا سرگرم عمل خدا اس قدر مہیب نگران اور اتنا جدت پسند! ٹینیس مرعوب ہو کر پکار اٹھا:

"WHAT A MARVELLOUS IMAGINATION GOD

ALMIGHTY HATH."

''رب ذوالجلال کس قدر حیرت انگیز تخیل کا مالک ہے۔''

یہ حسین دنیا ایک نگارستان ہے، جس میں نظر فریب نقوش و تصاویر جنت نگار بنی ہوئی ہیں ایک البم ہے، جس کا ہر شاہکار لاجواب ہے اور ایک دیوان ہے، جس کا ہر شعر کیف انگیز و وجد آور ہے۔ یہی وہ حسین اشعار تھے جن کو پڑھنے کے بعد سر جیمز جینز نے کہا تھا:

"THE UNIVERSE LOOKS MORE LIKE A GREAT THOUGHT THAN A GREAT MACHINE."

''یہ کائنات کوئی مشین نہیں، بلکہ کسی شاعر کا زبردست تخیل معلوم ہوتی ہے۔''

فطرت کی لاانتہائیت پر علامہ پکل کا قول ملاحظہ ہو:

"THE UNIVERSE IS A CIRCLE WHOSE CENTER IS EVERYWHERE AND CIRCUMFERENCE IS NOWHERE."

''یہ کائنات ایک دائرے کی طرح ہے جس کا مرکز تو ہر جگہ نظر آتا ہے لیکن خطہ محیط کہیں نہیں ملتا۔''

توازن:

ہماری زمین کی دو حرکتیں ہیں، ایک اپنے گرد اور دوسری سورج کے گرد، زمین ایک گھنٹے میں کئی ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہی ہے۔ لیکن توازن کا یہ عالم ہے کہ کہیں کوئی ہچکولا محسوس نہیں ہوتا۔ زمین کے اس حیرت انگیز عدل و توازن کو دیکھ کر سر جیمز پکار اٹھے:

"THE TREMBLING UNIVERSE MUST HAVE BEEEN BALANCED WITH UNTHINKABLE PRECISION."

اس کانپتی ہوئی کائنات میں ایک دقیق اور ماوراء الادراک صناعی سے عدل و توازن

پیدا کیا گیا ہے۔"

واقعہ:

ایک دفعہ سر ڈیوڈ بروسٹر تجربہ گاہ میں قطرہ آبی کا مطالعہ کر رہے تھے۔ انہیں معلوم ہوا کہ پانی کے ہر جوہر (ATOM) کی ترکیب گھڑی کی مشین سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ آپ پر ایک وجد سا طاری ہو گیا اور فرطِ حیرت میں بول اٹھے:

"OH GOD! HOW MARVELLOUS ARE THY WORKS."

"اور ب تیرے کام کس قدر حیرت انگیز ہیں۔"

سچ ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا. (فاطر. ۲۸) اللہ سے صرف علمائے فطرت ہی ڈرتے ہیں۔

یک رنگی کائنات:

کائنات میں کئی طرح سے یک رنگی ہے۔

۱۔ ماحول سے تطابق عالم گیر ہے۔ سرد ممالک میں جانوروں کے لمبے بال گرم خِطوں میں کالا رنگ۔ حفاظت کے لیے ضعیف خرگوش اور ہرن وغیرہ کا ہم رنگِ زمین ہونا۔ مچھلی کے آلات شناوری اور پرندے کے پر اس عالم گیر اصول کی تصدیق کر رہے ہیں جو حیوانات ماحول کے مطابق نہیں چل سکتے انہیں اس طرح میٹ دیا جاتا ہے۔ جس طرح مسلمان کو جو سائنس کی دنیا میں رہ کر اوراد و وظائف اور ریش و قبا پر تمام زور صرف کر رہا ہے۔

۲۔ ہر چیز کی تکوین ذراتِ برقی (منفیے) سے ہوئی۔

۳۔ دنیا میں باہمی احتیاج عالم گیر ہے۔ اگر مختلف نمک اور بیکٹیریا موجود نہ ہوں تو نباتات فنا ہو جائیں اور اگر نباتات نہ ہوں تو حیوانات ختم ہو جائیں۔

۴۔ یک رنگی کا کمال دیکھیے کہ ہر دل ایک منٹ میں ۷۰،۷۲ دفعہ دھڑک رہا ہے۔ ہر پھیپھڑا ایک دقیقے میں ۱۶،۱۷ مرتبہ سانس لے رہا ہے۔ پانی کی سطح ہر جگہ برابر ہے۔ ہوا ہر مقام پر پانی سے ہلکی ہے، بکری کے پیٹ سے ہر جگہ بکری ہی پیدا ہو رہی ہے۔ الغرض! بہار و خزاں، موت و حیات اور گردش نجوم و شمس وغیرہ میں ایک زبردست تناسب، حیرت انگیز ہم آہنگی اور ایک ایمان افروز یکسانیت پائی جاتی ہے۔

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ o (ملك. ۳)

الٰہی تخلیق میں تمہیں کہیں بھی عدم تناسب یا فقدانِ ہم آہنگی نظر نہیں آئے گا، بار بار دیکھو کیا تمہیں کوئی ایسی کمی نظر آتی ہے۔

اس آیت کی بہترین تفسیر مغرب کے ایک عالم فطرت کی زبانی سنیے:

"ONE PLAN, MANY VARIATIONS. ONE DESIGN. MANY MODIFICATIONS. ONE TURTH, MANY VERSIONS."

"یہ کائنات کیا ہے؟ ایک نظام ہے جس کے مختلف پہلو ہیں ایک نظم ہے جس میں خوش گوار اختلاف ہے اور ایک صداقت ہے جس کی کئی تعبیریں ہیں۔"

سیموئیل راجرز اپنے نتائج غور و فکر کا یوں اعلان کرتے ہیں:

"THE VERY LAW WHICH MOULDS A TEAR AND BIDS IT TRICKLE FROM ITS SOURCE. THAT LAW PRESERVES THE EARTH AND GUIDES THE PLANETS IN THEIR COURSE."

"اللہ کی وہ مشیت جو قطرے کو آنسو بنا کر آنکھ سے لڑھکا دیتی ہے، وہی مشیت زمین کو فضا میں تھامے ہوئے ہے اور ستاروں کی ان کی معینہ گزرگاہوں پر حفاظت و رہنمائی کر رہی ہے۔"

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ○ اللہ نے آسمان کو فضا کی وسعت میں اٹھا کر
(رحمٰن۔ ۷) کائنات میں توازن پیدا کر دیا ہے۔

سیموئیل راجرز فرماتے ہیں:

"WE ARE AT LOSS TO KNOW WHICH TO ADMIRE THE MORE. THE MATHEMATICAL ACCURACY OF THE UNIVERSE OR THE BEAUTY OF ITS DESIGN."

''ہم فرطِ حیرت سے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کس کی زیادہ تعریف کریں، اس حسابی عدل و توازن کی جو زینتِ فطرت ہے یا اس حسین وجمیل ساخت کی جو کائنات میں موجود ہے،

روشنی اور بجلی کے انجن:

روشنی کو حرارت سے جدا کرنا ناممکن ہے لیکن جگنو کی دم میں قدرت نے ایسی روشنی پیدا کردی جس میں حرارت موجود نہیں آج علمائے فطرت اس قسم کی روشنی پیدا کرنے کے لیے مختلف قسم کے آلات بنا رہے ہیں۔ جگنو کا تجزیہ کر کے دیکھا جا رہا ہے، جگنو خود بولتا نہیں اور علماء اس راز کو سمجھنے سے عاجز آ گئے ہیں۔ اول تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جگنو کو روشنی دینے کی ضرورت کیا تھی۔ دوم[1] اس روشنی کو حرارت سے کیوں جدا کر دیا گیا۔

انسانوں نے بجلی حال ہی میں دریافت کی ہے لیکن کائنات میں بجلی کے مختلف انجن آغازِ آفرینش سے موجود ہیں، مثلاً: سمندر میں ایک مچھلی ایل ملتی ہے جو بجلی سے شکار کھیلتی ہے۔ یہ اپنے بعض پٹھوں کو سکیڑ کر اس قدر بجلی پیدا کر سکتی ہے جس کے صدمے سے شکار ہلاک ہو جائے۔ اسی طرح ایک اور مچھلی عجیب طرح سے شکار کھیلتی ہے جب وہ دیکھتی ہے کہ اس کا شکار کہیں قریب آ گیا ہے تو فوراً ایک قمقمہ (جو اس کے سر پر ہوتا ہے) جلا لیتی ہے۔ جس کی روشنی میں شکار کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور وہ قمقمۂ اجل بن جاتا ہے۔

غور فرمائیے کہ جگنو اور ان مچھلیوں کے اجسام میں کس بلا کے انجن لگے ہوتے ہیں جو دیگر بے شمار اعمال کے علاوہ روشنی اور بجلی بھی پیدا کر رہے ہیں۔

ایک مغربی حکیم کیا مزے کی بات کہتے ہیں:

"WE MUST TAKE NOTICE OF SUCH QUALITIES OF ORGANISM SUCH AS VARYING, GROWING, MULTI- PLYING, DEVELOPING, FEELING AND ENDEAVOURING. AS STUDY OF SUCH FACTS, INTERESTS, EDUCATES, ENRICHES AND HELPS TO TAKE ALIVE THE SENSE OF WONDER, WHICH WE HOLD TO BE ONE OF THE SAVING GRACES OF LIFE."

''ہمارا فرض ہے کہ ہم خواصِ مادہ پر غور کریں، مثلاً: مادے کا بڑھنا، پھیلنا، ارتقاء، احساس اور کوشش۔ یہ تفکر جہاں ہمارے علم میں اضافہ کرتا ہے، وہیں ان جذباتِ حیرت کو جو حیاتِ انسانی کی زینت ہیں جوان رکھتا ہے۔

بدن کی مشین:

کائنات کا ہر ذرہ ایک ایسا رباب ہے جس سے الٰہی دانش وصناعی کے ترانے نکل رہے ہیں۔ انسانی بدن کی مشین پر غور فرمائیے کہ بقول سر آرتھر کائتھ جب ہم چلتے ہیں تو صرف ایک قدم اٹھاتے وقت پورے سو پٹھے مل کر کام کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک پٹھا بھی بگڑ جائے تو ہم قدم نہ اٹھا سکیں اندازہ لگائیے کہ باقی اعمال میں کس قدر عضلات و اعصاب کس کس رنگ میں سکڑتے، مڑتے، پھیلتے اور لچکتے ہوں گے۔ ہر مشین کے لیے ایک ڈرائیور، کلینز (صاف کرنے والا) تیل دینے والے اور انجینئر کی ضرورت ہوتی ہے ظاہر ہے کہ انسان نہ تو اپنی مشین کا ڈرائیور ہے اور نہ مرمت کنندہ۔ یہ غریب تو اس ہولناک مشین کے سمجھنے تک سے قاصر ہے۔ قدرتاً

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی ہستی ہے جو حیوانات کی ارب درارب مشینوں کو چلا رہی ہے، مرمت کر رہی ہے، تیل دے رہی ہے، صاف کر رہی ہے اور پھر یہ سب کچھ ہمارے علم کے بغیر ہو رہا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَءُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ٥ (یونس ۔ ۳۴)

کہہ دو کہ یہ تو اللہ ہی ہے، جو پہلے پیدا کرتا ہے پھر عمل تخلیق کو دہراتا ہے۔ تم کہاں بھٹک رہے ہو۔

انسانی علم کی انتہائی منزل:

ایک گنوار اپنی بھینس، گائے، بکری، گھوڑی، بیوی اور کھیت کے سوا باقی سب چیزوں کو بے کار سمجھتا ہے۔ وہ ان بے شمار پودوں، درختوں، پتھروں، کانوں اور دھاتوں کے افادی پہلوؤں سے غافل ہے اور اسے قطعاً معلوم نہیں کہ کائنات کی ہر چیز کسی خاص مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اس وقت تک تقریباً چودہ لاکھ نباتات دریافت ہو چکے ہیں، جن میں سے انسان صرف تین چار سو کے استعمال سے آگاہ ہے۔ اسی طرح جمادات اور حیوانات کی بے انتہا دنیائیں ہمارے لیے بدستور رازہائے سربستہ ہیں۔ ہم مکمل انسان صرف اس وقت بنیں گے جب کائنات کی ہر چیز کو مسخر کر کے استعمال کر رہے ہوں گے۔ جب مکھی، مچھر، گھاس، پھول، پودے، پتے، ذرے اور قطرے کے مقصدِ تخلیق سے آشنا ہو چکے ہوں گے اور جب ہمارے معمل کالج تجربہ گاہیں اور مشاہدہ گاہیں اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہوں گی کہ دنیا کی ہر چیز کسی خاص مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

جانتے ہو کہ یہ تحقیق و تلاش اور مقصد تخلیق کا اعلان کس ملت کے فرائض میں داخل ہے۔ خود اللہ سبحانہ کی زبان سے سنیے:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ (آل عمران ۔ ۱۹۱)

جو اٹھتے بیٹھتے اور سوتے الٰہی اعمال کے تصور سے غافل نہیں ہوتے اور جو کائنات ارض و سماء پر غور کرنے کے بعد یہ اعلان کرتے ہیں کہ اے رب! دنیا میں کوئی چیز بلا مقصد پیدا نہیں کی گئی۔

آج مسلمانوں میں وہ علماء موجود نہیں جو ایک مکھی تک کا مقصد تخلیق بتا سکیں اور جن کا علم، غور و فکر، تجربہ و مشاہدہ اور تجزیہ و تشریح کا نتیجہ ہو۔ مامون الرشید (عباسی خلیفہ) اسلام کے منشا سے آگاہ تھا۔ اس کے عہد میں بیسیوں رصد گاہیں اجرام سماوی کے معائنہ کے لیے نصب تھیں۔ حیوانات، طیور، جمادات اور نباتات پر ۲۶ ہزار کتب تصنیف ہو چکی تھیں۔ وہ گھڑیاں بنا رہا تھا۔ انجن چلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ زمین کو ناپ رہا تھا اور زمین و آفتاب کا درمیانی فاصلہ معلوم کر رہا تھا لیکن افسوس کہ ہم نے اپنے اسلاف کی راہیں ہی چھوڑ دیں۔

مغرب کا ذوقِ جستجو:

امریکہ کی جامعہ علوم نباتات کے بڑے دروازے پر یہ روح افزا الفاظ لکھے ہیں:

"OFTEN THOU MINE EYES THAT I MAY BEHOLD WONDERS OF THE CREATION."

"اے رب! میری آنکھیں کھول تا کہ میں عجائبات تکوین کا تماشا کر سکوں۔"

صحیفۂ فطرت کے چند قدیم مفسّر:

یہاں چند شیدائیانِ فطرت کا ذکر بے جا نہ ہوگا جن کی زندگی مطالعۂ کائنات میں بسر ہوئی۔ ہر چند کہ ان بزرگوں کے پاس عہد حاضر کے آلات و وسائل موجود نہ تھے، تاہم ان میں سے بعض کے نتائج غور و فکر کو آج بھی صحیح سمجھا جاتا ہے۔

۱۔ تھیلز (۶۰۰ ق م) نے زمین کو پانی پر تیرتی ہوئی ٹکیہ خیال کیا تھا۔

۲۔ انکزیمنڈر (ANAXIMINES) کے ہاں زمین فضا میں معلق تھی۔

۳۔ انکیمائنز (ANAXIMADES) کا خیال تھا کہ ستارے شیشے سے بنے ہوئے ہیں اور آسمان میں نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔

۴۔ فیثاغورث کے ہاں تمام کائنات زمین کے اردگرد گھوم رہی تھی۔

۵۔ انیکا غورث (ANAKAGORES ۴۶۰ ق م) پہلا عالم ہے جس نے نورِ قمر کو

مستعار کہا تھا۔

۶۔ ہر کلائڈلیس (HERACLIDES ۳۸۸ء ق م) پہلا شخص ہے جس نے زمین کو متحرک مان کر کہا تھا کہ اس کا ایک چکر چوبیس گھنٹوں میں ختم ہوتا ہے۔

۷۔ ارسٹارکس (ARISTARCHUS) نے بھی زمین کو متحرک تسلیم کیا تھا اور آفتاب کو مرکزی نقطہ مان کر تمام کائنات کو اس کے گرد گھما دیا تھا، نیز چاند اور سورج کا حجم و طول وعرض دریافت کیا تھا اور زمین و آفتاب کا درمیانی فاصلہ ناپا تھا لیکن اس کے نتائج آج قابلِ اعتبار نہیں رہے۔

۸۔ ایراٹوستھنیس (ERATOSTHENES ۱۹۴/۲۷۶ ق م) نے زمین کا قطر دریافت کیا تھا۔

۹۔ ہپری ہس (HIPPAREHUS) نے سال کی لمبائی معلوم کی تھی۔ اس کے دریافت کردہ سال اور ہمارے سال میں صرف چھ منٹ کا فرق ہے۔

۱۰۔ ہیرو (HERO) ۱۰۰ء نے سٹیم انجن اور پمپ ایجاد کیا تھا۔

۱۱۔ لیوسی پس (LEUCIPPUS ۴۶۰ء ق م) اور دیمقراطیس (۳۶۰/۴۷۰ ق م) نے اعلان کیا تھا کہ ہر چیز کی ترکیب اجزاءلا تیجزی سے ہوئی ہے۔

۱۲۔ ویرو (VERRO ۱۱۶/۱۷۰ ق م) اپنی کتاب (RES RUSTICAL) میں لکھتے ہیں۔ ''گندے جوہڑوں میں جراثیم مرض پرورش پاتے ہیں'' گویا نظریہ جراثیم اسی عالم کا نتیجۂ تلاش ہے۔

۱۳۔ جولیس سیزر (مشہور شہنشاہ روم) نے کیلنڈر درست کیا تھا۔

۱۴۔ اہل روم آلۂ جرثقل اور محراب کے موجد ہیں۔

۱۵۔ کاپرنیکی (COPERNICUS) نے آفتاب کو مرکزِ عالم تسلیم کیا تھا لیکن تھائیکو (THYCHO) نے پھر زمین کو مرکز مان کر تمام اجرام سماوی کو اس کے گرد گھما دیا، نیز اعلان کیا کہ زمین و آفتاب کا فاصلہ ۱/۲-۹ کروڑ میل ہے۔

ا۔ دیگر اقوام نے اقوالِ خدا سے روگردانی کی اور صرف اعمالِ خدا کا مطالعہ کیا اس لئے وہ پورا پورا فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ ہم نے اقوال و اعمال دونوں کو پسِ پشت ڈال دیا اس لئے ہم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے۔(البیان)

۲۔ پارتھیا۔ خراسان اور استرا باد کے درمیان پانچ سو میل لمبے علاقے کا نام تھا۔ جولیس سیریز کے قتل کے بعد انٹنی اور بروٹس میں جنگ چھڑ گئی تھی تو پارتھیا نے بروٹس کی حمایت کی تھی۔(برق)

۳۔ صرف لیشھد وَ مُنَافِعَ لَهُمْ کی حد تک اور آگے ویذکروا اسم اللّٰہ کی حقیقت سے عالمِ انسانیت یکسر غافل ہے الا ماشاء اللّٰہ اور حج کے یہی دو مقصد سورہ حج میں بتائے گئے ہیں اس مقصد ثانی کو جو حقیقی ہے فراموش کر دینے سے مقصد اوّل بھی غیر صحیح ہو اجا رہا ہے۔(مدیر البیان)

۴۔ بلکہ (نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ) اللّٰہ تعالیٰ انسان کے وسوسوں تک سے واقف ہیں۔(مدیر البیان)

۵۔ یعنی انسانی اختیار، اختیارِ خداوندی کے ماتحت ہے۔(مدیر البیان)

۶۔ ایک عالمِ مغرب لکھتا ہے کہ اگر جگنو کی دُم میں حرارت ہوتی تو وہ جہاں بیٹھتا آگ بھڑک اٹھتی اور تمام باغ و راغ جل کر خاکستر ہو جاتے۔(برق)

باب۲

بہارِ نباتات

وَهُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوْا اِلٰی ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ۗ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (انعام۔ ۹۹)	اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے بارش برسا کر مختلف قسم کے نباتات اگائے۔ سبز رنگ پودے پیدا کر کے ان سے خوشے نکالے اور کھجوروں کے ساتھ پھلوں کے وہ گچھے لگائے جن تک تمہاری رسائی ہو سکتی ہے۔ اللہ نے مختلف اور مماثل قسم کے انگور، زیتون اور اناروں کی جنتیں پیدا کیں۔ پھلوں کے لگنے اور پکنے پر غور کرو۔ ان نباتات میں اہل ایمان کے لیے معجزات و اسباق موجود ہیں۔

اس آیت میں بارش و نباتات کے ذکر کے بعد حکم دیا ہے کہ اُنْظُرُوْا اِلٰی ثَمَرِهٖ (پھل پر غور کرو) نیز فرمایا کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ .... (ان نباتات میں اہل ایمان کے لیے کچھ اسباق معجزات موجود ہیں) لیے ضروری ہے کہ ہم نباتات و اثمار پر کچھ غور کریں۔

زمین اور نباتات:

جس طرح جانور گھاس کھاتے ہیں، اسی طرح پودے زمین کو کھاتے ہیں۔ پودوں کی غذا نائٹروجن، چونا، پوٹاس اور ہائیڈروجن وغیرہ ہے، یہ عناصر اوراقِ اشجار، گوبر، ہڈیوں، خون اور بالوں وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ خزاں میں پت جھڑ اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے۔ یہ پتے زمین کو طاقت بخشتے ہیں۔ اس قدر وسیع زمین میں کھاد ڈالنا انسان کے بس کی بات نہ تھی، اسی طرح ۲۵ ہزار میل لمبی زمین کو سیراب کرنا ہماری طاقت سے باہر تھا۔ اول الذکر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے خزاں میں تقریباً تمام درختوں کے پتے کھاد بنا کر ہر طرف بکھیر دیے اور موخر

الذکر مشکل کو یوں حل کیا کہ سورج نے شعاعوں کے ڈول سمندر میں ڈالے۔ ہوا کے سقے ان ڈولوں کو اٹھا کر چل دیے اور ہر طرف جل تھل کا عالم نظر آنے لگا۔ اگر صرف ایک ایکڑ زمین کو سینکڑوں سقے سیراب کرنے لگیں تو سال بھر میں اس کام کو سرانجام نہ دے سکیں۔ اللہ کی رحمت دیکھئے کہ ہوائیں خلیج بنگال سے کروڑوں ٹن پانی اٹھا کر پشاور کی سرزمین پر یوں برساتی ہیں کہ زمین مردہ میں جوش نمو انگڑائیاں لینے لگتا ہے اور ہر طرف لالہ زار کھل جاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ. اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو سمندروں کی طرف بھیجتا ہے جہاں سے یہ بخارات آبی کو ہانک لاتی ہیں اور اس طرح ہم مردہ بستیوں کو سیراب کیا کرتے ہیں۔ (فاطر. ۹)

ہمارے دوست:

پودوں کی جڑ میں خردبینی حیوانات (بکٹیریا) کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے جن کا عمل کیمیائی ہوتا ہے، یہ حیوانات زمین کی نائٹروجن کھا کر ایک رس خارج کرتے ہیں، جس میں نائٹروجن کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ نائٹروجن حیاتِ نباتات کا جزوِ اعظم ہے۔ اگر یہ بکٹیریا نہ ہوتا تو کوئی پودا اگ نہ سکتا۔ غور فرمائیے کہ اللہ نے ہماری ترتیب کے لیے کیا حیرت انگیز انتظام رکھا ہے اور یہ اشرف کائنات اپنی بقا کے لیے اس حقیر ترین مخلوق کا کس قدر محتاج ہے۔ اگر یہ بکٹیریا نظر آتا تو حشرات کا لقمہ بن کر ختم ہو جاتا، اس کا نظر نہ آنا اللہ کی دوسری رحمت ہے۔

بکٹیریا کی کئی قسمیں ہیں، جن کے اعمال میں قدرے اختلاف ہوتا ہے لیکن مقصد سب کا ایک ہے، یعنی نباتات کی تخلیق و تکمیل، ان کو تین انواع میں تقسیم کیا جاتا ہے (۱) بکٹیریا، (۲) پروٹوزوآ، (۳) پھپھوندی حیوانات۔ بلند و پست زمینوں میں بہ لحاظ ضرورت ان کی تعداد مختلف ہوتی ہے مثلاً:

بلند زمین میں بکٹیریا کی تعداد

نام	تعداد نصف چھٹانک زمین میں	وزن ایک ایکڑ میں
بکٹیریا	۱۳,۵۰,۰۰۰۰,۰۰۰۰	۲۵ سیر

پروٹوزدآ	۳,۱۵,۰۰,۰۰۰	۲۵۵سیر
سینچی جانور.	۲,۱۰,۰۰,۰۰۰	۸۵۰سیر

پست زمین میں

نام	تعداد نصف چھٹانک زمین میں	وزن ایک ایکڑ میں
بکٹیریا	۶,۷۵,۰۰,۰۰,۰۰۰	۱۲ء۵سیر
پروٹوزدآ	۱۵۰,۰۰,۰۰۰	۱۱۲ء۵سیر
سینچی جانور	۴۵۰,۰۰,۰۰۰	۴۰۰سیر

زمین کے ہر ایکڑ میں ان حیوانات کا کام روزانہ بارہ آدمیوں کے برابر ہوتا ہے بہ دیگر الفاظ اگر ایک سو ایکڑ کھیت میں دس کسان ہل چلا رہے ہوں تو بارہ سو مزدوروں کا ایک مخفی لشکر بھی وہاں کام کر رہا ہوتا ہے۔ انصافاً فرمایئے کھیتی باڑی میں انسان کا کتنا حصہ ہے اور اللہ کا۔

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ○ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ○ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَـٰهُ حُطَـٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ○

اے کھیتی باڑی کرنے والو! کبھی غور بھی کیا اصلی کسان کون ہے؟ تم یا ہم؟ اگر ہم چاہیں تو بکٹیریا کا عمل روک کر) تمہاری لہلہاتی ہوئی کھیتیوں کو برباد کر کے تمہارے حواس اڑا دیں۔ (الواقعہ ۶۳ تا ۶۵)

کھاد جہاں پودوں کی غذا ہے، وہاں ان خوردبینی حیوانات کے لیے بھی مدارِ حیات ہے تاکہ ہر سو ایکڑ کے یہ بارہ سو مزدور پورے انہماک اور دل جمعی سے کام میں مصروف رہیں۔ حیوانی فضلہ و پیشاب پودوں کی بہترین غذا ہے، لیکن یہ چیزیں عموماً ضائع ہو جاتی ہیں۔ کچھ جلا دی جاتی ہیں اور کچھ نالیوں میں بہہ جاتی ہیں۔ اگر ہمیں نمک کی کوئی ایسی کان مل جائے جس میں نائٹروجن بھی موجود ہو تو ہماری زمینیں بہت زرخیز بن جائیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ نائٹروجن ایک وحشی عنصر ہے جو کسی دوسرے عنصر سے آمیزش پسند نہیں کرتا۔ کوئلے کے اٹھائیس من میں صرف اڑھائی سیر نائٹروجن ہوا کرتی ہے۔

جنوبی امریکہ کے ساحل پر دریائی پرندوں کے پر کثرت سے جھڑتے ہیں اور کئی باران

کی وجہ سے وہیں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ حصۂ زمین نائٹروجن کی بہترین کان سمجھا جاتا ہے اور یہاں سے اب تک تقریباً دس کروڑٹن کھاد استعمال کی جا چکی ہے۔ ہوا میں بے شمار نائٹروجن موجود ہے۔ علماء کا اندازہ یہ ہے کہ فضا کے ہر مربع میل میں دو کروڑٹن نائٹروجن ملتی ہے لیکن اب تک ہمارا علم بہت ناقص ہے اور اس وسیع خزانے سے کھاد حاصل کرنے کے لیے ہم کسی طرح کے آلات ایجاد نہیں کر سکتے۔

بجلی:

جب بادلوں میں بجلی چمکتی ہے تو اردگرد کی آکسیجن نائٹروجن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بارش کے قطرے اس ذخیرے کو ہمراہ لے کر زمین پر اتر آتے ہیں۔ ۱۸۷۱ء میں ایک عالم فطرت مسٹر کیونڈش (MR. CAVENDISH) نے ثابت کیا تھا کہ اگر ہوا اور آکسیجن کو برقایا جائے تو نائٹروجن پیدا ہو گی جس میں کچھ مقدار کھاد (الکلی) کی بھی ہو گی۔ نائٹروجن دنیائے نباتات کی غذا ہے اور نباتات ہماری خوراک بہ دیگر الفاظ سیاہ گھٹاؤں میں بجلی کا ہر تبسم انسانی دنیا کے لیے پیام حیات ہے۔

آج کل بہت سی بیماریوں کا علاج بجلی کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ لاہور اور دیگر مقامات پر بجلی کے کئی ہسپتال موجود ہیں۔ انسانی بدن کی طرح زمین بھی کئی امراض کا شکار بن جایا کرتی ہے۔ آسمانی بجلی زمین کے ان تمام روگوں کا واحد علاج ہے۔ جب بجلی کی لہریں ہوا سے گزر کر زمین کو چھوتی ہیں تو مردہ زمین کی نس نس میں عناصر حیات بیدار ہو جاتے ہیں اور یہ نئی دلہن کی طرح حمل و تولید کے لیے پھر تیار ہو جاتی ہے۔ انصافاً کہو کھیتی باڑی کون کرتا ہے؟ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ہم یا تم؟

دہلی، کلکتہ اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں بجلی کے زور سے گاڑیاں (ٹرین) چلائی جاتی ہیں۔ آسمانی بجلی سے بھی اس قسم کا کام لیا جاتا ہے۔ ہوا بادلوں کا انجن ہے لیکن جب فضا میں مکمل سکون ہو اور ہوا تھمی ہوئی ہو، بادلوں کو کھینچنے کا کام بجلی سے لیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ بجلی بھی کتنی بڑی نعمت ہے، ایک زمانہ تھا کہ لوگ اسے قہر الٰہی کہا کرتے تھے اور قدیم آریئے اسے ایک

ہولناک دیوتا سمجھ کر اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ انہیں کیا معلوم کہ اللہ کی ہر مخلوق رحمت، ہر فعل رحمت اور خود بھی سراپا رحمت ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ (روم. ۲۴)

بجلی کی چمک (جس سے تم میں بیم ورجا کی کش مکش پیدا ہو جاتی ہے) اللہ کے معجزات تخلیق میں سے ہے۔ رب کائنات آسمانوں سے بارش برسا کر (اور نائٹروجن کو زمین پر ڈال کر) مردہ زمین کو حیاتِ نو عطا کرتا ہے ارباب عقل کے لیے ابرو برق میں اسباق (قوت وہیبت) موجود ہیں۔

نائٹروجن بارود سازی کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے، اندازہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں ہر سال ایک ارب ٹن نائٹروجن صرف ہوتی ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے آغاز میں جب جرمنوں نے چلی (CHILE) کی نائٹروجنی کانوں پر قبضہ کر لیا تھا تو اتحادیوں کو چند ماہ تک سخت پریشانی رہی تھی۔

جرمنی کے ایک عالم فطرت ہیبر (HABER) نے کیمیائی عمل سے نائٹروجن اور ہائیڈروجن تیار کرنے کے لیے ایک اتنا بڑا کارخانہ لیوناورک (LEUNA WERK) میں جاری کیا جس کی تعمیر پر پچاس لاکھ پونڈ صرف ہوئے۔ اس میں گیارہ ہزار مزدور دو ہزار پانچ سو صناع اور ایک سو پچاس علمائے کیمیا کام کرتے ہیں اور ہر روز نو ہزار ٹن کوئلہ جلا کرتا ہے۔

زمین کی بالائی سطح:

زمین کی بالائی سطح پہاڑوں کے ٹوٹنے سے تیار ہوتی ہے، اس شکست وریخت کے لیے چار عوامل ہمیشہ مصروف عمل رہتے ہیں۔ دریا، بارش، سورج اور پودے۔ پودوں کی جڑیں سخت سے سخت چٹانوں کو چیر کر رکھ دیتی ہیں۔ برفانی تودے اور آتش فشاں پہاڑ بھی اس کام میں مدد دیتے ہیں۔ ایک اچھی زمین کے لیے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ چکنی مٹی، ریت، چونا اور کھاد۔ ان میں سے کوئی چیز انفرادا مفید نہیں لیکن یہ سب مل کر اکسیر ثابت ہوتی ہیں۔ چونے کے بغیر زمین

"دق" میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ نیز چونا تیزابی مادے کی شدت کو رفع کر کے زمین کو میٹھا بنا دیتا ہے اگر چونا ضرورت سے زیادہ ڈال دیا جائے تو اس سے فولاد ختم ہو جاتا ہے اور زمین بے جان ہو جاتی ہے۔ چکنی مٹی بھاری اور ٹھنڈی، ریت بھوکی اور خشک ہوتی ہے، ان کے امتزاج سے نہایت عمدہ زمین تیار ہوتی ہے۔ چکنی مٹی نمی کو دیر تک روکے رکھتی ہے۔ ریت زمین کے بھاری پن کو دور کر کے اس قابل بنا دیتی ہے کہ اندرون زمین کی گیسیں پودوں کی جڑوں تک بآسانی پہنچ سکیں۔ اگر زمین چکنی اور سخت ہوتی تو نہ یہ گیسیں باہر نکل سکتیں اور نہ گندم و جو کے نرم و نازک پودے یوں آسانی سے سر اٹھا سکتے۔

حیرت انگیز نظام:

زمین کو چونے کے علاوہ سلفورک ایسڈ، فاسفورک ایسڈ، نائٹرک ایسڈ اور پوٹاش کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ چیزیں عموماً پہاڑوں میں ملتی ہیں۔ اگر ہم خود ان چیزوں کی تلاش میں نکلتے اور کدال لے کر فرہاد کی طرح ہر پہاڑ کو کھودتے پھرتے تو صدیاں صرف ہو جاتیں اور پھر بھی کوئی مفید نتیجہ نہ نکلتا۔ ہمارے رحمٰن و رحیم پروردگار نے اس مشکل کو یوں حل کیا کہ پہاڑوں پر برف جمع کر دی جو پگھل کر پہاڑی شگافوں میں چلی گئی اور جب یہ پانی چشمہ بن کر کہیں سے نکلا تو پوٹاش اور سلفر وغیرہ کی ایک دنیا ہمراہ لے آیا، یہ چشمے دریا بنے اور دریا نہروں میں بٹ کر ہمارے کھیتوں میں پہنچے اور اس طرح ہماری ایک اہم ضرورت پوری ہو گئی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ. (زمر۔ ۲۱)

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے فضائی بلندیوں سے پانی اتارا جو زمین کی درزوں میں داخل ہو کر پھر چشموں کی صورت میں باہر نکلا اور ان چشموں سے (جن میں مختلف عناصر شامل تھے) رنگ برنگ کھیتیاں نمودار ہوئیں۔

نر و مادہ:

عموماً ایک پھول کے دو حصے ہوتے ہیں۔ نر و مادہ۔ جب تک مادہ نر سے حاملہ نہ ہو وہ پھل یا بیج کی صورت اختیار نہیں کر سکتی۔ پھول کے نر حصے میں ایک غبار سا ہوتا ہے جسے انگریزی

میں پولن (POLLEN) اور اردو میں مادۂ منویہ کہتے ہیں اور حصۂ مؤنث پر چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں۔ جب مادۂ منویہ کا کوئی ذرہ ان بالوں پر گرتا ہے تو اسے یہ پھانس لیتے ہیں اور اس طرح مادہ حاملہ ہو جاتی ہے۔

بعض پودوں مثلاً: ہیزل (HAZEL) کے ساتھ نر و مادہ پھول علیحدہ علیحدہ لیکن ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ نر نیچے کو جھکا ہوا ہوتا ہے اور مؤنث پھول اوپر کو اٹھا ہوا۔ مقصد یہ کہ اگر نر کا مادۂ منویہ گرے تو مادہ محروم نہ رہے۔

بعض ایسے پودے بھی ملتے ہیں، جن کے نر و مادہ الگ الگ ہوتے ہیں۔ نر کا غبار مادہ تک پہنچانے کا کام شہد کی مکھیاں، بھونرے اور تتلیاں سرانجام دیتی ہیں۔ ان پودوں کے ساتھ نہایت حسین پھول لگتے ہیں، جن کی خوشبو اور رنگت ان بھونروں اور مکھیوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جب یہ نر پر بیٹھتی ہیں تو ان کی ٹانگوں اور پروں کے ساتھ غبارِ منویہ چمٹ جاتا ہے اور پھر جب مادہ پھول پر بیٹھتی ہیں تو اس غبار کا کچھ حصہ وہیں رہ جاتا ہے اور اس طرح یہ پھول حاملہ ہو جاتے ہیں۔

بعض اشجار مثلاً: چیل وغیرہ کے پھول نہ تو خوشبودار ہوتے ہیں اور نہ خوبصورت، اس لیے وہ تیتریوں اور مکھیوں کو نہیں کھینچ سکتے۔ اس لیے یہاں ہوا سے کام لیا جاتا ہے۔ ہوا نر درخت کا غبار اڑا کر مادہ تک پہنچا دیتی ہے۔ چونکہ ہواؤں کا رخ بدلتا رہتا ہے اور اس غبار کی ایک کثیر مقدار ضائع ہو جاتی ہے، اس لیے ایسے درختوں پر غبار منویہ بہت زیادہ مقدار میں پیدا کیا جاتا ہے تاکہ ضائع ہونے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہے۔

چیل، دیودار اور دیگر پہاڑی اشجار ہماری معاشرت کا جزو اعظم ہیں۔ اگر پہاڑوں پر ہوائیں نہ چلتیں تو مادہ پھول حاملہ نہ ہو سکتے۔ نتیجہ یہ کہ بیج تیار نہ ہوتے اور یہ ہرے بھرے پہاڑ جو آج جنت نظر بنے ہوئے ہیں، کھانے کو دوڑتے، غور فرمائیے کہ ہوا کا وسیع و عریض کرہ انسانی خدمت میں کس انہماک سے مصروف ہے۔ شاعر نے اس سے قاصد کا کام لیا، دہقان نے ستے کا اور اشجار نے دایہ کا۔ سچ ہے:

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ. ہم نے ایسی ہوائیں چلائیں جو غبار منویہ سے
(حجر۔ ۲۲) لدی ہوئی تھیں۔ ؎

مغرب کے علمائے نباتات نے صدیوں کی تلاش و جستجو کے بعد نباتات میں نر و مادہ کا نظریہ قائم کیا اور ہمارے ان پڑھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے ۱۳۶۲ سال پہلے یہ بانگ دہل اعلان کیا تھا۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ. (ذاریات۔ ۴۹) ہر چیز سے ہم نے نر و مادہ جوڑے پیدا کیے۔

قرآن حکیم کے الہامی ہونے پر اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس تاریک ترین زمانے میں رسول عربی فداہ ابی وامی نے ایک ایسی حقیقت سے پردہ اٹھایا جسے آج جدید ترین اور ماڈرن نظریہ سمجھا جاتا ہے۔

کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ میں نے اپنے ایک ہندو پروفیسر دوست سے (جس کی ساری زندگی نباتات کی چھان بین میں بسر ہوئی تھی) ذکر کیا کہ پودوں میں نر و مادہ کا نظریہ قرآن میں موجود ہے۔ وہ کہنے لگا یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک ایک پرانی کتاب ہے اور یہ نظریہ بالکل تازہ ہے۔ جب میں نے پکتھال کے انگریزی ترجمے سے آیت بالا کا ترجمہ نکال کر اسے دکھلایا تو وہ کہنے لگا اگر مجھے اطمینان ہو گیا کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ درست ہے اور پکتھال کا ترجمہ بھی درست ہے تو میں قرآن کی صداقت کا علیٰ رؤس الاشہاد اعلان کر دوں گا اور رسول عربی صلعم کی ثنا و تحمید سے مجھے کوئی خیال نہیں روک سکے گا۔

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ. تم دیکھتے ہو کہ پہلے زمین پیاسی ہوتی ہے، پھر جب ہم بارش برساتے ہیں تو وہ خوش ہوتی ہے اس کے قوائے نمو بیدار ہوتے ہیں اور وہ خوش نما اشجار داز (حج۔ ۵) ہار کے جوڑے (نر و مادہ) اگانے لگ پڑتی ہے۔

درخت:

درخت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں اور یہ زندگی میں ہمارے شریک ہیں۔ یہ ہماری

طرح کھاتے ہیں، سانس لیتے ہیں، بڑھتے اور بچے پیدا کرتے ہیں۔ان کی مشینری انسانی بدن کی مشین سے کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ ہماری طرح یہ بھی کش مکش حیات میں الجھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف حیرت انگیز نظام سے جنگ کرتے ہیں۔ بڑے درخت کے سائے میں چھوٹا پودا نہیں بڑھ سکتا۔ دو درخت قریب قریب لگا دو تو وہ ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر کمزور و نحیف ہو جائیں گے۔ یہ حقائق صاف صاف اعلان ہیں اس امر کا کہ دنیا میں حقِ بقا صرف طاقتوروں کو حاصل ہے اور کمزور (کاہل، بد اخلاق، منافق، جھوٹے، بدعہد، بدقول اور مکار و عیار وغیرہ وغیرہ) کو یقیناً میٹ دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ. (انبیاء. ۱۰۵) قوانینِ موت و حیات کی تفصیل کے بعد ہم نے زبور میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ زمین کی وارث صرف وہی اقوام ہوں گی جن میں زندگی کی صلاحیت ہوگی۔

تنوعِ اشجار:

جس طرح انسانوں میں بعض بہادر، بعض بزدل، بعض چست اور بعض سست ہوتے ہیں، اسی طرح کا تنوع نباتات میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنبیلی حسین و نازک ہے، آک بھدا ہے۔ سرو سڈول ہے، پھلاہی بے ڈول ہے۔ کھبل [1] اور گوکھرو ضدی ہیں کہ جتنا اکھیڑو اتنا ہی پھیلتے ہیں، ایک پودا اتنا حساس ہوتا ہے کہ موجِ نفس سے مرجھا جاتا ہے۔

اہمیت نباتات:

دنیا کا تمام تر حسن نباتات سے ہے۔ یہ سیرگاہیں، یہ چراگاہیں، یہ گلگشتیں، یہ روشیں اور یہ چمن سُونے پڑ جاتے اگر نباتات کا حسن دنیا کو اپنی طرف نہ کھینچتا۔ نباتات ہی کے دم سے انسانی و حیوانی زندگی کی بہار قائم ہے۔ گندم، جو، چاول، پھل، کوکو، کافی، بیر، شربت اور شراب نباتات سے حاصل ہوتے ہیں۔ دودھ، شکر، گھی اور شہد نباتات کی بدولت ہیں اور تمہارے کپڑے

نباتات کا کرشمہ ہیں۔ ربڑ (جو ہماری معاشرت کا ضروری جزو بن چکا ہے) درختوں سے حاصل ہوتا ہے۔ پٹرول کوئلے کا پسینہ اور کوئلہ مدفون جنگلوں کا دوسرا نام۔ کوئلہ ایک زہر ہے۔ اگر کسی کمرے میں صرف پاؤ بھر کوئلہ جلا کر دروازے بند کر دیئے جائیں تو نصف گھنٹے میں اندر کے تمام آدمی دوسری دنیا کو سدھار جائیں۔ غور فرمایئے کہ اس سیاہ موت (کوئلہ) کے استعمال سے قومیں آج کس قدر طاقتور بنی ہوئی ہیں۔ ان کی سطوت و ہیبت کی دھاک بندھی ہوئی ہے اور دوسری طرف وہ قومیں کس قدر ذلیل و ضعیف ہیں جو کوئلے کے استعمال سے ناواقف ہیں۔

کوئلہ صورت کے لحاظ سے نہایت مکروہ اور اثر کے لحاظ سے موت ہے لیکن اس کے استعمال سے مردہ اقوام زندہ ہو رہی ہیں۔ سچ ہے:

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ‎(یونس۔ ۳۱) موت سے زندگی اور زندگی سے موت پیدا کرنا اللہ کے ہاں از بس آسان ہے۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نباتات ہمارے لیے نہ صرف مدارِ حیات ہیں بلکہ وہ ہماری معاشرت اور تمدن تک کا جزو بن چکے ہیں۔ بعض مواقع پر پودے یوں بھیس بدل کر سامنے آتے ہیں کہ پہچانے نہیں جاتے۔ غسل خانے میں تم بدن کو صابن سے صاف کر رہے ہو جانتے ہو یہ صابن کہاں سے آیا؟ نباتاتی تیلوں سے تیار ہوا۔ بہ دیگر الفاظ تم صابن استعمال نہیں کر رہے ہو بلکہ جسم پر ایک درخت رگڑ رہے ہو۔ ہماری یہ سلک کی قمیض یہ ململ کی پگڑی اور یہ لٹھے کا پاجامہ دراصل ایک چھوٹا سا جنگل ہے، یہ الماری میں سجی ہوئی کتابیں ایک بیشہ ہیں؛ یہ اخبارات، رسائل، لفافے، ٹکٹ اور اشتہارات وہ درخت ہیں جنہیں مزدور کاٹ کر کارخانوں میں کاغذ بنانے کے لیے لے گئے تھے۔ امریکہ میں روزانہ اخبارات کی تعداد اشاعت ۱۱,۲۰,۰۰,۰۰۰ ہے۔ جانتے ہو اس قدر کاغذ پر کس قدر درخت صرف ہوئے ہوں گے؟ پندرہ ایکڑ جنگل۔ جب تم کوئی اخبار خریدو تو واقعاتِ عالم پڑھنے کے علاوہ اس چھوٹے سے درخت کی خاموش کہانی بھی سن لیا کرو جو کاغذ کے پردے میں اپنی داستان سنا رہا ہوتا ہے۔ اس قلب ماہیت پر ایک شعر یاد آ گیا۔ شاعر کسی انگورستان سے گزرتا ہے۔ بیلوں کے ساتھ عنابی گچھے لگے ہوئے ہیں، ایک طرف ایک درخت

کے نیچے شراب کا ایک مٹکا پڑا ہوا ہے۔ شاعر کا تخیل ماضی کی سہانی فضاؤں کو چیرتا ہوا فرہاد و شیریں کے عہد تک جا پہنچتا ہے۔ یہ پرستارانِ محبت جب مر گئے تھے تو رفتہ رفتہ ان کے اجسام خاک بن گئے تھے یہ خاک کہیں کھاد بن کر شاخِ انگور کی غذا بنی اور کہیں اس سے اینٹیں اور مٹکے تیار کیے گئے۔

خون دل شیریں است ایں مے کہ زر زنوشی
خاک تنِ فرہاد است ایں خم کہ نہد دہقاں

(خاقانی)

حکایت:

1919ء کا واقعہ ہے، مجھے لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ شاہی مسجد کی طرف جا رہا تھا کہ راہ میں ایک برہنہ مجذوب پر نظر پڑی، جو تمام راہگیروں کو چلا چلا کر بلا رہا تھا کہ آؤ تمہیں ایک کام کی بات بتاؤں۔ جب ہم پچاس ساٹھ آدمی جمع ہو گئے تو ایک عظیم الشان عمارت کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگا: ''جانتے ہو کہ یہ محل دراصل کیا ہے'' اس کے بعد یہ شعر پڑھا اور چلا گیا:

ہرآں پارہ خشتے کہ در منظرے است — سر کیقبادے وا سکندرے است

اسی مضمون کو غالب نے یوں ادا کیا ہے:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں — خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

حضرت بایزید بسطامی کی طرف یہ رباعی منسوب کی جاتی ہے:

ہر ذرہ کہ برر دئے زمینے بود است — خورشید رخے زہرہ جبینے بود است
گرد از رخ نازنیں یارم مفشاں — کاں ہم رخ خوب نازنینے بود است

انکیانو کے دربار میں شیخ سعدی نے ایک قصیدہ پڑھا تھا اس کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

گلِ فرزند آدم خشت گردید — نمی جنبد دل فرزند آدم
بسا خاکا بزیر پائے ناداں — کہ گر بازش کنی دست است و معصم

الغرض! سمندر کے ابتدائی صدفی جانور آج چونا بن کر نکلے، درخت کوئلہ بن گئے۔

انسان کی مٹی اینٹ اور پھول بن رہی ہے اور خدا جانے یہ دنیا کہاں سے کہاں جا رہی ہے:

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ . عَلٰى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ.

ہم نے موت کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے اور ہمیں کوئی نہیں روک سکتا کہ تمہاری ماہیتیں بدل دیں اور تمہیں ایک ایسی صورت میں پیدا کریں جس کا تمہیں قطعاً علم نہیں۔

(الواقعة. ٦٠ تا ٦١)

دریا بہ حباب اندر:

ہندوستان میں بہت سی ایسی بوٹیاں موجود ہیں جن کے بیج خشخاش سے بیس گنا چھوٹے ہوتے ہیں قدرت نے ان باریک انڈوں میں مندرجہ ذیل اشیاء چھپا رکھی ہیں۔ (۱) دو جڑے ہوئے پتے۔ (۲) ایک ڈوڈی جو جڑ بن کر زمین میں پیوست ہو جاتی ہے۔ (۳) ایک گرہ سی جو ڈنڈی بنتی ہے اور (۴) جڑ پکڑنے سے پہلے چند ایام کی غذا۔

غور فرمائیے کہ یہ ننھا سا بیج کس قدر پیچیدہ مشین ہے اور کمال تخلیق ملاحظہ ہو کہ ایک باریک سا ذرہ پودا اور درخت دامن میں لیے بیٹھا ہے اگر اتنا باریک ذرہ پورا درخت بننے کی استعداد رکھتا ہے تو اندازہ لگائیے کہ اگر انسان کچھ بننے پر تل جائے تو وہ کیا کچھ نہیں بن سکتا!

تو ہی ناداں ! چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

(اقبالؒ)

میزان عدل:

سردی میں جنگل سے لکڑ ہارے کی کلہاڑی کی صدا سنائی دیتی ہے۔ کتنی بے رحمی سے درختوں کو کاٹتا ہے۔ اگلے سال بہار میں جا کر دیکھو تو وہی مقام پھول دار پودوں سے پٹا پڑا ہوگا۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ ہوائیں اور پرندے ادھر ادھر سے بیج لے آیا کرتے تھے لیکن پہلے روشنی کم

ہونے کی وجہ سے اگ نہ سکتے تھے۔ اب جوں ہی میدان صاف ہوا، یہ جگہ سبزہ زار بن گئی، فطرت کا دستور ہے کہ وہ ہر ایک چیز لے کر دوسری عطا کر دیتی ہے، اندھا آنکھیں کھو کر زبردست قوت سمع سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ مرغابیوں کی دم چھوٹی لیکن گردن لمبی ہوتی ہے۔ جاہل کا دماغ غیر تربیت یافتہ، لیکن وہ جسمانی طاقت میں بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ عالم کا دماغ اعلیٰ لیکن جسم نحیف وضعیف ہوتا ہے۔ دولت والے علم سے اور علم والے دولت سے محروم رہتے ہیں۔ اگر شہر میں کوئی قوم (آج کے مسلمانوں کی طرح) سہل انگاری و تغافل شعاری کی وجہ سے صلاحیتِ حیات کھو بیٹھے تو قدرت اسے میٹ کر کسی اور قوم کو وارث زمین بنا دیتی ہے۔

وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۔ اگر تم نے آئینِ حیات سے منہ پھیر لیا تو یہ زمین (محمد ۳۸) کسی اور قوم کے قبضے میں دے دی جائے گی۔

نظام روئیدگی:

بہ لحاظ روئیدگی پودوں کی دو قسمیں ہیں۔ اول وہ جن کے بیج میں سے دو پتے نکلتے ہیں۔ مثلاً: درخت، دوم، جن سے صرف ایک پتہ نکلتا ہے۔ یہ ابتدائی دو پتے پودے کی غذا کا خزانہ ہوتے ہیں اور ماں کے دو پستانوں کا کام دیتے ہیں۔ جب پودا جڑ پکڑ جائے تو یہ پتے سوکھ جاتے ہیں۔

نباتات کی ترکیب خلیوں (CELLS) سے ہوتی ہے۔ ہر خلیے کی بیرونی دیوار آکسیجن، ہائیڈروجن اور کاربن کے مرکب سے تیار ہوتی ہے۔ جڑ کے آخری کنارے پر سخت خلیے کی ایک ٹوپی چڑھی ہوئی ہوتی ہے جو سخت چٹانوں تک کو چیر کر نکل جاتی ہے۔ جب یہ ٹوپی گھس جاتی ہے تو نئی بدل دی جاتی ہے ہر پودے میں ایک رنگ دار مادہ ہوتا ہے، جسے انگریزی میں کلوروفل (CHLOROPHYLL) کہتے ہیں۔ یہ سورج کی روشنی سے تیار ہوتا ہے اور اس کی بدولت پودوں کو سبز رنگ ملتا ہے۔ اس کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ فضا سے کاربن لے کر اسے شکر و نشاستہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔

شانِ ربوبیت:

پودے کی نشو ونما کے لیے نمی، ہوا، گرمی اور چند عناصر مثلاً: فاسفورس، پوٹاش اور نائٹروجن وغیرہ درکار ہوتے ہیں۔ یہ عناصر پانی میں حل شدہ ہوتے ہیں جنہیں پودا جڑوں سے جذب کرتا ہے چونکہ پانی میں ان عناصر کی مقدار بہت کم ہوتی ہے، اس لیے پودوں کو زیادہ مقدار آب کی ضرورت ہوتی ہے۔ پودے ان عناصر کو جزوِ حیات بنا لیتے ہیں اور فالتو پانی کو بذریعہ تبخیر باہر نکال دیتے ہیں۔ ایک ایکڑ زمین میں پھولوں کے پودے ایک سال میں دو ہزار ٹن پانی تبخیر سے خارج کرتے ہیں۔

ہم ریلوے اسٹیشنوں اور بڑے بڑے شہروں میں دیکھتے ہیں کہ کنویں کا پانی انجن کے ذریعے کئی سوفٹ کی بلندی پر ٹینکوں میں پہنچایا جاتا ہے اور دوسری طرف پودوں کی جڑیں زمین کی گہرائیوں سے پانی نکال کر درخت کی آخری بلندی تک پہنچا رہی ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کشش ارضی کے خلاف یہ عمل کیسے ہو رہا ہے؟ تو گزارش ہے کہ یہاں ''سطحی دباؤ'' (SURFACE TENSION) کا قانون کام کر رہا ہے۔ اگر ہم شیشے کی ایک باریک نلی کو پانی میں ڈال دیں تو سطحی دباؤ سے پانی اس نالی میں کافی اوپر چڑھ جائے گا۔ درختوں کی جڑیں باریک کھوکھلی نالیاں ہیں جو پانی کو کھینچ کر درخت کی چوٹی تک پہنچا رہی ہیں۔ غور فرمایئے کہ اللہ سبحانہ نے نباتات کو زندہ رکھنے کے لیے کیا احسن، کمال اور انسب انتظام کر رکھا ہے اگر آج اللہ صرف سطحی قانون کے دباؤ کو معطل کر دے تو تمام نباتات سوکھ جائیں اور زندگی کا کہیں نشان تک باقی نہ رہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ. (انعام۔ ۱۰۲)

یہ ہے تمہارا پروردگار جس کی نظیر کہیں موجود نہیں، یہ تخلیق وتکوین کے معجزات اس کی صنعت کاریاں ہیں اور صرف وہی قابل عبادت ہے سو اسی کی غلامی کرو۔

اوراق اشجار:

درختوں کے ساتھ پتے محض زیبائش کے لیے نہیں بلکہ ان کا عمل کچھ اور بھی ہے۔ ہر پتے میں چھوٹے چھوٹے مسام ہوتے ہیں جن کے ذریعے پودا سانس لیتا ہے۔ حیوانات کی پیدا کی ہوئی زہر (کاربن) کو آکسیجن کے ساتھ اندر لے جاتا ہے۔ کاربن کو جزوِ حیات بنالیتا ہے اور آکسیجن کو باہر نکال دیتا ہے۔ یہ مسام رات کو بند ہو جاتے ہیں۔ گویا رات کو پودے بھی سو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر درخت سورج کی روشنی سے دیر تک محروم رہے تو تنفس گھٹ جانے کی وجہ سے وہ مر جاتا ہے۔ بعض پودے سردیوں میں کملا جاتے ہیں، اس لیے کہ سرما کی طویل راتوں میں ان کا دم دیر تک گھٹا رہتا ہے۔ بعض پودوں (قطب شمالی وجنوبی کے نزدیک) کی مشینری قدرے مختلف ہوتی ہے اور ان پر لمبی راتوں کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

نباتات کاربن کو شکر و نشاستہ میں تبدیل کر کے سردیوں کے لیے رکھ چھوڑتے ہیں اور کچھ بیج بنانے کے لیے بچا رکھتے ہیں۔ چونکہ نشاستہ پانی میں پوری طرح حل ہو کر درخت کے مختلف حصوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے پودے اس نشاستے کو شکر میں تبدیل کرتے ہیں اور پھر اس شکر کو پانی میں ملا کر ادھر ادھر بھیج دیتے ہیں اور منزلِ مقصود پر پہنچ کر یہ شکر پھر نشاستے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

بعض پودوں کے پتے رات کو سمٹ جاتے ہیں تاکہ آفتاب سے حاصل کردہ حرارت کو رات کی ٹھنڈی ہواؤں سے بچایا جائے۔ ایک برہنہ فقیر سردی کی رات میں سکڑ کر بیٹھتا یا لیٹتا ہے تاکہ جسمانی حرارت ضائع نہ ہو۔

پتوں کی مختلف شکلیں بلحاظ ضرورت ہیں۔ کسی درخت کو حرارت آفتاب کی زیادہ ضرورت تھی تو اسے پتلے پتے دیئے گئے تاکہ زیادہ حرارت جذب کر سکیں اور بعض کو زیادہ روشنی کی ضرورت نہ تھی۔ انہیں موٹے اور بھدے پتے دیئے گئے، بعض پتوں پر کانٹے ہوتے ہیں اور بعض زہر سا نکالتے ہیں۔ یہ غالباً ان مفید پودوں کو ہلاکت سے بچانے کے لیے ہیں۔ ہماری چائے بھی ایک پودے کے پتوں کا نام ہے۔ تمباکو کا پتہ مختلف عناصر و معاون، زمین و ہوا سے جذب کرتا

ہے، اسی لیے اسے ایک خاص شکل دی گئی۔ بعض علمائے نباتات کے ہاں اثمار کا تنوع، تنوع اوراق کا نتیجہ ہے۔

الغرض! ہر پتہ ایک حیرت انگیز مشین ہے۔ قدرت کے یہ ارب در ارب کارخانے نہایت خموشی سے چل رہے ہیں اور ہماری غذا تیار کرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ انسان کس قدر ناشکرا ہے کہ تمام کائنات کی خدمات سے مستفید ہوتے ہوئے بھی اپنے فرائض کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ساڑھے نو کروڑ میل کی مسافت سے سورج کی کرنیں آتی ہیں جو بخارات آبی کو ہوا کے کندھوں پر لادتی ہیں۔ بجلیاں چمک کر زمین کی نس نس میں خونِ حیات دوڑاتی ہیں۔ بوندیں فضائی نائٹروجن کا بیش بہا ذخیرہ ہماری کھیتیوں میں پہنچاتی ہیں۔ چشمے اندرونِ جبال سے معادن کی ایک دنیا ہمراہ لیے ہماری زمینوں کی طرف بڑھتے ہیں۔ جڑیں ذخائر ارضی کو جذب کر کے جزوِ نباتات بناتی ہیں اور تب کہیں جا کر ہمیں غذا میسر ہوتی ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ.

ذرا اپنی غذا پر تو غور کرو، ہم نے پہلے بارش برسائی اور پھر زمین کا پیٹ چیرا اور اس سے غلے، انگور، ترکاری، زیتون، کھجوریں، گھنے باغات، پھل اور چارہ پیدا کیا اور یہ سب اشیاء تمہارے لیے اور تمہارے حیوانات کے لیے متاعِ حیات ہیں۔ (عبس. ۲۴. ۳۲)

مہیب نگرانی:

پودوں کے اجزائے تکوینی بنا تیے کہلاتے ہیں۔ یہ بنا تیے کہیں پتے بن رہا ہے اور کہیں ٹہنیاں، کہیں رنگ اور کہیں خوشبو، کہیں پھول اور کہیں پھل۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ چند بنا تیے سازش کر کے پھول کی جگہ پھل تیار کر دیں اور کیلے کے درخت کے ساتھ کہیں آم اور کہیں سیب لگاتے پھریں۔

اوراق گزشتہ میں بیان ہو چکا ہے کہ ہر بیج میں دو گرہیں سی ہوتی ہیں، جن میں سے

ایک ڈنڈی بن کر باہر نکلتی ہے اور دوسری جڑ بن کر زمین میں پیوست ہو جاتی ہے۔ آپ بیج کو کسی شکل میں دبائیں، جڑ والی گرہ اوپر اور دوسری نیچے کر دیں نتیجہ وہی ہوگا کہ شاخ اوپر کو جائے گی اور جڑ نیچے کو، یہ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ کی جہاں بیں نگاہ سے کوئی چیز خواہ وہ ہمالیہ کی عمیق و عریض وادیوں میں ہو، یا افلاک کی وسعتوں میں، غائب نہیں۔

لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ. الخ (سبا. ۳) زمین اور آسمانوں میں ایک ذرہ تک اللہ کی نگاہ سے غائب نہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ (بقرة. ۲۵۵) اللہ کا تخت سلطنت ارض و سماء کو محیط ہے (کائنات کی ہر شے اس کی مہیب نگرانی میں ہے) اور وہ اس نگرانی سے گھبراتا نہیں (اس لیے کہ اگر وہ نگرانی کو ڈھیلا کر دے تو ہر جگہ بدنظمی پھیل جائے۔ بدنظمی وہیں پھیلتی ہے جہاں قابلیت انتظام مفقود ہو۔ یہ فقدان قابلیت بڑائی کی علامت نہیں نالائقی کی نشانی ہے۔ اللہ کی سلطنت میں بدنظمی کیونکر پھیل سکتی ہے کہ وہ ہر لحاظ سے بلند و ارفع ہے اور اس کی ذات الزام بدنظمی سے بہت بالا ہے۔

جذبۂ افزائش نسل:

جب کوئی پودا قد و قامت میں مکمل ہو چکتا ہے تو اس میں ایک حسین تغیر آ جاتا ہے وہی نباتیے، جو اب تک شاخ و برگ بن رہے تھے غنچوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، غنچے پھول بن جاتے ہیں اور پھول بیج یعنی انڈے۔ افزائش نسل کا جذبہ حیوانات و نباتات ہر دو میں نہایت شد و مد کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

بیج نباتات کے انڈے ہیں، اس لیے حفاظت کی خاطر انہیں غلافوں، حجابوں اور سخت کیسوں میں چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ ان میں جو بیج انسانی غذا تھے مثلاً: مٹر، لوبیا اور چلغوزہ وغیرہ ان کی بہت زیادہ حفاظت نہ کی گئی بلکہ انہیں معمولی چھلکوں میں رکھا گیا تاکہ ''لاڈلے'' انسان کو نکالنے

میں تکلیف نہ ہو۔ بعض مفید درختوں مثلاً: سیب، سنگترہ اور مالٹا وغیرہ بیج تعداد میں کم تھے، اس لیے انہیں تلخ و ترش بنا دیا، تا کہ انسان انہیں کھا نہ جائے اور نسل کا خاتمہ نہ ہو جائے، بعض بیج ہماری یومیہ غذا تھے مثلاً: گندم، مکئی، باجرہ وغیرہ تو قدرت نے ان کو بہ افراط پیدا کیا تا کہ انسانی استعمال کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہیں۔

گندم، جو اور اس قسم کی چند دیگر فصلیں صرف چھ ماہ میں تیار ہو جاتی ہیں حالانکہ آم کا درخت سات آٹھ سال کے بعد پھل دیتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ فطرت ان پودوں کے کان میں چپکے سے یہ بات ڈال دیتی ہے کہ وہ دیکھو دہقان درانتی لیے آ رہا ہے جلدی کرو، بڑھو، پھولو اور انڈے زمین پر بکھیرنے کے بعد چلتے بنو۔

امریکہ میں زقوم کی شکل کا ایک درخت جو اگیوا (AGEVA) کے نام سے مشہور ہے، اسی (۸۰) سال میں جوان ہوا کرتا ہے۔ یہ سست رفتاری اس لیے کہ گندم و جو کی طرح اس کو دہقان کی درانتی کا ڈر نہ تھا۔ اس لیے مزے مزے سے بڑھتا تھا اب بعض مقامات پر کچھ عرصہ سے یہ ایندھن کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان مقامات پر وہی سست درخت صرف آٹھ دس سال میں جوان ہونے لگ گیا۔ یہ کیوں؟ قدرت نے اس کے کان میں کہہ دیا ہے:

''تیرے دشمن بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ اب سستی چھوڑ دے اور جلدی جلدی بڑھ!''

ایک ہوشیار مالی جب دیکھتا ہے کہ شہتوت کا درخت آٹھ سال کے طویل انتظار کے بعد پھل دینا شروع کرے گا تو وہ اس کی شاخوں کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے۔ درخت ڈر جاتا ہے کہ کہیں مٹ ہی نہ جائے، اس لیے وہ جلدی جلدی بڑھنا شروع کر دیتا ہے تا کہ مرنے سے پہلے نسل کی بنیاد ڈال جائے۔

نباتات کے اس منظر میں ہمارے لیے یہ سبق پنہاں ہے کہ سست اقوام کی رفتار کو تیز کرنے، انہیں مفید خلائق بنانے اور اس کے ضعف کو قوت سے بدلنے کے لیے تلوار کا استعمال از بس ضروری ہے، مسلمان تمام عالم کے نظم و نسق اور اقوام و ملل کی بہتری و برتری کا ذمہ دار بن کر آیا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ. تم ایک بہترین امت ہو جسے اقوام عالم کی بہبود (آل عمران. ۱۱۰) پر مقرر کیا گیا ہے۔

اس لیے اس کا فرض ہے کہ وہ دل کھول کر تلوار کا استعمال کرے۔ ظلم وعدوان ہو اور جور وعصیاں کو مٹا کر رکھ دے تا کہ دنیا امن وآشتی کی لذت سے آشنا ہو جائے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہوا ہے تو بہت اچھا ہوا ہے۔ آج کروڑوں بندگانِ خدا کو تجارتی منڈیوں اور نو آبادیوں کے لیے تباہ کیا جا رہا ہے۔ گزشتہ جنگ عظیم بھی کچھ ایسے ہی ذلیل مقاصد کے لیے لڑی گئی تھی۔ اگر آج تجارت دولت، دنیوی برتری، نو آبادیوں اور تیل کے چشموں کی خاطر تلوار کا استعمال کیا جا رہا ہے اور اس میں آپ کو کوئی برائی نظر نہیں آتی تو اسلامی تلوار کے استعمال پر آپ کیوں نعل در آتش ہوں کہ جس کا مقصد تیل کے چشمے اور ربڑ کے جنگل نہ تھے، بلکہ نیکی کی ترویج اور بدی کا استیصال تھا۔ ارباب ظلم کی ہلاکت اور عدل وانصاف کا احیاء تھا، فتنہ وشر کا خاتمہ اور امن وآشتی کا قیام تھا، مبارک ہے وہ تلوار جو اس قدر بلند مقصد کے لیے اٹھائی جائے، رسول اللہ صلعم کے اس اعلان کو کبھی نہ بھولیے گا:

بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ (حدیث) میں قیامت سے ذرا پہلے تلوار دیکر بھیجا گیا ہوں۔

پھولوں کا فرض:

پھولوں میں رنگ وبو اس لیے ہے کہ وہ بھونرے اور مکھیوں کو اپنی طرف کھینچ سکیں۔ بہ الفاظ دیگر یہ رنگ وبو بھونروں کی محنت کا صلہ ہے جوں ہی یہ کام (حمل) ختم ہو چکتا ہے۔ پھول مرجھا جاتے ہیں، اس لیے کہ وہ اپنا فرض ادا کر چکے ہوتے ہیں اور ان کا مزید باقی رہنا بے سود ہوتا ہے۔

اللہ کی حسین سرزمین میں صرف کارآمد ومفید اقوام باقی رہ سکتی ہیں۔ نکموں، نااہل، بے اثر عقائد کے پجاریوں اور اوراد ووظائف کے بہادروں اور بے عمل دعا گوؤں کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں۔

وَاَمَّا مَا یَنفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ. صرف مفید خلائق اقوام واشیاء دنیا میں باقی رہتی (رعد. ۱۷) ہے۔

مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے — محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
صفیں کج ، دل پریشاں سجدہ بے ذوق — کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے
(اقبالؒ)

پھلوں کی حفاظت:

پھلوں کو جنگلی جانوروں اور پرندوں سے محفوظ رکھنے کے لیے قدرت نے کئی تدابیر اختیار کیں۔ مثلاً: بعض (بادام اور اخروٹ) کے چھلکے سخت بنا دیئے اور بعض پر کڑوے غلاف چڑھا دیئے سنگترے اور انار کا چھلکا اس قدر کڑوا ہوتا ہے کہ کسی جانور کو منہ ڈالنے کی ہمت تک نہیں پڑتی۔ قدرت کا کمال صناعی دیکھئے کہ زمین وہی ہے، درخت وہی ہے اور رس پہنچانے والی شاخیں وہی ہیں، لیکن انار کا چھلکا سخت کڑوا ہے اور دانے میٹھے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ چھلکوں اور دانوں کے لیے دو علیحدہ علیحدہ کارخانے کام کر رہے ہیں۔ ایک مٹھاس تیار کر رہا ہے اور دوسرا کڑواہٹ۔ یہ دونوں پاس پاس ہیں لیکن ایک دوسرے سے غلط ملط نہیں ہو سکتے۔

مَرَجَ الۡبَحۡرَیۡنِ یَلۡتَقِیَانِ o بَیۡنَهُمَا بَرۡزَخٌ لَّا یَبۡغِیَانِ o دو دریا (ایک کڑوا ایک میٹھا) پاس بہہ رہے ہیں لیکن ان کے درمیان ایک ایسی دیوار حائل ہے جسے پھلانگ کر یہ (رحمٰن. ۱۹. ۲۰) ایک دوسرے میں غلط ملط نہیں ہو سکتے۔

اخروٹ اور بادام اونچے پہاڑوں پر پیدا ہوتے ہیں جہاں برف وغیرہ کی وجہ سے میدانی جانور نہیں پہنچ سکتے۔ یہاں صرف گلہری چوہوں کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے ان کے چھلکے سخت بنا دیئے تا کہ چوہے نقصان نہ پہنچا سکیں۔

قدرت کا یہ بھی منشا تھا کہ باردرخت کسی ایک حصہ زمین تک محدود نہ رہیں، اس لیے ان کی نسلوں کو دور دراز ممالک تک پہنچانے کے لیے کئی وسائل تک استعمال کیے:

۱۔ ہوائیں بیج اڑا کر دور دراز ممالک میں لے گئیں۔

۲۔ بیج برساتی نالوں اور دریاؤں میں بہہ کر دیگر خطوں میں چلے گئے۔

۳۔ چوہے، کوے، طوطے، شارکیں اور دیگر پرندے منقاروں میں میوے لیے ادھر ادھر اڑ گئے۔

۴۔ آدمی آموں اور سیبوں کے ٹوکرے دوسرے ممالک میں لے گئے۔

انجیر کا حمل:

انجیر کے درخت کے ساتھ پھول نہیں لگتا۔ معاملہ یوں ہے کہ ابتدائی انجیر کے اندر ایک چھوٹا سا غنچہ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ ایک خاص قسم کی بھڑ نر اور مادہ غنچوں میں انڈے دے جاتی ہے۔ جب بچے نکلتے ہیں تو نر انجیر کے بچے مادہ انجیر میں چلے جاتے ہیں اور اس طرح مادہ حاملہ ہو جاتی ہے فطرت کی رنگینیوں کا کیا کہنا:

حسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

(اقبالؒ)

کھجور:

صحرائے عرب سینکڑوں میل تک پھیلا ہوا ہے۔ جسے طے کرنے کے لیے اب بھی اونٹ سے کام لیا جاتا ہے۔ امکان تھا کہ مسافر راہ میں بے توشہ نہ ہو جائیں، اس لیے اس ریگستان میں ہر طرف کھجوروں کے درخت اگا دیئے اور انہیں بلند قامت بنا دیا تا کہ یہ قیمتی پھل جانوروں کی رسائی سے باہر ہو جائے۔ نیز قرب زمین کی گرمی سے نسبتاً محفوظ رہے۔ کھجوروں کے تنے اس لیے ریشہ دار اور کھوکھلے بنائے تا کہ تھرموس بوتل کی طرح اندر کی ہوا بیرونی حرارت سے متاثر نہ ہو اور پھل خشک نہ ہو جائے۔ انسانی بدن کی مشین کو دو چیزوں کی سخت ضرورت رہتی ہے شکر و نشاستہ، یہ ہر دو اجزاء کھجور میں بہ درجہ کمال موجود ہیں۔

جنگل میں حفاظت اثمار کے مسالے کہاں مل سکتے تھے۔ کیلا صرف ایک ہفتے میں گل سڑ

جاتا ہے۔سیب پلپلا ہو جاتا ہے۔امرود میں کیڑے چلنے لگتے ہیں۔شہتوت اور لوکاٹ چند گھنٹوں میں خراب ہو جاتے ہیں لیکن کھجور کو اللہ نے کسی خاص مسالے سے یوں محفوظ کر دیا ہے کہ مہینوں خراب نہ ہو۔

کھجور کی جڑیں زمین سے دو قسم کا رس چوستی ہیں، کثیف اور لطیف۔کثیف رس سے تنے اور شاخیں بنتی ہیں اور لطیف سے پھل۔پھل کے ہر دانے کے ساتھ ایک مصفی لگا ہوتا ہے جو رس کو مزید صاف کرتا ہے۔گٹھلی کی ترکیب کچھ لطیف اور کچھ کثیف رس سے ہوتی ہے، لیکن گٹھلی کڑوی ہوتی ہے اور چھلکا میٹھا۔ان ہر دو کے درمیان ایک پردہ لگا دیا گیا ہے، تاکہ تلخی و شرینی خلط ملط نہ ہو جائیں۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ٥ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ. یہ زمین انسانی رہائش کے لیے تیار کی گئی اور اس میں (لاڈلے انسان کے لیے) میوے اور گچھوں والی کھجوریں ہیں۔ (رحمٰن. ۱۰. ۱۱)

نشاناتِ منزل:

درخت عموماً راہوں پر اگتے ہیں، اس لیے کہ مسافر پھل کھا کر گٹھلیاں پھینک دیتے ہیں اور وہاں درخت اگ آتے ہیں، جہاں کہیں درخت نظر آتے ہیں اور وہاں راہ موجود نہیں تو سمجھ لو کہ یہاں سے کبھی قافلہ گزرا تھا۔اہل عرب پہلے سندھ پر حملہ آور ہوئے تھے، ان کے پاس کھجوریں تھیں۔جہاں کہیں اترے، گٹھلیاں پھینکتے گئے، نتیجہ یہ کہ آج سندھ میں عربی نسل کی کھجوریں میلوں تک دکھائی دیتی ہے:

خبر دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی

سدا بہار درخت:

سدا بہار درخت خزاں میں بھی سر سبز رہتے ہیں۔وجوہات یہ ہیں:

اول: بعض درختوں کے پتے چکنے ہوتے ہیں اور ان پر ایک مومی مواد موجود ہوتا ہے، جس کا

فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس مواد کے مسام سردیوں میں بند ہو جاتے ہیں اور نمی محفوظ رہتی ہے۔ نتیجتاً وہ خشک نہیں ہوتے۔

دوم: بعض پتوں پر سفیدسی اون ہوتی ہے جو عمل تبخیر کو روک کر درختوں کو سرسبز رکھتی ہے۔

سوم: نکیلے لمبے اور تنگ سطح والے پتے چوڑے پتوں کی بہ نسبت سورج کی روشنی سے کم متاثر ہوتے ہیں اور ان کی نمی زیادہ ضائع نہیں ہوتی، اس لیے وہ سرسبز رہتے ہیں اگر زیتون اور کھجور کے پتے چوڑے ہوتے تو خزاں میں جھڑ جاتے۔

فوائد اشجار:

ا۔ درختوں کی جڑیں فالتو پانی کو جذب کر لیتی ہیں، اس لیے زمین پر دلدل نہیں بن سکتی۔

۲۔ درخت اپنے تنفس سے فضا کو گرما دیتے ہیں۔ ہوا قدرے لطیف ہو جاتی ہے نتیجتاً قرب زمین کے بادل وزنی ہو کر برسنے لگتے ہیں۔

۳۔ درختوں کے پت جھڑ سے زمین زرخیز بن جاتی ہے۔

۴۔ اگر پہاڑوں پر درخت نہ ہوتے تو اردگرد کی زمینیں برساتی نالوں سے صحرا بن جاتیں اور اگر آج کسی ریگستان میں درخت لگا دیئے جائیں تو وہ زرخیز ہو جائے گا۔

چند عجیب و غریب درخت:

سنکونا:

سنکونا (CINCHONA) جنوبی امریکہ میں پایا جاتا ہے اس کے چھلکے سے کونین تیار ہوتی ہے۔ سب سے پہلے یہ راز چند ہسپانوی مہاجرین کو معلوم تھا ۱۶۳۹ء میں پیرو (PERU) کے وائسرائے کی بیوی کونٹس آف چنکن (COUNTESS OF CHINCHON) نے اس درخت کا تعارف یورپ میں کرایا اس کے بعد چند مبلغ اس درخت کا چھلکا اٹلی میں لے گئے اور مریضوں میں مفت تقسیم کیا۔ کچھ عرصے کے لیے اس چھلکے کا استعمال متروک ہو گیا۔ جب سترھویں صدی میں انگلستان کا بادشاہ چارلس دوم بیمار ہوا تو شاہی ڈاکٹر رابرٹ ٹیلبٹ (ROBERT

TABLET) نے اس چھلکے کے سفوف سے علاج کیا اور بادشاہ صحت یاب ہوگیا۔ دوسرے سال اسی ڈاکٹر نے اسی سفوف سے چند فرانسیسی امرا کا علاج کیا اور وہ صحت یاب ہو گئے اس کے بعد کونین سے ہر شخص واقف ہوگیا۔

ربڑ:

ربڑ کا درخت پہلے صرف وسطی جنوبی امریکہ میں ملتا تھا۔ انیسویں سڈی میں یہ درخت سیلون، ملایا میں لگایا گیا۔ اس کے رس سے ربڑ تیار ہوتا ہے آج ربڑ کی اہمیت سے ایک عالم آگاہ ہے۔

زیتون:

اس کا تیل مفید ترین سمجھا جاتا ہے، جو مشینوں کے علاوہ صابنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ درخت ہزار سال تک باقی رہتا ہے اور اس کی لکڑی فولاد کی طرح مضبوط ہوتی ہے۔

شہتوت:

شہتوت کے پتوں کو بکری کھاتی ہے تو دودھ بنتا ہے مکھی ان سے شہد تیار کرتی ہے۔ کیڑا ابریشم اور کستوری پیدا کرتا ہے۔ چیز ایک ہی ہے لیکن مختلف کارخانوں میں اس سے مختلف اشیاء تیار ہو رہی ہیں۔

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ○ قابل صد ہزار تعریف ہے وہ اللہ جو بہترین خالق ہے۔ (مؤمنون. ۱۴)

ناریل:

ایک مسافر سخت گرمی میں ایک ایسے جھونپڑے میں جا پہنچا جس پر ناریل کے درختوں کا سایہ تھا۔ صاحب خانہ نے مسافر کو شراب، دودھ اور حلوا نہایت عمدہ برتنوں میں پیش کیا۔ مسافر نے پوچھا کہ جنگل میں یہ غذائیں کہاں سے آ گئیں؟ کہا یہ سب کچھ ناریل کی بدولت ہے۔ میں کچے ناریل سے پانی، پختہ ناریل میں دودھ، پتوں سے حلوا، شگوفوں سے شراب، پھولوں سے شکر،

چھال سے برتن، لکڑی سے ایندھن، بنے ہوئے پتوں سے چھت، ریشوں سے رسیاں اور تیل سے روشنی حاصل کیا کرتا ہوں۔ جب یہ مسافر چلنے لگا تو میزبان نے ایک شاخ کو جھاڑا جس سے غبار سا گرا۔ اس غبار سے سیاہی کا کام لے کر ایک پتے پر کسی دوست کی طرف سے چٹھی لکھ دی۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ. (لقمان۔ ۱۱) یہ ہے اللہ کا کمال تخلیق، اللہ کے بغیر کسی اور نے بھی کچھ پیدا کیا ہو تو ذرا سامنے لاؤ۔

دم الاخوین:

بحرِ اوقیانوس کے ایک جزیرے میں آج سے پانچ سو سال پہلے دم الاخوین کا ایک ایسا درخت پایا گیا جس کا تنا اس دور میں ساٹھ فٹ تھا۔ اسی نوع کے باقی درختوں کو دیکھ کر علمائے نباتات نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ درخت خلقِ آدم سے پہلے کا ہے۔

درخت خور نباتات:

بعض بیلیں براہِ راست زمین میں سے غذا حاصل نہیں کرتیں، بلکہ دوسرے درختوں کے رس پر پلتی ہیں اور یہ درخت رفتہ رفتہ خشک ہو جاتے ہیں۔ محکوم اقوام اس لیے خشک ہو جاتی ہیں کہ ان کا رس حاکم قومیں چوس لیتی ہیں۔

حیوان خور نباتات:

امریکہ میں ایک ایسا پودا ملتا ہے جس کی شاخیں جال کی طرح زمین پر بچھی ہوئی ہوتی ہیں، جوں ہی کوئی جانور اوپر سے گزرتا ہے یہ مل جاتی ہیں اور جانور گرفتار ہو کر اس کی غذا بن جاتا ہے۔

مگس خور نباتات:

سنڈیو (SUNDEW) کے پھول پر ایک لیس دار رس ہوتا ہے جوں ہی کوئی مکھی اس پر بیٹھتی ہے تو چمٹ جاتی ہے، پھول کی پتیاں اس پر پل پڑتی ہیں اور اسے کھا جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمین میں نائٹروجن نہیں ہوتی اس کمی کو یہ پودے مکھیوں سے پورا کرتے ہیں۔

اسی طرح بٹر وانس (BUTTER WARTS) کے پتوں پر ایک گوند لگا ہوتا ہے جوں ہی کوئی مکھی اس پر بیٹھتی ہے پتہ مٹھی کی طرح بند ہو جاتا ہے، اگر ان پتوں پر ریت کا ذرہ یا چھوٹا سا کنکر رکھ دیا جائے تو یہ متاثر نہیں ہوتے لیکن جب شکار اوپر آ بیٹھے تو نہایت پھرتی سے مل جاتے ہیں۔ بہ دیگر الفاظ ان میں اتنی عقل موجود ہوتی ہے کہ اپنی غذا اور چھیڑ چھاڑ میں تمیز کر سکیں۔

بعض جوہڑوں میں ایک ایسا تھیلی دار پودا (BLADDER WARDS) ملتا ہے جس کی ٹہنیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی تھیلیاں ہوتی ہیں۔ یہ تھیلیاں چوہے کے پنجرے کی طرح صرف باہر کی طرف سے کھلتی ہیں۔ جب پانی کے حشرات آرام یا غذا کے لیے اندر داخل ہوتے ہیں تو گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک پودے پچر پلانٹ (PITCHER PLANT) کے پھول صراحیوں کی طرح شاخوں سے لٹکے ہوتے ہیں اندر میٹھا رس ہوتا ہے اور دیواروں کے ساتھ ٹیڑھے کانٹے۔ جب کوئی مکوڑا رس پینے کے لیے اندر داخل ہوتا ہے تو واپسی پر یہ کانٹے اس کی رفتار میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ وہ بار بار چڑھتا اور گرتا ہے اور آخر تھک کر حوض میں رہ جاتا ہے۔

صناعی:

ایک طرف مولی، شلغم، پیاز اور دوسری طرف انجیر، کھجور اور آم پر غور کیجئے۔ مقام الذکر کے پتے اس وضع کے ہیں کہ جب بارش برستی ہے تو یہ پتے قطروں کو سمیٹ کر جڑوں میں ڈال دیتے ہیں اور آم وغیرہ کے درخت قطرات کو پھیلا کر ٹپکاتے ہیں۔ وجہ یہ کہ مولی اور شلغم وغیرہ کی جڑ صرف ایک ہوتی ہے اس لیے قطرات باراں کو جڑ کی طرف لے جانے کا سامان کیا گیا۔ آم وغیرہ کی جڑ پھیلی ہوئی ہوتی ہیں، اس لیے قطرات بھی پھیل کر ٹپکتے ہیں۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتر زیست معرفت کردگار

(سعدی)

کاربن اور آکسیجن:

حیوانات کی زندگی کا دارومدار آکسیجن پر ہے اور نباتات کا کاربن پر۔ اگر آکسیجن کم ہو جائے تو حیوانات ہلاک ہو جائیں اور اگر کاربن کا ذخیرہ گھٹ جائے تو نباتات فنا ہو جائیں۔ پھر کاربن نہایت زہریلی گیس ہے اس کی بہتات حیوانات کے لیے مہلک ہوتی ہے۔ قدرت کا انتظام ملاحظہ فرمائیے کہ کاربن نباتات کی اور آکسیجن حیوانات کی غذا بنا ڈالی۔ حیوانات پودوں کے لیے کاربن اور نباتات ہمارے لیے آکسیجن پیدا کرتے ہیں۔ تمام حیوانات ایک سال میں ساٹھ کروڑ ٹن کاربن سانس کے ذریعے خارج کرتے ہیں جس میں بیس کروڑ ٹن خالص کوئلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح حیوانات ایک سال میں آٹھ کھرب مکعب میٹر آکسیجن استعمال کرتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ دنیا میں کیا عدل وانصاف ہے۔ زندگی کو قائم رکھنے کے لیے کیا حیرت انگیز نسق ہے اور اللہ کی شانِ ربوبیت کس کس رنگ میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ (الفاتحۃ:۱) آؤ تعریف کریں اس رب العالمین کی۔ (جس کا نظام ربوبیت اس قدر حیرت انگیز ہے)

حفاظت نباتات:

نباتات کی حفاظت کے لیے قدرت نے کئی طرح کے انتظام کر رکھے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ہالی (HOLLY) پودے کے ابتدائی اور نچلے پتے خاردار ہوتے ہیں اور اوپر جا کر ہر پتے کے آخر پر صرف ایک کانٹا رہ جاتا ہے، یہ اس لیے کہ معمولی جانوروں کی جہاں تک رسائی تھی، وہاں تک حفاظت کی ضرورت زیادہ تھی۔

۲۔ جانوروں کی دو قسمیں ہیں: نرم منہ والے، مثلاً: گائے، بھینس وغیرہ اور سخت منہ والے جو کانٹوں تک چبا جاتے ہیں۔ مثلاً: بھیڑ، بکری وغیرہ۔ مؤخر الذکر جانور کمزور تھے، اس لیے قدرت نے بعض درختوں کو کانٹے لگا دیئے تاکہ نرم منہ والے انہیں کھا نہ سکیں اور وہ سخت منہ والے کمزور جانوروں کے لیے بچ رہیں۔

۳۔ بچھو بوٹی (کشمیر میں عام ہے) کے چھو جانے سے جسم میں آگ بھڑک اٹھتی ہے میں خود بھی ایک دفعہ اس کا شکار ہوا تھا۔

۴۔ اسی طرح ایک پودے ''برگِ شیطان'' (DEVIL'S LEAF) کا ڈنک سال بھر تکلیف دیتا رہتا ہے اور بعض اوقات آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

۵۔ آسٹریلیا کے ایک پودے (LAPORTICAMATOIDER) سے اگر گھوڑا بھی چھو جائے تو فوراً ہلاک ہو جاتا ہے۔

۶۔ ایک اور پودا ''زہریلی بیل'' (POLSON IVY) ہے جس کے چھو جانے سے ہاتھ پاؤں اور منہ سوج جاتا ہے اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔

۷۔ بعض پودے ایسا بدبودار رس خارج کرتے ہیں کہ جانور پاس تک پھٹکنے کی جرأت نہیں کرتے۔

۸۔ ''چھوئی موئی بوٹی'' صرف موجِ نفس سے سمٹ جاتی ہے اور جانور بدک جاتا ہے۔

۹۔ ایک پودا ''ٹیلیگراف'' (TELEGRAPH PLANT) ہوا کے بغیر ہی دن رات جھومتا رہتا ہے جس سے جانور خوفزدہ ہو کر دور بھاگتے ہیں۔

۱۰۔ مضرِ حشرات کو پھانسنے کے لیے درختوں کے تنے اور شاخیں ایک قسم کا گوند نکالتی ہیں، جس میں یہ حشرات پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ یہ گوند تبھی نکل سکتا ہے کہ درخت میں سوراخ کیا جائے اس کام کے لیے قدرت نے لمبی اور تیز چونچ والے پرندے پیدا کر دیئے ہیں جو درختوں میں سوراخ کرتے پھرتے ہیں۔ ان سوراخوں سے گوند نکلتا ہے جو درخت کا محافظ بھی ہے اور زخمِ درخت کا مرہم بھی۔

۱۱۔ بعض پودوں کے غنچوں سے میٹھا رس نکلتا ہے جسے حاصل کرنے کے لیے چیونٹیاں اوپر جاتی ہیں۔ رس بھی چٹتی ہیں اور ساتھ ہی ان حشرات کی خبر لیتی ہیں جو ان پودوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جب یہ غنچے مکمل ہو کر بیج بن جاتے ہیں تو یہ رس سوکھ جاتا ہے۔ یہ رس چیونٹیوں کی نوازش کا صلہ ہے۔

۱۲۔ بعض درختوں پر بڑے بڑے چیونٹے گھومتے پھرتے ہیں جن کا کام چوکیداری ہوتا ہے۔ یہ حشرات حیوانات کو اس زور سے کاٹتے ہیں کہ انہیں بن بھاگے نہیں بنتی۔

غور فرمائیے کہ قدرت نے ہماری غذا کی فراہمی وحفاظت کا کیا حیران کن انتظام کر رکھا ہے، پھر درخت اور ہر پودے میں کس قدر اسباق وآیات ہیں۔ عالم نباتات میں کتنا تنوع ہے، لاکھوں پودے، ہر پودے کی ہیئت الگ، خاصیت الگ، پھل الگ، کہیں کوئی غلطی نہیں، بدنظمی نہیں، حفاظت سے غفلت نہیں، تربیت سے تساہل نہیں، آؤ اس خالق لازوال کی حمد وثنا کے زمزمے گائیں جس نے ہماری حسین دنیا کو حسن وجمال کا مرکز بنایا اور ہماری تفریح کے لیے اسے لالہ وگل سے سجایا۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى ۝ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝ وَالَّذِيْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى. (اعلی. ۱ تا ۴)

اس رب کی حمد وثنا کے ترانے گاؤ جس نے کائنات میں حسن وجمال پیدا کیا (تسویہ) ہر چیز کو پیدا کرکے ایک خاص دستور العمل کے نباہنے پر لگا دیا (ھدیٰ) اور جس نے چراگاہیں اور مرغزار تیار کیے۔

۱۔ چلی جنوبی امریکہ میں واقع ہے یہاں کی نائٹروجنی کانیں دُنیا میں بہت مشہور ہیں۔

۲۔ لواقح کا مادہ لقح ہے جس کے معنی ہیں (۱) لقح. لَقْحا والَقْح۔ حاملہ بنانا۔ ٹیکہ کرنا۔ (۲) الْقَاحَ درختوں کو حاملہ بنانا (۳) لقح ولقاح کھجور کے نر درختوں کا غبار منویہ الفرائد دریہ ص ۲۸۴ پر مذکر ہے۔ (POLLEN OF MALE PALM TREES) لواقح کا دُوا مفہوم (بخارات آبی سے لدا ہُوا ہونا) صاف ہے۔

۳۔ طاقتور سے مُراد لٹھ باز نہیں بلکہ ایسی قوم ہے جو اسلحہ قوت (دولتِ علم، اخلاق فاضلہ، عدل واحسان اور متاع ارضی وغیرہ) سے مسلح ہو۔

۴۔ گھاس کی ایک قسم

۵۔ بہت قدیم زمانے میں کسی زلزلے وغیرہ کی وجہ سے جنگل زمین کے نیچے دب گئے تھے لاکھوں سال کے بعد آج یہ درخت کوئلے کی صُورت میں نکالے جا رہے ہیں۔ (برق)

ل امریکہ کا صرف ایک ماہنامہ "ریڈرز ڈائجسٹ" چالیس لاکھ کی تعداد میں شائع ہوتا ہے۔ (مدیر البیان)

ک زوالِ عباسیہ کے بعد اباقا خان (ہلاکو خان کا بیٹا اور چنگیز کا پوتا) نے انکیانو کر صوبہ فارس کا گورنر مقرر کیا تھا۔ (برقؔ)

ھ ہندوستان نے چائے نوشی کا سبق چین سے لیا۔ پہلے ہم چین سے چائے منگواتے تھے۔ گزشتہ اسّی سال سے آسام میں بھی اس کی کاشت ہو رہی ہے۔ آج کل صرف آسام سے ہر سال دو لاکھ ٹن چائے انگلستان کو بھیجی جاتی ہے اور چین سے صرف اڑھائی ہزار ٹن منگوائی جاتی ہے۔ (برقؔ)

و بچھو بوٹی کے پاس ہی کی طرح کا ایک پودا موجود ہوتا ہے۔ ایک پتہ توڑ کر زخم خوردہ مقام پر رگڑ دیجیے فوراً آرام آ جائے گا۔ (برقؔ)

باب ۳

سیرِ افلاک

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنیَا بِزِینَۃِ نِ الکَوَاکِبِ ○ (صافات. ۶) ہم نے آسمان کو ستاروں سے آراستہ کیا، ہم نے آسمان میں برج بنا کر اسے دیکھنے والوں کے لیے حسین بنادیا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَ زَیَّنّٰھَا لِلنّٰظِرِیْنَ. (حجر. ۱۶)

آسمان ہماری زمین کی طرح قدرت کا ایک دلکش نگارستان ہے جس میں الٰہی کبریا و جبروت کی بے شمار آیات موجود ہیں۔ آؤ ان آیات کی قدرے تفصیل بیان کریں۔

ایک مثال:

فرض کرو کہ ایک خوبصورت عورت کے یہاں دس لڑکیاں ہیں جو ماں سے کم خوبصورت ہیں۔ یہ لڑکیاں ماں کا طواف کررہی ہیں، پھر ہر لڑکی کے یہاں دس اور لڑکیاں ہیں جو اپنی ماؤں سے حسن و جمال میں کم ہیں اور ان کے گرد چکر کاٹ رہی ہیں۔ بس یہی حال سیاروں کا ہے۔ ان کی پہلی ماں کہکشاں تھی جو لاتعداد شموس و اقمار کا مسکن ہے، ان میں سے ہر سورج کے ہاں دس لڑکیاں ہیں جو اس کے گرد چکر کاٹ رہی ہیں۔ ہمارا سورج آخری ماں ہے جس کے آٹھ نو بچے پیدا ہو چکے ہیں، یعنی زحل، مشتری، عطارد اور زمین وغیرہ اور ایک دو کا انتظار ہے۔ ہماری زمین کی بھی ایک لڑکی پیدا ہو چکی ہے، یعنی چاند جو زمین سے کم خوبصورت ہے اور اپنی ماں کے اردگرد چکر کاٹ رہا ہے۔

سبع سمٰوات:

آسمان ہم سے بہت دور ہے، اس لیے ہمارا علم اس کے متعلق ناقص و نامکمل ہے لیکن جو کچھ علمائے ہیئت نے معلوم کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ظاہری نگاہ سے ہمیں آسمان کے سات

طبقے نظر آتے ہیں: طبقۂ اول میں صرف چار بڑے بڑے ستارے ہیں۔ طبقہ دوم میں ستائیس، سوم میں تہتر، چہارم میں ایک سو اکانوے، پنجم میں چھ سو پچاس، ششم میں دو ہزار دو سو اور ہفتم میں تین ہزار سے زیادہ ستارے ہیں۔ یہ تعداد بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ بیسویں طبقے میں سات کروڑ ساٹھ لاکھ ستارے پائے جاتے ہیں، اب تک ہمیں تقریباً بیس کروڑ ستارے نظر آ چکے ہیں۔ قرآن حکیم میں جن سات طبقوں کا ذکر ہے وہ غالباً وہی ہیں جو ہمیں دوربین کے بغیر نظر آتے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ق وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِيْنَ. (مؤمنون. ۱۷) ہم نے تمہارے اوپر سات گزرگاہیں (ستاروں کی) بنائیں اور ہم تخلیق سے غافل نہیں ہیں۔

آسمانوں کے متعلق تازہ تخلیق یہ ہے کہ فضا میں کئی شفاف دیواریں موجود ہیں، ایک ایسی دیوار ہے جو کاسمک شعاعوں کو روکتی ہے۔ کاسمک شعاعوں میں دس ارب وولٹ کی بجلی ہوتی ہے۔ اگر یہ شعاعیں اس دیوار کو چیر کر نیچے آ جائیں تو آناً فاناً زندگی ختم ہو جائے، ایک دیوار ایسی ہے جو ایتھر کی لہروں کو روک کر زمین کی طرف لوٹا دیتی ہے اور اسی کی بدولت ہم ریڈیو سے آواز سن سکتے ہیں۔ ایک اور دیوار فضا کے کروڑوں آفتابوں کی حرارت کو روکتی ہے اگر ہم زمین سے سو میل اوپر جائیں اور ہمارے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس ہو تو وہ کھولنے لگ جائے گا۔ اللہ کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ وہ ان دیواروں یا آسمانوں کی بدولت کہکشائی آفتابوں کی حرارت اور مبرق شعاعوں کے خوف ناک حملوں سے ہمیں بچا رہا ہے۔

آفتاب:

اگر ہم آفتاب کے زیادہ قریب ہوتے تو گرمی سے جھلس جاتے اور زیادہ دور ہوتے تو سردی سے مر جاتے۔ اللہ نے ہمیں ایک خاص فاصلے پر رکھا ہوا ہے تاکہ ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہیں۔ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِيْنَ.

جب ہم بعد آفتاب اور طوفان نور کو دیکھتے ہیں اور پھر یہ سوچتے ہیں کہ آفتاب صرف زمین ہی کو روشنی نہیں دے رہا بلکہ اس کی روشنی ہر طرف جا رہی ہے اور زمین پر اس کی روشنی کا صرف ۲۰۰,۰۰,۰۰۰/۱ حصہ پڑ رہا ہے تو ہم اس کرۂ نور کی عظمت و جلال سے کانپ اٹھتے ہیں۔

بُعدِ آفتاب:

سورج ہم سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے، اس فاصلہ کا صحیح تصور معلوم کرنے کے لیے کمرے میں کلاک لگائیے۔ ان ہندسوں کو گننے کا کام اس کے حوالے کر دیجئے اور اس کی ہر ٹک کو ایک ہندسہ سمجھئے۔ یہ کلاک ایک منٹ میں ساٹھ، ایک گھنٹے میں ۳۶۰۰ اور چوبیس گھنٹوں میں ۸۶۴۰۰ ہندسے گنے گا اور سورج کے اس فاصلہ کو شمار کرنے کے لیے ۱۰۷۶ دن، یعنی تقریباً تین سال صرف ہوں گے۔

اگر ایک گاڑی ۴۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کی طرف روانہ ہو تو ۲۶۵ سال کے بعد وہاں پہنچے گی۔

گردشِ آفتاب:

سورج اپنے گرد گھومتا ہے۔ دوربین سے معلوم ہوا ہے کہ سورج میں چند داغ ہیں جن کا مقام بدلتا رہتا ہے۔ سورج ایک ماہ میں اپنا طواف مکمل کر لیتا ہے۔
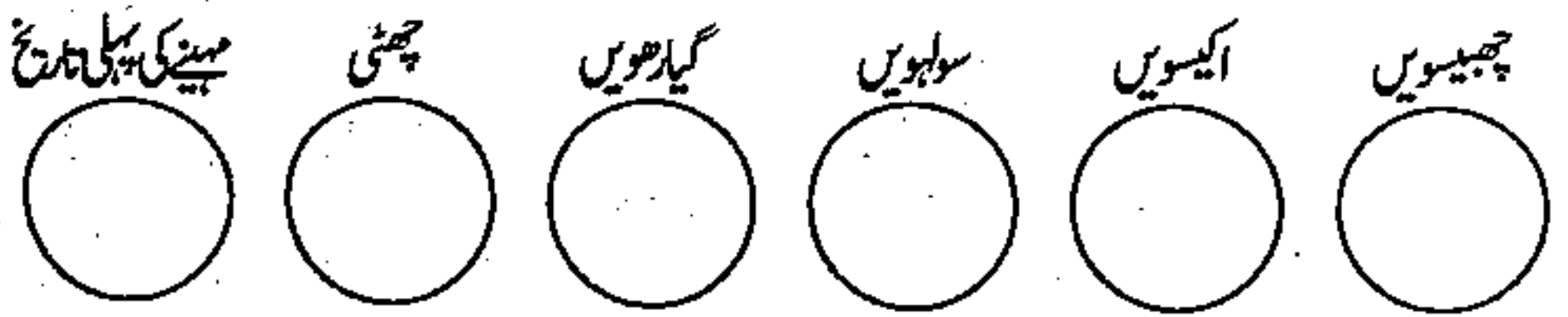
سولھویں اور اکیسویں تاریخ کو یہ داغ نظر نہیں آتا اور چھبیسویں کو پھر دکھائی دینے لگتا ہے۔ علمائے مغرب کا یہ خیال ہے کہ سورج اپنی جگہ پر گھوم رہا ہے لیکن قرآن حکیم اس نظریہ کو باطل ثابت کرتا ہے۔ انسانی علم اس پہلو میں اس قدر ناقص ہے کہ باوجود انتہائی کوششوں کے الہام کا ساتھ نہیں دے سکا۔ موجودہ منجموں میں صرف ہرشل ایک ایسا عالم ہے جس نے سورج کو متحرک تسلیم کیا ہے ایک ایسا زمانہ آئے گا جب انسانی تحقیق و جستجو الہام ربانی کی تصدیق کرتے ہوئے اعلان کرے گی کہ:

اَلشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ؕ (یٰسٓ ۳۸) سورج ایک مستقر کی طرف یا ایک مرکز کے اردگرد محوِ حرکت ہے، یہ عالم و غالب خدا کی تعین ہے۔

حرکتِ زمین:

علمائے مغرب نے زمین کو متحرک مانا ہے اور مشرق میں زمین ساکن تسلیم کی جاتی ہے، قرآن حکیم میں حرکتِ زمین پر کئی آیات موجود ہیں مثلاً:

جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا. (طٰهٰ. ۵۳) تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا۔

مھد گہوارہ کو کہتے ہیں۔ گہوارہ کی دو قسمیں ہیں اوّل وہ جو میلوں وغیرہ میں لگائے جاتے ہیں اور دوم جو گھروں میں بچوں کے لیے لٹکائے جاتے ہیں۔ ہر دو قسم کے گہواروں میں حرکت موجود ہے۔

وَاَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِكُمۡ. (نحل. ۱۵) ہم نے زمین پر پہاڑ ڈال دیئے ہیں کہ وہ تمہیں ساتھ لے کر بھاگ نہ جائے۔

زمین کی حرکت میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کے لیے وزنی پہاڑ ڈالے گئے۔ اگر زمین ساکن ہوتی تو یہ بھاگنے کا سوال کیسے پیدا ہوتا؟ بھاگنے کا خوف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ زمین کو متحرک تسلیم کیا جائے اور مانا جائے کہ یہ فضا کی مختلف گزرگاہوں سے ہوتی ہوئی آگے چلتی ہے اگر وزن کم ہوتا تو ڈر تھا کہ کوئی ستارہ اسے اپنی طرف کھینچ لیتا اور زمین بھاگ کر دور نکل جاتی۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ یُكَوِّرُ الَّیۡلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیۡلِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی. (زمر. ۵) اللہ نے زمین و آسمان پیدا کیے رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل کیا اور آفتاب و ماہتاب کو مسخر کیا یہ تمام ایک معین میعاد تک محوِ حرکت رہیں گے۔

کس قدر صریح اعلان ہے حرکتِ ارض کا:

زمین سورج کے گرد ساڑھے اٹھاون کروڑ میل کا دائرہ بناتی ہے۔ اس کی رفتار فی سیکنڈ ۱۸ میل فی منٹ ۱۰۸۰ فی گھنٹہ ۶۴،۸۰۰ میل اور رات دن میں سولہ لاکھ میل بنتی ہے۔ فرض کرو تم

سینما میں تماشا دیکھنے گئے تھے اور تین گھنٹے کے بعد واپس آئے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس عرصہ میں تم تقریباً دولاکھ میل فضا میں آگے نکل چکے تھے۔

چاند:

چاند کا قطر ۲۱۶۰ میل اور زمین کا ۷۹۸۰ میل ہے چاند زمین سے ۱/۲ ۱۲ گنا چھوٹا ہے۔ چاند تیز رفتار سے زمین کے اردگرد گھومتا ہے۔ اس کا فرض ازبس مشکل ہے کہ وہ ایک تیز گھومنے والی زمین کے اردگرد اس صفائی سے گھوم رہا ہے کہ نہ تو زمین سے اور نہ کسی اور ستارے سے ٹکراتا ہے، زمین ۱/۴ ۳۶۵ دن میں اور چاند صرف ۲۷ دن میں ایک چکر پورا کرتا ہے۔

کسوف وخسوف:

جب سورج اور ہمارے درمیان چاند حائل ہو جاتا ہے تو سورج گرہن ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ہندوستان میں مکمل سورج گرہن ہوتا ہے لیکن سائبیریا میں نصف نظر آتا ہے وجہ صاف ہے کہ ہم اور اہل سائبیریا مختلف زاویوں سے سورج کو دیکھ رہے ہیں بالکل ممکن ہے کہ اس وقت چاند پوری طرح اہل سائبیریا اور سورج کے درمیان حائل نہ ہو۔ چاند گرہن اس لیے ہوتا ہے کہ زمین سورج اور چاند کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور اس کا سایہ چاند پر پڑتا ہے۔

چاند کا بُعد:

چاند ہم سے دولاکھ چالیس ہزار میل دور ہے، اگر ایک گاڑی چالیس میل کی رفتار سے روانہ ہو تو وہ دو پچاس دن کے بعد چاند میں جا پہنچے گی یا یوں سمجھئے کہ اگر ایک دھاگہ اتنا لمبا تیار کریں کہ اس کے خطِ استوا کے اردگرد دس بل دیئے جاسکیں اور اس دھاگے کو چاند کی طرف پھینک دیں تو اس کا ایک سرا زمین پر ہوگا اور دوسرا چاند تک جا پہنچے گا۔ اگر ہم ایسی توپ بنائیں جس کے چھوٹنے کی آواز لاکھوں میل تک سنائی دے تو یہ آواز چاند میں چودہ دن کے بعد سنائی دے گی۔ آواز ایک منٹ میں بارہ میل سفر کرتی ہے۔

چاند کی اندرونی دنیا کا ہمیں پورا پورا علم حاصل نہیں۔ گو چاند ۲,۴۰,۰۰۰ میل دور ہے

اور دوربین کی مدد سے کھینچ کر ۲۴۰ میل کی مسافت پر آجاتا ہے لیکن جو آنکھ کہ ایک میل پر بھی کسی چیز کو صاف طور پر نہیں دیکھ سکتی، وہ ۲۴۰ پر کیا خاک دیکھ سکے گی۔ اتنا ضرور معلوم ہوا ہے کہ چاند میں پہاڑ ہیں، جو قدیم زمانے میں آتش فشاں تھے اور جن کا لاوا سرد ہو کر منجمد ہو چکا ہے اگر سینڈوچ (SAND WICH) جزیرے کے آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا آج منجمد ہو جائے تو یقیناً قمری پہاڑوں کی طرح نظر آنے لگے۔

زمین اندر سے گرم ہے۔ اگر لوہے کے دو گولوں (ایک بڑا دوسرا چھوٹا) کو گرم کر کے کچھ دیر کے لیے رکھ دیں تو چھوٹا گولہ جلدی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ چاند زمین کا بچہ ہے اور اس وقت زمین سے نکلا تھا جب یہ پگھلے ہوئے لوہے کی طرح ابل رہی تھی۔ چھوٹائی کی وجہ سے چاند بالکل ٹھنڈا ہو چکا ہے اور زمین اندر سے بدستور گرم ہے۔ اگر ہم ابلتے ہوئے پانی کو چولھے سے اتار لیں تو آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو جائے گا، جب یہ پانی زیادہ گرم تھا۔ اس سے پہلے بہت زیادہ گرم اور کچھ عرصہ پیشتر کھول رہا تھا۔ بس یہی حال زمین کا ہے کہ وہ کسی وقت کھول رہی تھی، اب اس کا بیرونی قشر ٹھنڈا ہو گیا ہے اور ایک ایسا وقت آئے گا کہ چاند کی طرح اس کا باطن بھی سرد ہو جائے گا۔

چاند کے اندر ہوا موجود نہیں، اس لیے رہائش کے قابل نہیں اور نہ کہیں پانی ملتا ہے۔ یہ ایک خشک بیابان ہے چونکہ چاند کا حجم زمین سے ۱/۲ ۱۳ گنا کم ہے، اس لیے اس کی کشش بھی بہت کم ہے۔ اشیاء کا وزن دراصل کشش زمین کی وجہ سے ہوتا ہے پتھر اس لیے وزنی ہوتا ہے کہ زمین اسے کھینچتی ہے جب ہم کوئی پتھر زمین سے اٹھاتے ہیں تو زمین اسے ہمارے ہاتھوں سے چھیننے کی کوشش کرتی ہے اور وزن کا احساس ہوتا ہے۔ علمائے نجوم نے ثابت کیا ہے کہ چاند میں کششِ ثقل زمین سے چھ گنا کم ہے، اس لیے جو آدمی زمین پر غلہ کی ایک بوری اٹھا سکتا ہے وہ چاند میں چھ بوریاں اٹھائے گا۔ وہاں کرکٹ کی گیند بلے کی چوٹ سے چھ گنا دور جائے گی اور فٹ بال چھ گنا اونچا۔ چاند کی دنیا میں جیبی گھڑی کا احساس تک نہ ہوگا لیکن اگر ہم اس گھڑی کو ساتھ لے کر کسی ایسے ستارے پر چلے جائیں جو زمین سے ایک لاکھ گنا بڑا ہو تو ایک چھٹانک گھڑی ۱۵۰ من وزنی ہو جائے گی اور ہم اس کے بوجھ سے پس جائیں گے۔

اللہ کی رحمت دیکھئے کہ ہماری زمین نہ تو اتنی وزنی ہے کہ پاؤں تک اٹھانا دشوار ہو جائے اور پانی کا گھڑا چالیس من بھاری معلوم ہو اور نہ اتنی ہلکی ہے کہ معمولی آندھی سے مکانات اڑ جائیں، درخت اکھڑ جائیں۔ ہمارے بچے تنکوں کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں، ہوا کا معمولی سا جھونکا سبزی فروش کے ٹوکرے کو اٹھا کر نالی میں پھینک دے۔ کھیل کے میدان میں ایک ضرب سے کرکٹ کی گیند میلوں نکل جائے اور اس طرح یہ زمین ایک مصیبت بن جائے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ (قمر. ۴۹) ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے۔

علماء نے ثابت کیا ہے کہ تیز رفتار سے کششِ ثقل میں فرق آجاتا ہے، اس لیے اگر زمین کی رفتار زیادہ ہو جائے تو تمام اشیاء کا وزن گھٹ جائے اور اگر زمین اپنی موجودہ رفتار سے ستر گنا تیز حرکت کرنے لگے تو کسی چیز میں وزن باقی نہ رہے اگر فضا میں ہوا کی جگہ سیماب بھر دیا جائے، جو ہوا سے چودہ سو ساٹھ گنا وزنی ہے تو ہم پس جائیں۔ زمین و آسمان کے یہی وہ اسباق ہیں جن کے مطالعہ کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (جاثیۃ. ۳) ارض و سماء میں اہل ایمان کے لیے اسباق موجود ہیں۔

ستارے:

۱۔ زہرہ: یہ ستارہ ہماری زمین جتنا بڑا ہے، سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اس کی شکل چاند جیسی ہے اور چاند ہی کی طرح گھٹتا بڑھتا ہے اور یہ سورج کے گرد ایک چکر ۲۲۵ یوم میں پورا کرتا ہے۔

۲۔ عطارد: عطارد سورج سے ۳,۷۰,۰۰,۰۰۰ میل دور ہے لیکن ہمیں سورج کے پاس نظر آتا ہے، اور روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے۔

۳۔ مریخ: مریخ کی حرکات کچھ عجیب سی ہیں۔ جاتے جاتے رک جاتا ہے واپس آجاتا ہے اور پھر اپنا سفر شروع کر دیتا ہے۔ اس کا ایک چکر ۶۸۶ ایام میں ختم ہوتا ہے اور اپنے گرد ۲۴ ساعت ۳۷ دقیقہ اور ۲۲.۷ ثانیہ میں گھومتا ہے اس کی سطح پر پانی نظر آتا ہے

اس کے شمالی وجنوبی حصوں میں بڑے بڑے سفید دھبے نظر آتے ہیں جو گرمیوں میں گھٹ جاتے ہیں اور سردیوں میں بڑھ جاتے ہیں۔ علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ دھبے نہیں بلکہ برف ہے جو سردیوں میں بڑھتی اور گرمیوں میں گھٹ جاتی ہے۔

۴۔ مشتری، نیپٹون، زحل، یورانس: یہ ستارے ہماری زمین سے بہت بڑے ہیں۔ مشتری زمین سے ۱۳۰۰ گناہ بڑا ہے جو اپنے گرد ۹ ساعت ۵۵ دقیقہ اور ۲۱ ثانیہ میں گھومتا ہے اور سورج کے گرد ایک چکر بارہ سال میں پورا کرتا ہے اس میں گاہے گاہے بادل بھی نظر آتے ہیں۔

سورج سے فاصلہ:

چند اہم ستاروں کا بُعد سورج سے:

نام	بُعد	نام	بُعد
۱۔ عطارد	۳۶۰,۰۰,۰۰۰ میل	۶۔ زہرہ	۶۷۰,۰۰۰,۰۰۰ میل
۲۔ زمین	۹۳۰۰۰,۰۰۰ میل	۷۔ مریخ	۱۴۱,۰۰۰,۰۰۰ میل
۳۔ مشتری	۴۸۲,۰۰۰,۰۰۰ میل	۸۔	۲۵۲,۰۰۰,۰۰۰ میل
۴۔ زحل	۸۸۴,۰۰۰,۰۰۰ میل	۹۔ یورانس	۱۷,۸۰۰,۰۰۰,۰۰ میل
۵۔ نیپٹون	۲۷۸۰۰,۰۰۰,۰۰ میل		

حجم کواکب:

۱۔ زمین کا محیط چار کروڑ میٹر اور نصف قطر ۶۳۷۸۴۰۰ میٹر۔ زمین کی سطح اکاون کروڑ میٹر ہے اور زمین کی سطح پر خشکی صرف بارہ کروڑ ساٹھ لاکھ میٹر (میٹر کی لمبائی تقریباً ۳۹ انچ ہوتی ہے)

۲۔ مریخ کا حجم زمین سے چھ گنا کم ہے۔ اس کا ایک سال ہمارے ۶۸۷ دنوں کا ہوتا ہے۔

۳۔ مشتری زمین سے ۱۳۰۰ گنا بڑا ہے، اس کا ایک سال ہمارے بارہ سالوں کے برابر ہوتا ہے۔ اس کا قطر ایک کھرب چالیس ب میٹر ہے۔

۴۔ زحل زمین سے ۷۱۸ گنا بڑا ہے، اس کا قطر نوارب تیس کروڑ میٹر ہے۔

۵۔ یورانس کو ہرشل نے ۱۷۸۱ء میں دریافت کیا تھا، یہ زمین سے انتیس گنا بڑا ہے اور سورج سے دوارب میل دور ہے اور ایک چکر چوبیس سال میں ختم کرتا ہے۔

۶۔ نیپٹون کا حجم زمین سے پچپن حصہ زیادہ ہے اور ایک چکر ۱۶۵ سال میں کاٹتا ہے۔

۷۔ چاند کی سطح زمین سے چودہ گنا اور حجم ۱/۵۰ گنا کم ہے۔ اس میں چالیس پہاڑ ہیں جن میں بعض کی بلندی ۴۸۰۰ میٹر سے زیادہ ہے۔

۸۔ آفتاب زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے اور روشنی کا یہ عالم ہے کہ آٹھ لاکھ کامل چاند (بدر) مل کر دوپہر جتنی روشنی پیدا کر سکتے ہیں پھر ہمارے آفتاب کی روشنی ایک اور آفتاب سے جو ہم سے ایک سو پچاس کھرب میل دور ہے، آٹھ لاکھ گنا کم ہے۔

اللہ کی پر ہیبت و باعظمت دنیا پر غور کرو، شموس و اقمار کی بہتات کا کیا عالم ہے، پھر کس حیرت انگیز نظام سے اپنے مداروں پر گھوم رہے ہیں کہ کہیں کوئی تصادم نہیں، ٹکراؤ نہیں، کھلبلی نہیں اور بدنظمی نہیں۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ٥ (یٰس. ۴۰)

نہ تو سورج چاند کی رفتار میں رکاوٹ پیدا کر سکتا ہے اور نہ لیل و نہار کے سلسلے میں کہیں بدنظمی موجود ہے۔ یہ تمام شموس و اقمار نہایت باقاعدگی سے فضا میں تیر رہے ہیں۔

وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. (حج. ۶۵)

اللہ نے آسمان کو یوں تھام رکھا ہے کہ وہ زمین پر بلا حکم نہیں گر سکتا۔

دنیا میں ریلوے کا انتظام دیکھیے، کنٹرولر موجود ہیں، کانٹا بدلنے والے، پٹری کے نگہبان اور سگنل دینے والے وغیرہ وغیرہ بیسوں آدمی مختلف فرائض پر متعین ہیں لیکن آئے دن

گاڑیوں میں تصادم ہوتا رہتا ہے، جانیں ہلاک ہوتی ہیں اور ہفتوں تک آمد و رفت بند رہتی ہے۔ دوسری طرف کروڑوں عظیم الشان کرے فضا میں بجلی کی رفتار سے گھوم رہے ہیں، کوئی سگنل دینے والا نہیں، کوئی کانٹا بدلنے والا نہیں، لائن کلیر کا سلسلہ نہیں لیکن پھر بھی یہ نظام نہایت شان و شوکت صحت و اعتدال اور عظمت و رفعت سے چل رہا ہے کیوں؟ اس لیے کہ ایک آنکھ ہے جو دیکھ رہی ہے اور جو کبھی غلطی نہیں کرتی۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَ تَسْبِيحَهُ. کائنات کی ہر چیز صلوٰۃ و تسبیح (نظم و فریضہ) سے (نور. ۴۱) آگاہ ہے۔

نکتہ یوم و ماہ

ڈاکٹر شابلی کا خیال ہے کہ فضا میں ایک مرکوز نور ہے جس کے گرد تمام شموس چکر کاٹ رہے ہیں اور ان کا ایک چکر تیس کروڑ سال میں ختم ہوتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر ہمارے تیس کروڑ سال ان شموس کے ایک سال کے برابر ہوتے ہیں اور ان کا ایک دن ہمارے تیس کروڑ دنوں، یعنی آٹھ لاکھ بائیس ہزار سال کے برابر۔ نظام شمسی کی شکل یہ ہے۔
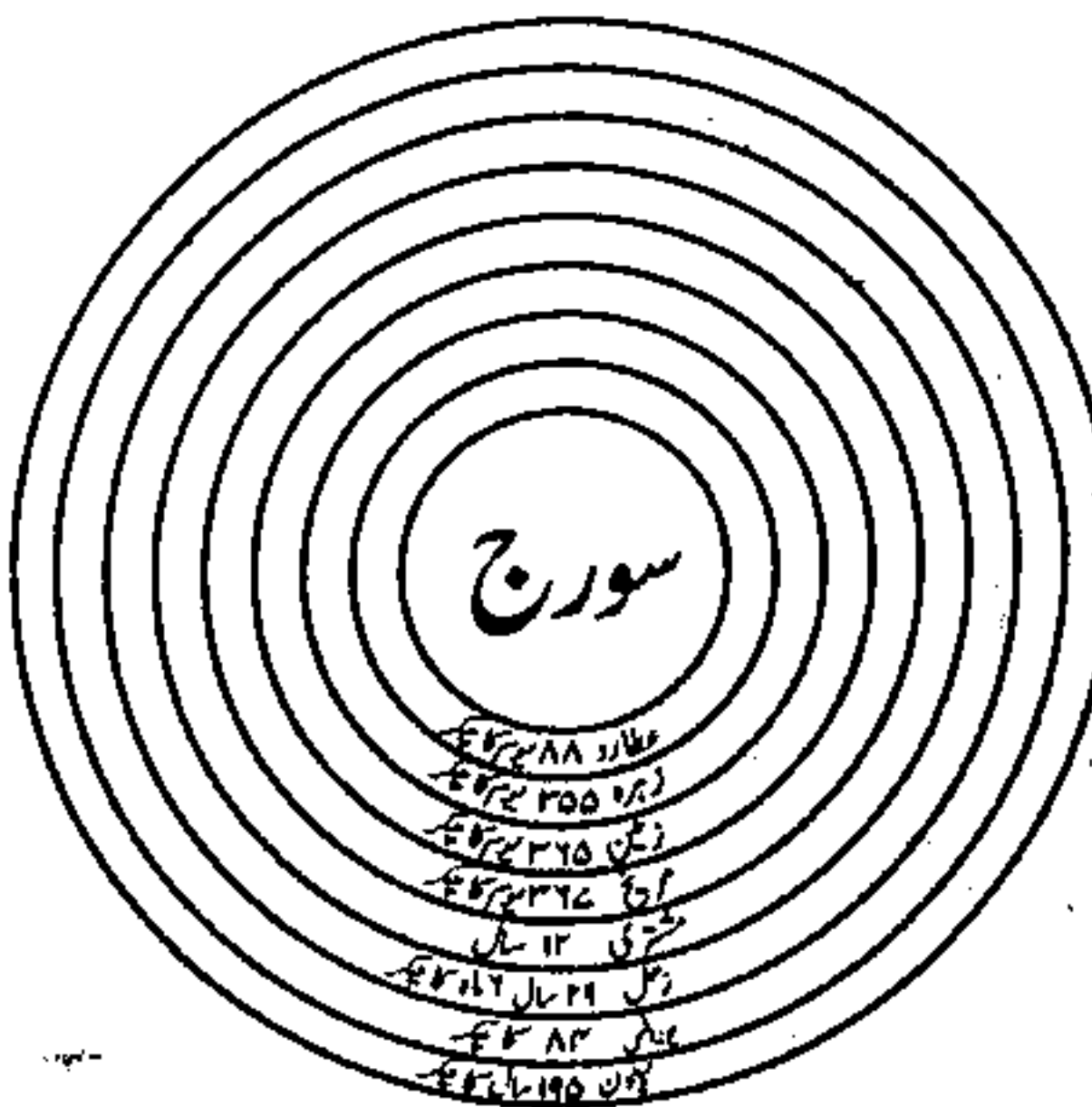
چونکہ آسمان میں نظام ہائے شمسی کی کوئی انتہا نہیں اور ہر سورج کی حرکت اپنے مرکز کے گرد دوسرے سے مختلف ہے، اس لیے ہر نظام کے لحاظ سے یوم و ماہ کی مدت بھی مختلف ہے۔ ہمارے ہاں ایک دن رات زمین کی محوری گردش (۲۴ ساعت) کا نام ہے اور سال زمین کی آفتابی گردش (۳۶۵ دن) کا نام لیکن دوسرے نظاموں کے سال و ماہ ہم سے مختلف ہیں۔ عطارد کا سال صرف ۸۸ دن کا ہوتا ہے، زہرہ کا سال ۲۲۵ یوم کا، لیکن مشتری کا سال ہمارے ۱۲ سال، زحل

کا ہمارے ۲/۱ ۲۹ سال اور نیپچون کا سال ہمارے ۱۶۵ سال کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح کہیں کوئی ستارہ ہزار سال میں اور کہیں پچاس ہزار سال میں اپنے مرکز کے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ اس لیے اللہ کا یہ اشارہ بالکل درست ہے۔

اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ. اللہ کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہے۔ (حج. ۴۷)

دوسرے مقام پر ہے:

فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ. ایسا دن جو تمہارے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ (معارج. ۴)

حرکتِ کواکب:

اگر ہم ایسی بلندی پر پہنچ جائیں، جہاں ہوا کی مقاومت اور کششِ زمین نہ ہو اور وہاں ایک پتھر زور سے پھینکیں تو وہ پتھر خطِ مستقیم میں ابدالاباد تک چلتا جائے گا، اس لیے کہ اس کی حرکت کی راہ میں کششِ زمین اور مقاومت ہوا حائل نہیں۔ یہی حال ستاروں کا ہے کہ آج سے ارب کھرب سال پہلے دنیائے کہکشاں سے چند شعلے ٹوٹے جو اب تک ہوا میں محو پرواز ہیں۔ مختلف آفتابوں نے انہیں کھینچ کر ان کی حرکات کو دوری بنا دیا۔ اگر آفتاب یہ خدمت انجام نہ دیتے تو یہ سیارے بھاگ کر خدا جانے کہاں سے کہاں نکل جاتے، راہ میں کتنی دنیاؤں سے ٹکراتے اور کس قدر تباہی پیدا کرتے جس طرح کولہو کے بیل کو ایک خاص رسی ایک خاص دائرے میں پھراتی ہے۔ اسی طرح سورج کی کشش نے مشتری و عطارد کیوان و زمین کی گزرگاہیں متعین کر رکھی ہیں، جہاں سے یہ سر مو انحراف نہیں کر سکتے۔

لطیفہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے پوچھا کہ تو سوتا کس وقت ہے؟ اللہ نے کہا کہ یہ دو بوتلیں ہاتھ میں تھام رکھ۔ اس کے بعد ٹھنڈی ہوا چلائی حضرت موسیٰ کو اونگھ آ گئی۔ ہاتھ ڈھیلے پڑ

گئے اور معابو تلیں گر کر چور ہو گئیں۔

سبحان اللہ! کیا بہترین رنگ میں حضرت موسیٰ کو یہ نکتہ سمجھایا کہ اگر اللہ ایک لمحہ کے لیے بھی سو جائے تو زمین و آسمان کی کروڑوں دنیائیں ایک دوسرے پر گر کر پاش پاش ہو جائیں۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ط لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ط لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ.... وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ o (بقرۃ. ۲۵۵)

اس کائنات میں صرف ایک ہی خدا ہے جو قائم و دوائم ہے جسے نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ آتی ہے اس لیے کہ زمین و آسمان کا انتظام اس کے سپرد ہے۔ وہ بلند و برتر رب ارض و سماء کی حفاظت سے ہرگز نہیں تھکتا۔

نکتہ:

یورپ اور ایشیا ہر دور میں یہ خیال رائج تھا اور ہے کہ ہفتہ کے ہر دن پر ایک خاص سیارے کا اثر اور حکومت ہوتی ہے۔ اسی خیال سے ان لوگوں نے بعض دنوں کو مسعود اور بعض کو منحوس قرار دیا اور ان دنوں کے نام بھی ستاروں کے نام پر رکھے، مثلاً:

۱۔ SUNDAY (اتوار) SUN یعنی آفتاب کی طرف منسوب ہے۔

۲۔ MONDAY (سوموار) MOON یعنی چاند کی طرف منسوب ہے۔

۳۔ فرانسیسی میں منگل وار کو MORSDAY (مریخ کا دن۔ مریخ MARS کہتے ہیں۔ اصلی لفظ فرانسیسی زبان میں) MARDI ہے۔

۴۔ اسی طرح فرانسیسی زبان میں بدھ وار کو MERCREDI DAY یعنی MERCURY DAY عطارد کا دن کہتے ہیں۔

۵۔ THURS کے معنی ایک مغربی لغت میں مشتری اور FRI کے معنی زہرہ دیئے ہوئے ہیں تو THURSDAY کے معنی مشتری کا دن اور FRIDAY کے معنی زہرہ کا دن ہوں گے۔

۶۔ زحل کو انگریزی میں SATURN کہتے ہیں تو SATURDAY (سنیچر) کے

معنی یوم زحل ہوں گے۔

اسلام ان توہمات سے آزاد تھا، اس لیے ان ایام کو کواکب کی طرف منسوب کرنے کی بجائے یوم الاحد (پہلا دن دوسرا دن) وغیرہ کہا، تاکہ مسلم ستاروں سے نہ ڈرتا پھرے۔

ثوابت:

ثوابت دراصل مہیب آفتاب ہیں، جو ہم سے بہت دور ہیں اور یہ دوری بھی کئی طرح سے الٰہی رحمت ہے۔

اول: اگر یہ نزدیک ہوتے تو ہم مختلف شموس کی حرارت سے جل جاتے۔

دوم: یہ بڑے بڑے آفتاب ہماری زمین اور نظام شمسی کو کھینچ کر درہم برہم کر دیتے۔

یہ ثوابت اس قدر دور ہیں کہ اگر ہم ان میں سے کسی ایک پر کھڑے ہوکر نیچے دیکھیں تو سورج ایک چھوٹا سا روشن ذرہ نظر آئے گا۔ اور زمین کے دکھائی دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں اپنی آنکھ سے ۶۰۰۰ ستارے نظر آتے ہیں، دوربین سے ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ کیمرے کی پلیٹ (لوح تصویر) بے حد حساس چیز ہے جو ایسے ستاروں کی تصویر بھی لے سکتی ہے جو کسی دوربین سے نظر نہیں آسکتے۔ مسٹر اسحاق رابرٹ (لورپول) نے ایک دفعہ آسمان کے ۱۰۰۰۰/ا حصے کی تصویر لی تو سولہ ہزار ستارے لوحِ تصویر میں اترے۔ اس حساب سے کل ستاروں کی تعداد سولہ کروڑ ہونا چاہیے لیکن اللہ کے سوا اس تعداد کا علم کسے ہوسکتا ہے۔

علوم طبیعی کے چند سر پھرے لونڈے کبھی کبھی یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ اجی! یہ قیامت ویامت مولویوں کے فرضی قصے ہیں۔ انسانی حیات کی منزل موت ہے آگے کچھ بھی نہیں۔ مر کر کب کوئی جیا، بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ جان ڈالنا کوئی کھیل نہیں۔ ان جاہلوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس فضائے آسمانی میں ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑی دنیائیں گھوم رہی ہیں۔ کروڑوں شموس واقمار موجود ہیں، لاتعداد زمینیں سرگرم پرواز ہیں اور ہر طرف ایک مبہوت کن سلسلہ موجود ہے تو جس اللہ نے یہ عظیم الشان دنیائیں بنائیں، جہاں نور وظلمت کا پرشکوہ نظام قائم ہے، کیا اس اللہ کے لیے چند ہڈیوں میں جان ڈالنا مشکل ہے؟ کیا آپ کو الٰہی صناعی وتخلیق پر اتنا

بھی اعتماد نہیں؟

أَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ط بَنَاهَا ٥ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ٥ وَ أَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ أَخْرَجَ ضُحٰهَا ٥	کیا تمہاری ساخت مشکل ہے یا آسمانوں کی تخلیق؟ اللہ نے کس شان سے فضاؤں میں کئی لاکھ دنیائیں بنا کر ان میں توازن واعتدال پیدا

(النازعات. ۲۷) کیا اور نور وظلمت کا سلسلہ جاری کیا۔

مطلب یہ کہ جو اللہ ظلمت سے نور نکال سکتا ہے، وہ موت کی تاریکیوں سے آفتاب حیات بھی طالع کر سکتا ہے۔ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥

دُمدار ستارے:

یہ ستارے کافی تعداد میں آسمان پر موجود ہیں، ان کی حرکات کا کچھ علم نہیں۔ بسا اوقات یہ سورج سے دور ہٹ جاتے ہیں اور پھر قریب آ کر گھومنے لگ جاتے ہیں۔ ان کی رفتار سورج کے پاس دو سو میل فی ثانیہ تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ستارے کسی شفاف مادے سے بنے ہوئے ہیں، اس لیے کہ نظر ان سے گزر کر ان ستاروں کو بھی دیکھ لیتی ہے جو ان کی آڑ میں ہوں۔ ان کی دم دراصل ان ستاروں کے ماہ تکوین کے بخارات ہیں جو تپش آفتاب سے نکلتے ہیں۔ جوں ہی یہ سورج سے دور ہٹ جاتے ہیں تو دم غائب ہو جاتی ہے۔

شہاب:

یہ ستارے بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ جو صرف مرتے وقت نظر آتے ہیں ان کی رفتار تقریباً بارہ ہزار میل فی دقیقہ ہوتی ہے، یعنی بندوق کی گولی سے سو گنا زیادہ اور زمین کے ارد گرد صرف اڑھائی گھنٹے میں چکر کاٹ سکتے ہیں۔

یہ چھوٹا سا ستارہ بے نور ہوتا ہے۔ اس میں سورج سے روشنی حاصل کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ جب یہ چلتے چلتے کہیں زمین کے قریب آ جاتا ہے تو زمین اسے کھینچتی ہے۔ نتیجتاً یہ کرہ ہوا میں سے نہایت تیزی کے ساتھ گزرتا ہے اور خاکی ذرات سے رگڑ کھا کر پہلے گرم اور پھر مشتعل

ہو جاتا ہے۔ اسے آگ لگ جاتی ہے اور گیسی صورت میں تبدیل ہو کر ہوا میں پریشان ہو جاتا ہے۔ یہ ہے حقیقت شہاب کی۔

بندوق کی گولی نکل کر سامنے کسی دیوار سے ٹکراتی ہے اگر آپ اس گولی کو ہاتھ لگائیں گے تو گرم پائیں گے۔ یہ گرمی خاکی ذرات کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔ شہاب کی رفتار چونکہ گولی سے سو گنا زیادہ ہے، اس لیے ہم حساب کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کا درجہ حرارت دس ہزار سنٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے جو اسے پگھلانے کے لیے کافی ہے۔

اگر شہاب کی رفتار کم ہوتی تو وہ پگھل نہ سکتا۔ نتیجتاً ہم پر دن رات پتھر برستے رہتے اس لیے کہ سینکڑوں شہاب روزانہ ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اللہ کا کمال عنایت دیکھئے کہ ہمیں اس مصیبت سے محفوظ رکھا ورنہ اگر وہ چاہتا تو شہابوں کی رفتار کو کم کر کے ہم پر اس قدر پتھر برساتا کہ ہم تباہ ہو جاتے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ط فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرِ o (الملک ۱۷)

تم اپنے آپ کو محفوظ سمجھے بیٹھے ہو لیکن اگر اللہ آسمانی بلندیوں سے تم پر پتھر برسانا شروع کر دے تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے۔

ہمیں سمندر کی گہرائیوں اور ایسی سرزمینوں سے جہاں انسانی قدم آج تک نہیں پہنچے۔ فولاد کے کچھ ٹکڑے دستیاب ہوئے ہیں جن کا معائنہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ ٹکڑے شہاب ثاقب سے گرے تھے۔

ہوا میں ذرات کا موجود ہونا ضروری ہے اول اس لیے کہ آفتاب کی حرارت کو صرف ذرات ہی قبول کر سکتے ہیں اور ہوا غیر موصل ہے۔ ظاہر ہے کہ حرارتِ آفتاب کے بغیر کوئی چیز نشوونما نہیں پا سکتی۔ دوم اس لیے کہ بارش کی تکوین ان ذرات کی بدولت ہوتی ہے بارش کے قطرے بن ہی نہ سکتے، اگر ان ذرات کا سہارا نہ ہوتا۔ چونکہ ان کی کثیر تعداد قطرات باراں کے ساتھ مل کر زمین پر آ جاتی ہے اور فضا میں کمی ہو جاتی ہے، اس لیے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے

شہاب توڑے جاتے ہیں۔ اللہ اکبر! ربوبیت کی کیا شان ہے۔ تخلیق کا کیا نظام ہے اور الٰہی رحمت کس کس رنگ میں ہماری پرورش کر رہی ہے۔

چند سال ہوئے کہ ایک ہواباز نے اپنا تجربہ یوں بیان کیا (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۸ جنوری ۱۹۳۹ء) کہ اس کا طیارہ کافی بلندی پر جارہا تھا کہ اچانک پتھر برسنا شروع ہو گئے اور وہ واپس بھاگا۔

جب زمین سورج سے پیدا ہوئی تھی تو قدرے چھوٹی تھی، ان شہابوں کی بدولت جو کروڑہا صدیوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ہماری زمین میں اضافہ کر رہے ہیں قدرے بڑی ہو گئی۔ آپ کہیں گے کہ ایک چھوٹا سا شہاب زمین میں کیا اضافہ کر سکتا ہے؟ تو گزارش ہے کہ قطرے مل کر سمندر بنتے ہیں اور شہابوں کی تعداد تو اس قدر زیادہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو علم نہیں۔

۲۱ ستمبر ۱۸۷۶ء کو ایک شہاب ہزار میل تک دوڑتا گیا اور شگاگو اور سینٹ لوئی کے درمیان جا کر پھٹا، جس سے چھوٹے چھوٹے ستارے نکل کر کچھ فاصلے پر غائب ہو گئے، نیز اس میں سے ایک زبردست آواز پیدا ہوئی جو پندرہ منٹ کے بعد زمین پر پہنچی۔ آواز ایک منٹ میں تقریباً بارہ میل سفر کرتی ہے تو گویا یہ شہاب زمین سے ایک سو اسی میل دور تھا۔

سر رابرٹ ایس بال ال ال ڈی کہتا ہے کہ ۱۳ نومبر ۱۸۶۶ء کی رات کو دو ستارے ٹوٹے جو پھٹ کر پہلے چار پھر آٹھ پھر سولہ اور پھر سینکڑوں کی تعداد تک پہنچ گئے۔ فضا روشنی سے جگمگا اٹھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پر آتش بازی ہو رہی ہے یہ تماشا تین گھنٹے تک جاری رہا۔ یہ منظر ہر ۳۳ سال کے بعد آسمان پر نظر آیا کرتا ہے۔ ۱۳ نومبر ۱۹۰۲ء کو اس قدر شہاب باری ہوئی تھی کہ لوگ ڈر گئے تھے۔ ۱۱ نومبر ۱۹۳۲ء کو یہ تماشا مسٹر کرک وڈ (KIRKWOOD) نے افریقہ میں دیکھا تھا مسٹر وڈ کہتے ہیں کہ آدھی رات کے وقت حبشیوں نے شور مچایا "بچائیو، مارے گئے، دنیا کو آگ لگ گئی"۔ میں تلوار لے کر باہر آیا تو دیکھا کہ شہابوں کی وجہ سے گویا آسمان پر آگ سی لگی ہوئی ہے۔ یہ تماشا ہر ۳۳ سال کے بعد ۱۲، ۱۳ نومبر کی درمیانی رات کو ہوا کرتا ہے۔ ۱۸۶۶ء، ۱۸۹۹ء اور ۱۹۳۲ء کو یہ منظر دیکھا گیا ہے۔ اب بشرطِ زندگی ۱۹۶۵ء میں پھر دیکھیں گے۔

اس شہاب باری کی وجہ سے یہ ہے کہ شہاب فضا میں سورج کے گرد یوں گھومتے ہیں کہ ہر ۳۳ سال کے بعد ۱۳ نومبر کی رات کو زمین شہابوں کی راہ (راہ گردش) کو کاٹتی ہے تو جس قدر شہاب قریب ہوتے ہیں، وہ کشش ارض سے زمین کی طرف دوڑتے ہیں اور مشتعل ہو کر روشنی پیدا کرتے ہیں۔ یوں تو زمین ہر سال اسی راہ سے گزرتی ہے لیکن شہاب صرف ۳۳ سال کے بعد یہاں موجود ہوتے ہیں ہاں اگر کوئی اکادکا شہاب۔ ہر سال پاس موجود ہو تو وہ بھڑک اٹھتا ہے۔ زمین شہابوں کی گزرگاہوں سے سال میں دو دفعہ گزرتی ہے۔
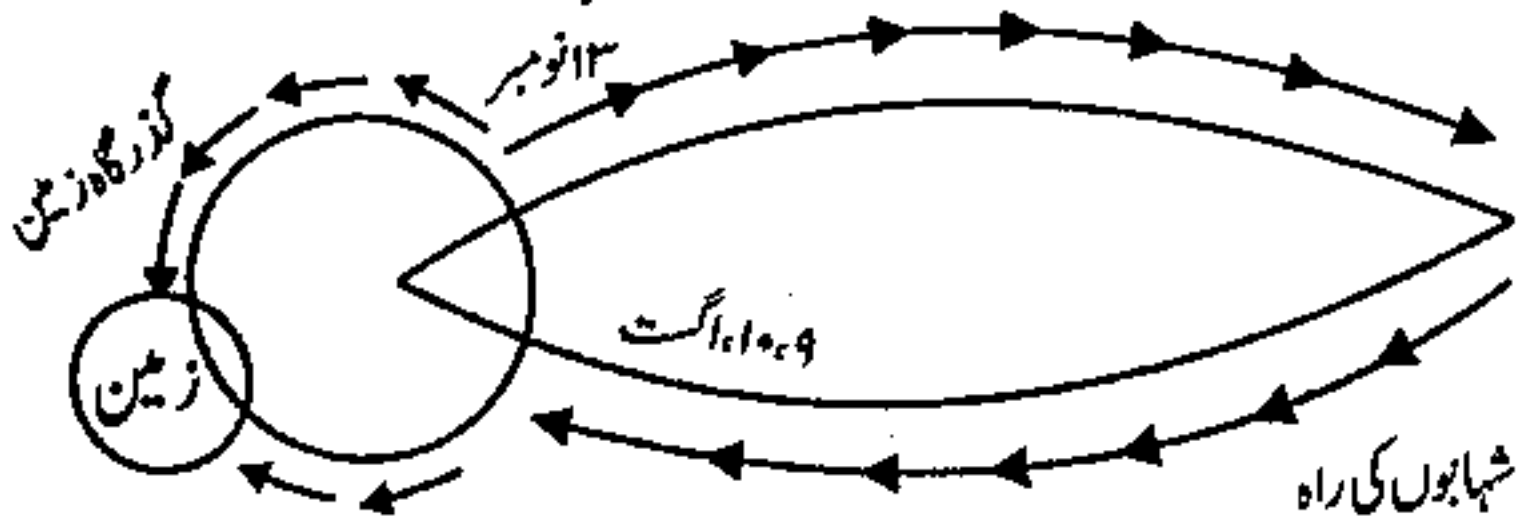
بعض اوقات ۹، ۱۰ اگست کی رات کو بھی شہاب باری ہوتی ہے۔

شہاب کی پیدائش:

جنگ عظیم کے معاً بعد امریکہ کے ایک موجد نے اتنی زبردست توپ بنائی کہ جب اس کا گولہ پھینکا گیا تو وہ حدودِ زمین سے باہر نکل گیا اور کششِ زمین سے آزاد ہو کر فضا میں گھومنے لگا، اسی طرح کسی وقت آتش فشاں پہاڑوں نے اپنا لاوا اس قوت سے نکالا تھا کہ کافی مقدار کششِ زمین سے آزاد ہو کر فضا میں گھومنے لگ گئی۔ اب زمین کو جس وقت موقع ملتا ہے وہ مفرور بچوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

بُعدِ نجوم:

زمین سے ستاروں کا فاصلہ ناپنے کے لیے ہمارے سال و ماہ کے پیمانے ناکافی ہیں، اس لیے علمائے ہیئت نے سال نوری کی اصطلاح وضع کی ہے۔ ایک آدمی ایک سیکنڈ میں صرف ایک قدم یا اس سے کم مسافت طے کرتا ہے اور روشنی ایک سیکنڈ میں ۱,۸۶,۰۰۰ میل مسافت طے کرتی ہے۔ اگر ایک آدمی روزانہ بیس میل سفر کرے تو اسے ۱,۸۶,۰۰۰ میل طے کرنے کے لیے

۹۳۰۰ ایام کی ضرورت ہوگی۔ بہ دیگر الفاظ روشنی کا ایک ثانیہ ہمارے ۵۲ سال کے برابر ہے۔

قریب ترین ستارے کا فاصلہ:

سورج ہم سے ۹۳,۰۰,۰۰۰ میل دور ہے جہاں سے روشنی تقریباً آٹھ منٹ میں زمین پر پہنچتی ہے اور قریب ترین ستارہ دو ہزار کھرب میل دور ہے۔ اس بعد کا اندازہ یوں لگایئے کہ لنکا شائر میں روزانہ سوت کا دھاگہ اس قدر تیار ہوتا ہے کہ جس سے زمین کے ارد گرد سات چکر دیئے جا سکیں۔ اگر ہم اس قدر دھاگا تیار کرنا چاہیں کہ وہ قریب ترین ستارے تک پہنچ سکے تو چار سو سال خرچ ہوں گے، اگر ہم ایک کلاک کو ان ہندسوں کے گننے پر لگا دیں تو تین لاکھ سال صرف ہوں گے۔

شہاب کی رفتار گولی سے سو گنا زیادہ ہے اور روشنی کی رفتار شہاب سے دس ہزار گنا تیز ہے۔ یہ روشنی قریب ترین ستارے سے تین سال کے بعد ہم تک پہنچتی ہے چونکہ دیکھنا صرف روشنی سے ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس ستارے کی جو حالت ہم آج دیکھ رہے ہیں وہ تین سال پہلے کی ہے۔ بہ الفاظ دیگر اگر ہم اڑ کر اس ستارے پر جا بیٹھیں تو ہمیں زمین کے صرف وہ واقعات نظر آئیں گے جو یہاں تین سال پہلے ہو چکے تھے۔ اگر یہ ستارہ آج مٹ جائے تو تین سال تک ہمیں نظر آتا رہے گا۔

ویگا (VEGA) ستارے سے جو روشنی آج ہم تک پہنچ رہی ہے وہ سو سال پہلے کی ہے۔ اگر ہم اس ستارے میں چلے جائیں تو ہم کو زمین پر موجودہ نسل کا کوئی آدمی نظر نہیں آئے گا۔ بلکہ گزشتہ نسل کے انسان نظر آئیں گے۔ بعض ستارے اس سے بھی دور ہیں۔ کہکشاں کا قریب ترین ستارہ دس لاکھ سال نوری اور بعید ترین ستارہ پندرہ کروڑ سال نوری کی مسافت پر واقع ہے۔ اگر ہم اس ستارے پر جا پہنچیں تو ہمیں تخلیق آدم کے پہلے کے واقعات نظر آئیں گے۔

فرض کرو کہ ہم نے یہاں سے قریب ترین ستارے تک ایک ریلوے لائن بنائی اور ہر سو میل کا کرایہ ایک آنہ مقرر کیا اب تم ریلوے سٹیشن سے ٹکٹ لینا چاہتے ہو۔ آنوں کو روپوں اور روپوں کو پونڈوں میں بدل لو۔ پونڈ صندوق میں ڈالو اور اٹھا کر اسٹیشن کی طرف چلو۔ صندوق

بھاری ہیں اٹھائے نہیں جاتے تو قلی منگالو۔ایک قلی سے کام نہیں چلتا تو دس بیس منگالو۔معلوم ہوا کہ صندوق اب بھی نہیں اٹھتے۔گاڑی لے لو،ارے یہ تو گاڑی میں بھی نہیں سما سکتے،ٹھہرو حساب کر لیں،حساب کے بعد معلوم ہوا کہ ۵۰۰۷ بیل گاڑیاں درکار ہوں گی۔بعض ایسے ستارے بھی ہیں جن کی روشنی ابتدائے عالم سے اب تک ہمارے ہاں نہیں پہنچی۔بعض پیدا ہو کر مٹ گئے لیکن روشنی کا بدستور انتظار ہے۔

شعرائے کی روشنی نو سال نوری میں،نسر الطائر کی چودہ سال میں،نسر الواقع کی چالیس سال ہیں،عیوق کی بتیس سال میں اور سماک رامح کی پچاس سال نوری میں زمین تک پہنچتی ہے۔

ستاروں کے رنگ:

بعض ستارے سفید،بعض سنہرے،بعض سبز،بعض نیلے اور بعض سرخ ہیں اور تقریباً اسی مادے سے تیار ہوئے جس سے ہماری زمین بنی تھی۔بعض ستارے سورج سے ۱۶ لاکھ گنا زیادہ روشن ہیں اور ان کا قطر چالیس کروڑ میل ہے۔

ینبو لا یا سدیم:

آسمان میں روشنی کے چند گول ٹکڑے بادلوں کی طرح مدھم سے دکھائی دیتے ہیں۔ان کی شکل اس طرح ہے:
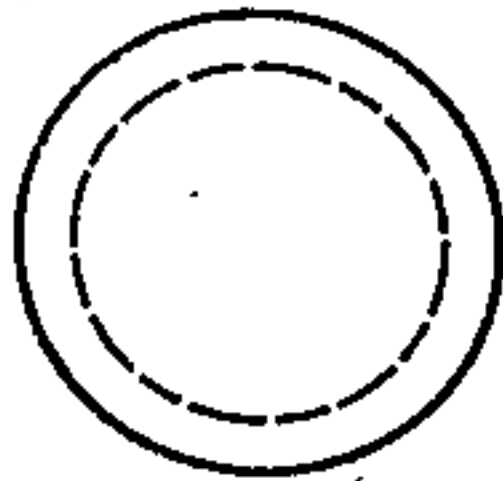
اس دائرے کے طول وعرض کا اندازہ لگانے کے لیے ہم اس دائرے میں ریلوے لائن بچھاتے ہیں۔گاڑی ایک کنارے سے ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے روانہ ہوتی ہے تو دوسرے کنارے تک ایک لاکھ سال میں پہنچے گی۔اس طرح کے سدیم ہزاروں کی تعداد میں دریافت ہو چکے تھے۔

غور فرمائیے کہ آسمانوں میں کس قدر مہیب دنیائیں کس توازن سے چکر کاٹ رہی ہیں، کتنے بڑے بڑے کرے لاکھوں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے محو پرواز ہیں جب ہم ان دنیاؤں پر ایک ہلکی پھلکی سی نگاہ ڈالتے ہیں تو اپنی بے مقداری ہستی کا زبردست احساس پیدا ہوتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ اس خالقِ ارض وسماء کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ انسانی ہدایت کے لیے اس قدر پیمبر اس قدر راہنما و رہبر بھیجتا رہا۔ ادھر انسان کو دیکھو کہ ان دنیاؤں کے مقابلہ میں اس کی ہستی ایک حقیر کیڑے سے زیادہ نہیں۔ نافرمانی و بدعملی میں چوٹی تک ڈوبا ہوا ہے اور پھر بھی خدا کا پیارا اور لاڈلا ہونے کا گھمنڈ ہے۔ دربدر مانگتا پھرتا ہے لیکن جنت کے ٹھیکیدار ہونے کا پندار ہے۔ چیتھڑے اور جوئیں سنبھال نہیں سکتا لیکن امت رسول ہونے کا غرور ہے۔ مسکنت و ذلت کا مجسمہ بن چکا ہے لیکن تقدس و پاک بازی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس برخود غلط انسان کو کیا معلوم کہ اس صاحب جبروت رب کے ہاں جس قدر فضاؤں میں زمین جیسی ارب کھرب دنیائیں نہایت شکوہ و عظمت سے گھوم رہی ہیں، انسان کو کوئی وقعت حاصل نہیں۔ بھلا اس ہیچ میرز کیڑے کی ان لرزہ انگیز کروں کے سامنے ہستی ہی کیا ہے؟ تو پھر یہ نشہ کیوں؟ یہ غرور و پندار کیسا؟ اور یہ انا و لاغیری کا دعویٰ کس لیے؟

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥ (جاثیة۔ ۲۷) زمین و آسمان الٰہی کبریا و جبروت کی داستانیں سنا رہے ہیں وہ رب غالب بلند برتر اور صاحب حکمت ہے۔

مقابلہ:

ہماری زمین فضا میں ایک حقیر سا کرہ ہے۔ کروڑوں کرے ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑے فضا میں چکر کاٹ رہے ہیں۔ یہ فرض کرنا کہ ان کروں میں زندگی نہیں غلط ہے یہ زمین ان کروں کے مقابلہ میں ایک کھلونا ہے۔ صرف مشتری ہماری زمین سے ۱۲ گنا بڑا ہے تو کیا یہ تمام دنیائیں صرف زینت کے لیے بنائی گئیں۔ محض کھیل کے لیے پیدا کی گئیں؟ کوئی اور مقصد نہ تھا؟ ضرور ہے لیکن ابھی ہمارا علم بہت ناقص ہے، ان دنیاؤں کے راز دریافت کرنے کے لیے ابھی کئی ہزار صدیاں اور صرف ہوں گی اور تب کہیں معلوم ہوگا کہ:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ (دخان. ۳۸)

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے محض تماشے کی خاطر پیدا نہیں کیا۔

علم:

اس وقت تک صرف اہل زمین کے تمدن، حکومت، طبائع، جغرافیہ اور تاریخ اخلاق وغیرہ پر آٹھ کروڑ سے زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اگر ہمیں دوسرے کروں کا علم بھی زمین ہی کی طرح حاصل ہوتا تو ہم ان کے متعلق بھی کتابیں لکھتے چونکہ آسمانی کروں کی تعداد کم از کم دس کروڑ ہے اس لیے علم میں دس کروڑ گنا اضافہ ہو جاتا۔

اگر ہم اس تمام ذخیرہ کتب کو ایک لائبریری میں رکھنا چاہتے اور لائبریری کے ہر کمرے میں ۱۰ ہزار کتب سما سکتیں تو ہمیں ۸۰,۰۰,۰۰,۰۰,۰۰۰ کمروں کی ضرورت ہوتی اگر لاہور میں ۳ لاکھ مکانات تسلیم کئے جائیں تو ہماری یہ لائبریری لاہور جیسے ۲,۶۶,۶۶۷ شہروں میں سماتی۔ اگر ایک آدمی روزانہ ایک کتاب پڑھ ڈالتا تو اسے تمام کتب ختم کرنے کے لیے دو کھرب بیس ارب سال درکار ہوتے۔

خدا کے بندو! کیا ان تفصیلات کے بعد الٰہی جلال وعظمت سے تمہارے دماغ متاثر ہوئے؟ کیا تمہارے دلوں میں خشیۃ اللہ کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جو ان تفاصیل کا مقصد ہے؟

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ (فاطر. ۴)

رات کو دن اور دن کو رات میں تبدیل کرتا ہے جس کی مشیت کے سامنے شمس وقمر مجبور و مقہور ہیں اور یہ کرے ایک معین مدت تک سرگرم رفتار رہیں گے۔ یہ ہے تمہارا رب اور فرمانروا اس کے بغیر تم جن معبودوں کی خوشامد کرتے پھرتے ہو وہ ایک ذرے تک کے مالک نہیں۔

باب ۴

عالمِ حیوانات

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّمَّا	کیا دیکھتے نہیں کہ حیوانات ہم نے پیدا کیے لیکن ان کے
عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَهُمۡ لَهَا	مالک انسان بنے ہوئے ہیں۔ ہم نے (ہاتھی گائے، اونٹ
مٰلِکُوۡنَ ۝ وَ ذَلَّلۡنٰهَا لَهُمۡ فَمِنۡهَا	اور گھوڑے جیسے) جانوروں کو ان کا یوں مطیع کر دیا کہ وہ ان
رَکُوۡبُهُمۡ وَ مِنۡهَا یَاۡکُلُوۡنَ ۝	پرسوار ہوتے ہیں اور انہیں کھاتے بھی ہیں۔ ان کے بالوں،
وَلَهُمۡ فِیۡهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ	چمڑوں، ہڈیوں اور گوبر وغیرہ میں ان کے لیے کس قدر فوائد
اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ۝	ہیں اور پھر غور کریں کہ ہم خون سے کیونکر دودھ ان کے لیے
(یٰسٓ. ۷۱ تا ۷۳)	مہیا کرتے ہیں، کیا وہ اب بھی ناشکرے رہیں گے۔

ایک چوہے کو ہاتھ میں پکڑو تو کاٹتا ہے، بھڑ کے قریب جاؤ تو ڈنک لگاتی ہے۔ ہرن میل بھر سے دوڑ جاتا ہے، بھیڑیے یا پلنگ پر سواری ناممکن ہے حالانکہ یہ گھوڑے سے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اگر اونٹ کسی وقت باغی ہو جائے تو مالک کو گھٹنوں کے نیچے پیس ڈالتا ہے، کینۂ شتر مشہور ہے۔ اگر بیل یا بھینسا سرکش ہو جائے تو تمام گھر کو آناً فاناً مسمار کر دے۔ اللہ کی یہ کتنی بڑی نوازش ہے کہ اونٹ، گھوڑے، بیل، بھینس اور ہاتھی جیسے شہ زور حیوان ہمارے اشارۂ نگاہ کے مطابق کام کر رہے ہیں، ہمارے بوجھ اٹھا رہے ہیں، ریگستانوں میں ہے اٹھا کر پار لے جا رہے ہیں اور کان تک نہیں ہلاتے۔ وَ ذَلَّلۡنٰهَا لَهُمۡ فَمِنۡهَا رَکُوۡبُهُمۡ وَ مِنۡهَا یَاۡکُلُوۡنَ ۝

پھر ہر گائے اور بھینس ایک مشین ہے جو ہمارے لیے اکمل الاغذیہ، یعنی دودھ مہیا کرتی ہے اگر دودھ کا رنگ سرخ، سبز یا سیاہ ہوتا تو ہمیں نفرت سی آتی۔ چاند کی طرح شفاف نہریں تھنوں سے بہہ رہی ہیں۔ کیا ہمارے علم اور کاریگری کے بغیر چل رہی ہیں، بسا اوقات بچے تک کے لیے دودھ نہیں بچتا۔ گوالن تمام دودھ دوہ لیتی ہے لیکن گائے خاموش کھڑی رہتی ہے، یہ اس لیے کہ گائے ہماری پرورش کو بچے کی پرورش پر ترجیح دیتی ہے۔ اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ۝

ہندوؤں نے گائے کی اس قربانی سے متاثر ہو کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں اس قدر دلکش مناظر ہر سو بکھرے ہوئے ہیں کہ:

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں است

حضرت ابراہیمؑ کو درخشاں ستارے پر خدا ہونے کا دھوکا لگ گیا تھا۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ج جب رات چھا گئی اور فضا کی وسعتوں میں ایک حسین ستارہ دیکھا تو ابراہیم نے کہا کہ یہی میرا رب ہے۔ (الانعام۔ ۷۷)

صابئین نے سورج کو خدا تسلیم کیا۔ زرتشت اور موسیٰ نے آگ میں الٰہی تجلیاں دیکھیں۔ صوفیائے کرام کو ہر گل میں گلستان کا منظر دکھائی دیا۔ شیدایانِ ویدانت نے ہر ذرہ میں صحرا کا تماشہ دیکھا۔ الغرض! اس حسین دُنیا میں ہر سو نور و تجلی کے وہ حیرت انگیز مناظر موجود ہیں کہ ہر چیز پر مظہر خدا ہونے کا دھوکا لگتا ہے۔

ایک بچہ باپ کے ساتھ بازار میں جاتا ہے، جس مٹھائی کو پہلے دیکھتا ہے اس کے خریدنے کی تمنا کرتا ہے لیکن والد ساتھ ہے، وہ بہترین چیز خرید لیتا ہے اگر ہماری انگلی رسولؐ کے ہاتھ میں نہ ہوتی، تو ہم اس ناداں بچے کی طرح ہر چیز کی پرستش پر اتر آتے۔ ہر رسول نے بہ بانگ دہل اعلان کیا تھا کہ دیکھو ان مناظر میں کہیں الجھ کر نہ رہ جانا۔ تمہارا مسجود وہ قادر و برتر رب ہے جو ان کھلونوں کا خالق ہے اور یہ مناظر تمہارے غلام و مطیع ہیں، نہ کہ معبود و مسجود۔

اقسام حیوانات:

حیوانات کی مختلف قسمیں ہیں: وحوش و طیور وغیرہ۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں، جن میں صرف لمس کی حس ہے اور بس۔ مثلاً: اصداف دلدلی جراثیم اور بطونِ حیوانات کے کیڑے۔ بعض دیگر میں صرف ذوق و لمس۔ مثلاً: پھلوں اور پھولوں پر پلنے والے چھوٹے چھوٹے کیڑے۔ بعض میں تین حواس ہیں لمس، ذوق اور شم: مثلاً وہ حیوانات جو سمندر کی گہرائی یا تاریک مقامات میں پلتے ہیں۔ بعض میں چار حواس ہیں اور صرف بصر سے محروم ہیں۔ مثلاً: تاریک غاروں میں بسنے والے حیوانات جو روشنی نہ ہونے کی وجہ سے نظر سے بے نصیب رہتے ہیں۔ پانچ حواس

والے حیوانات سے ہر کوئی آگاہ ہے۔قدرت کا کمال دیکھئے کہ ان میں سے ہر جانور اپنی تخلیق میں مکمل ہے۔

خوردبینی اجرام(PROTOZOA):

یہ حیوانات صرف ایک خلیہ سے بنے ہیں اور سب سے پہلے یہی جانور عالم وجود میں آئے تھے۔آج ان جانوروں کے خول ان پہاڑوں میں ملتے ہیں، جو لاکھوں سال تک پانی کے نیچے رہے،جس سے لازماً ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ ابتدائی کیڑے موجودہ ارتقایافتہ انواع کے آباء اجداد تھے۔بہت سے پتھر اور خصوصاً چونے کے پتھر ان ہی جانوروں سے تیار ہوئے۔اہرام مصر پر ان جانوروں کی کئی انچ موٹی تہیں ملتی ہیں۔ملیریا وغیرہ امراض انھی اجرام کی بدولت پیدا ہوتے ہیں۔یہ خوردبینی اجرام اپنی حفاظت مختلف طریقوں سے کرتے ہیں۔سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ ایک گھنٹے میں لاکھوں بچے دیتے ہیں۔بسا اوقات سبزیوں کے نیچے اور پانی کے جوہڑوں میں پناہ لیتے ہیں۔ہیضہ کا جرثومہ ایک دن میں ۵,۰۰,۰۰,۰۰,۰۰,۰۰,۰۰,۰۰,۰۰,۰۰,۰۰۰ بچے پیدا کرتا ہے تاکہ تباہی کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہیں۔

تنوع:

بعض حیوانات چلتے نہیں لوٹتے ہیں مثلاً: برف کے کیڑے بعض سرکتے ہیں مثلاً: اصداف،بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں۔مثلاً: سانپ،بعض دوڑتے ہیں۔مثلاً چوہا۔بعض دو پروں سے اڑتے ہیں،بعض چار پروں سے۔مثلاً ٹڈی،بعض کے دو پاؤں ہوتے ہیں بعض کے چار بعض کے چھ۔بعض کے اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ ہزار پاؤں والے جانور بھی موجود ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ ط يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥ (نور. ۴۵)

اللہ نے ہر جانور کو سمندر سے پیدا کیا۔ان میں سے بعض پیٹ کے بل اور بعض دو اور بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں،اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے وہ اس قسم کے تنوع اور اختلاف پر قادر ہے۔

اللہ نے حیوانات کی لاکھوں انواع بنائیں اور ہر نوع کے افراد لامتناہی تعداد میں پیدا کیے، ہر نوع کا رنگ، شکل اور ہیئت وغیرہ دوسری نوع سے مختلف رکھی۔ پھولوں اور سبزیوں پر بعض چھوٹی چھوٹی مکھیاں اس قدر باریک ہوتی ہیں کہ اگر پکڑ کر دیکھنا چاہو تو انڈے کی طرح پھٹ جاتی ہیں لیکن کمال یہ ہے کہ ان میں باقاعدہ گردے، ہڈیاں، پھیپھڑے، معدہ، انتڑیاں، دماغ، آنکھیں، پر اور ٹانگیں وغیرہ سب کچھ موجود ہے اور اس چھوٹے سے انجن میں پٹرول بھی بھرا ہوا ہے کہ باقاعدہ اڑ رہا ہے اللہ کا کمال دیکھنا ہو تو کوہ ہمالیہ کو مت دیکھو بلکہ یہ چھوٹے چھوٹے اڑتے ہوئے انجن دیکھو، ان کے رنگ پر غور کرو، منہ، پاؤں، آنکھوں اور سر دکھائی نہیں دیتے لیکن پھر بھی یہ مکمل جسم ہیں۔ ہر جسم میں چھوٹی چھوٹی رگیں ہیں جن میں خون دوڑ رہا ہے۔ ایک چھوٹا سا پیٹ ہے جس میں غذا جا رہی ہے۔ اللہ اکبر! یہ جسم اللہ نے کس طرح تیار کیا ہوگا۔ اشاعر فطرت کا کتنا باریک نازک اور ادق تخیل ہے کہ انسانی عقل تھرتھرا اٹھتی ہے۔ یخلق اللہ ما شاء اللّٰہ!

خود اعتمادی:

جنگلی جانور اپنی حفاظت خود کرتے ہیں، اس لیے چست، چالاک، تیز، تندرست دراک اور حیلہ باز ہوتے ہیں۔ لیکن گائے، بھینس اور گدھے وغیرہ کی حفاظت کا ذمہ انسان نے لے رکھا ہے اسی لیے یہ کاہل، بھدے اور سست ہوتے ہیں، جو قوم اپنے قواء کو استعمال نہیں کرتی اللہ اس سے قوائے عمل چھین لیتا ہے۔ مسلمانوں کو تقلید نے آج اندھا اور بہرا بنا رکھا ہے، اس قوم نے قوائے مفکرہ کا استعمال چھوڑ دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ طاقتیں ہی چھین لیں۔

حرکاتِ حیوانات:

حرکتِ تلاش غذا کے لیے ہے، چونکہ درختوں کو غذا ہوا زمین سے مل جاتی ہے، اس لیے انہیں چلنے کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔ اگر بالفرض درخت بھی تلاش غذا کے لیے چلتے پھرتے تو دنیا میں بڑی بدنظمی پھیل جاتی۔ ہر روز ہزاروں درخت سڑکوں کے درمیان آ جاتے۔ آمد و رفت بند ہو جاتی۔ زید کے کھیت سے درخت چل کر عمر کے کھیت میں چلے جاتے اور باغوں سے بھاگ

کر پہاڑوں پر چڑھ جاتے۔

چونکہ حیوان کی خوراک دنیا میں ہر سو پھیلی ہوئی ہے، اس لیے وہ چلتا پھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو وہی خصوصیات عطا کیں جن کی اسے ضرورت تھی مثلاً: سپنج ایک ایسا جانور ہے جو اپنے مقام کو نہیں چھوڑتا اس لیے کہ اس کی غذا وہیں موجود ہوتی ہے۔ سی سکرٹ (SEA SQUIRT) غذا کے لیے صرف اتنی ہی تکلیف کرتا ہے کہ اپنے خول سے سر باہر نکالتا ہے اور بس۔

حالات کے مطابق مختلف جانوروں کی حرکات مختلف ہیں۔ بعض دن کو سوتے ہیں اور رات کو نکلتے ہیں و بالعکس۔ بعض جانور سخت گرمی اور سردی میں مکانوں کی چھتوں اور سوراخوں میں مہینوں نہاں رہتے ہیں اور مرتے نہیں۔ جوہڑ خشک ہونے کے بعد مینڈک زمین کی ایک تہہ سے چپک جاتا ہے اور برسات میں باہر نکل آتا ہے۔ مہینوں اور بسا اوقات برسوں غذا کے بغیر زندہ رہنا تخلیق کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ جن جانوروں کی غذا سہل الحصول اور زیادہ ہوتی ہے وہ موٹے اور بھدے بن جاتے ہیں مثلاً: ہاتھی، بھینسا اور مینڈک وغیرہ۔ وجہ یہ ہے کہ انہیں تلاش غذا کے لیے دوڑ دھوپ کم کرنا پڑتی ہے اور ان کے دشمن بھی کم ہوتے ہیں۔ ہرن کی خوراک ہر جگہ بہ افراط ہے لیکن اس کے دشمن اس قدر زیادہ ہیں کہ ذرا سی آہٹ پر اسے میلوں بھاگنا پڑتا ہے، اس لیے بے حد پھرتیلا اور چست ہوتا ہے۔ کثرتِ غذا بھی الٰہی رحمت ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں موٹے موٹے بھدے بیل نظر آتے ہیں جنہیں ہندو متبرک سمجھ کر روغنی غذا کھلاتے ہیں۔ اس کاہلی اور کم کوشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں چلنا تک گراں ہو جاتا ہے۔ خاندان مغلیہ اور عباسیہ کے آخری فرمانروا بے حد کاہل اور سست ہو چکے تھے، اس لیے اللہ نے انہیں بے کار سمجھ کر دنیا سے رخصت کر دیا۔

مینڈک کے دشمن خشکی پر کم رہتے ہیں، اس لیے پانی کی بہ نسبت خشکی پر اس کی رفتار بہت سست ہوتی ہے۔ اسے صرف سانپ کا کچھ خطرہ رہتا ہے، اس لیے اللہ نے اسے کودنا سکھا دیا کہ رینگتے ہوئے سانپ کی زد سے بچ جائے۔

مرجان کا گزارہ اس بکٹیریا پر ہوتا ہے۔ جو بحری پانی میں باافراط موجود ہوتا ہے۔

مرجان صرف پانی پی لیتا ہے اور اس کی تسلی ہو جاتی ہے۔

مادہ مچھر:

مادہ مچھر انڈے دے کر کمزور ہو جاتی ہے اور تقویت کے لیے انسانی خون کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ نے اسے ایک نشتر اس کام کے لیے عنایت کیا ہے۔ نر مچھر جوہڑوں وغیرہ پر گزارہ کر لیتا ہے۔ چونکہ مچھر گرمیوں میں انڈے دیتے ہیں، اس لیے گرمیوں ہی میں وہ انسانی خون کا پیاسا رہتا ہے، مادہ مچھر کو انسانی خون کی اس لیے بھی ضرورت ہوتی ہے کہ بقاء نسل کے لیے اس کا باقی رہنا ضروری ہے۔

حیوانات کی عمریں:

کچھوا سو سال، بعض مچھلیاں ۱۵۰ سال، عقاب ۱۱۸ سال، کتا ۳۵ سال، گھوڑا ۴۰ سال، گائے ۲۵ سال، بلی ۴۰ سال، مرغی ۳۰ سال، بطخ ۷۵ سال اور مگرمچھ ۴۰ سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔

چند عجائبات:

۱۔ ایک جانور ہمیسٹر (HAMSTER) چھ ماہ سوتا ہے۔

۲۔ بعض سمندروں میں ایک گدھا ملتا ہے، جو ڈوبتے انسان کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر ساحل پر چھوڑ آتا ہے۔

۳۔ موتی ایک ایسا جانور ہے جو صدف کی کشتی میں سوار ہو کر پہلے سطح دریا پر تیرتا رہتا ہے اور اس کے بعد گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ اس کے منہ کے آگے ایک جالی ہوتی ہے جس سے صاف غذا چھن کر اندر چلی جاتی ہے۔ اس جالی کے پیچھے کئی منہ اور ہر منہ کے چار ہونٹ ہوتے ہیں۔ موتی کی پیدائش خوردبینی حیوانات اور ریت کے امتزاج سے ہوتی ہے۔ یہ حیوانات ایک لیس دار مادہ خارج کرتے ہیں جو ریت کو منجمد کر کے پتھر بنا دیتا ہے اور اسی کا نام موتی ہے۔

۴۔ گرگٹ کا سر بڑا، گردن چھوٹی اور دم سانپ کی طرح ہوتی ہے جب وہ درخت پر ہو اس کا رنگ سبز ہوتا ہے اور کبھی زرد۔ ہیجان کی صورت میں اس کی پشت پر خطوط متقاطعہ نمودار ہو جاتے ہیں جو آہستہ آہستہ تمام جسم پر پھیل جاتے ہیں اور غصے میں اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔

۵۔ ایک ڈاکٹر لکھتے ہیں کہ میں نے ایک بیمار ہتھنی کا علاج کیا اور وہ اچھی ہو گئی۔ پندرہ سال کے بعد اتفاقاً وہی ہتھنی راہ میں مل گئی اور دوڑ کر میرے پاس آ گئی۔ اپنا خرطوم میرے ارد گرد ڈال دیا اور یوں محبت سے پیش آئی جس طرح دو دوست مدت کے بعد ملیں۔

۶۔ ایک اور ڈاکٹر کہتا ہے کہ میں نے ایک درخت کے نیچے ایک بچے کا ٹیکہ کیا۔ اوپر چند بندر دیکھ رہے تھے، میں سامان وہیں چھوڑ کر کسی ضرورت کے لیے ادھر ادھر چلا گیا۔ مڑ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا بندر ایک چھوٹے بندر کا ٹیکہ کر رہا ہے۔

۷۔ مادہ مینڈک پانی میں انڈے دیتی ہے نر ان انڈوں پر مادۂ منویہ ڈال دیتا ہے۔ یہ انڈے ایک بدذائقہ جھلی میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں تاکہ کوئی آبی جانور منہ نہ ڈال سکے۔ اس جھلی میں خوردبینی حیوانات داخل ہو کر نائٹروجن خارج کرتے ہیں تاکہ انڈوں کی نشوونما ہو سکے۔ یہ جھلی آہستہ آہستہ سانس بھی لیتی ہے اس تنفس کی بدولت انڈے گہرائی سے ابھر کر سطح پر آ جاتے ہیں۔ ایک مینڈک کے انڈوں کی تعداد ۱۰۰۰ سے ۲۰۰۰ تک ہوتی ہے۔ جب بچے پیدا ہوتے ہیں تو پہلے اپنی لمبی دم سے تیرتے ہیں۔ جب ان کے پنجے (چپو) نکل آتے ہیں تو یہ دم غائب ہو جاتی ہے۔ مینڈک نتھنوں سے علاوہ جلد سے بھی سانس لے سکتا ہے۔

اونٹ کے عجائبات:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو گول پاؤں دیے، تاکہ ریگستانوں میں آسانی سے چل سکیں۔

۲۔ لمبی ٹانگیں دیں تاکہ سفر جلدی طے ہو۔

۳۔ لمبی گردن دی تاکہ زمین اور درخت ہر دو سے غذا بآسانی حاصل کر سکے۔

۴۔ کوہان میں پانی اور چربی کی اتنی مقدار جمع کر دی کہ چار ہفتوں تک بے آب وگیارہ رہ سکے۔

۵۔ اگر شتربان بے توشہ ہو جائے تو ناقہ کا دودھ پی لے۔

۶۔ اونٹ کی غذا تمام جنگلی پودے اور درخت بنا دیے جنہیں دوسرے جانور عموماً چھوتے تک نہیں۔

۷۔ اسے سخت منہ دیا کہ بیابان میں کیکر تک کھا سکے۔

۸۔ بہت بھاری بوجھ اٹھانے کی طاقت دی اور کوہان کے پاس شتربان کے لیے علیحدہ جگہ بنادی کہ شتربان کو چلنا نہ پڑے۔

۹۔ مطیع وفرمانبردار بنادیا کہ صحیح معنوں میں اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

۱۰۔ اونٹ اگر ایک دفعہ راہ دیکھ لے تو اسے برسوں یاد رکھتا ہے، خواہ اس کے تمام نشانات مٹ گئے ہوں۔ اونٹ کے ان ہی عجائبات کی طرف یوں متوجہ کیا گیا ہے:

اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ. دیکھتے نہیں کہ اونٹ کس طرح بنایا گیا۔

(غاشیة. ۱۷)

باب ۵

دُنیائے طیور

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔ (انعام. ۳۸) یہ چوپائے اور اڑنے والے جانور تمہاری طرح امتیں ہیں۔

ان امتوں کو بیماریاں لاحق نہیں ہوتیں، ان پر آثارِ پیری بہت کم مرتب ہوتے ہیں۔ یہ آخر عمر تک چست، چالاک اور پھرتیلے رہتے ہیں، انہیں زکام اور ملیریا نہیں ہوتا۔ انہیں کھانسی اور نمونیا کی شکایت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہ امتیں ایک خاص نظامِ حیات کی پابند ہیں، مناسب غذا کھاتی ہیں، مناسب ورزش کرتی ہیں، اور لذت اندوزی کی جائز حدود سے آگے نہیں بڑھتیں۔ شیر اپنی بیوی کی سال میں ایک دفعہ خبر لیتا ہے لیکن انسان۔۔۔۔؟ پرندے ماحول کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں لیکن انسان عموماً نہیں بدلتا، مذہب، وضع اور رسوم کی آڑ لے کر ایک مقام پر ڈٹا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ زمانے کا ساتھ دینے والی اقوام ان اقوام پر چھا جاتی ہیں جو سطحِ زمین پر خیالات اور اطوار واخلاق میں "گل محمد" بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان طیور میں ہمارے لیے ہزاروں اسباق موجود ہیں۔ یہ ہم جیسی ہی امتیں ہیں جو آئین قوت کو نباہنے اور نظام صلاحیت پر عمل پیرا ہونے کے بعد زندگی سے چہک رہی ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ط كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ. (نور. ۴۱) کیا تم دیکھتے نہیں کہ زمین و آسمان کی ہر چیز آئین الٰہی پر عمل پیرا ہے اور پرندے بھی ایک نظام کو نباہ رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی نماز اور دستور العمل سے آگاہ ہے۔

بدقسمت ہیں وہ پرندے اور چوپائے جو انسانی قرب و جوار میں آ بستے ہیں، مثلاً: گائے، بھینس، گدھا، گھوڑا، مرغا اور کبوتر وغیرہ۔ انسان کافی غلیظ واقع ہوا ہے، ادھر تھوکتا ہے ادھر قے کرتا ہے اور ہر طرف کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگائے رہتا ہے۔ اس غلیظ ماحول سے یہ چوپائے

اور پرندے بیمار ہو جاتے ہیں۔ ورنہ جنگلی جانوروں کو دیکھو، ان کے گھونسلوں اور نشیمنوں میں کس قدر صفائی پائی جاتی ہے، بلی زمین میں ایک گڑھا کھودتی ہے اور اپنا فضلہ اس میں چھپا دیتی ہے، بہ الفاظ دیگر انسان کو ہر روز بلی سبق دیتی ہے۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْo. (مدثر. ۵) اے انسان میل کچیل اور غلاظت سے دور رہ۔

لیکن یہ سرکش انسان جو پیمبر کی بات نہیں سنتا اور الٰہی حکم تک کی پروا نہیں کرتا وہ بھلا بلی سے کیوں سبق سیکھنے لگا؟ اشرف المخلوقات جو ٹھہرا!

زندہ اقوام میں جہاں دیگر فضائل پیدا ہو جاتے ہیں، وہیں صفائی، نفاست اور پاکیزگی ان کی نس نس میں دھنس جاتی ہے وہ بہت اجلے نہایت لطیف المذاق اور بے حد صفائی پسند ہوتے ہیں۔

لطیفہ:

۱۹۲۰ء کا واقعہ ہے کہ صوبہ سرحد کے چیف کمشنر مسٹر روس کیپل نے امرائے وزیرستان کا ایک جرگہ بلایا۔ مجلس برخاست ہونے کے بعد ایک وزیری پٹھان نے چیف کمشنر سے کہا:

''صاحب بہادر''! خو چے ہم تم پر بہت خوش ہے لیکن چہ صرف ایک بات کا کمی ہے کہ اگر تم مسلمان ہوتا تو خو کیا اچھا ہوتا۔''

روس کیپل نے پوچھا کہ ''مسلمان ہونے کا فائدہ؟ تو کہا کہ خو چہ تم دوزخ میں نہ جلتا۔ تم جیسا اچا سٹرے (آدمی) بہشت میں اچا لگتا ہے۔''

روس کیپل نے کیا ایمان افروز جواب دیا کھان صاحب! ہم دوزخ میں جائے گا تو اپنا صفائی وغیرہ (وغیرہ) سے اس کو بہشت بنا ڈالے گا۔ تم گندا لوگ جو بہشت میں پہنچے گا تو ہر طرف نسوار کا تھوک ڈالے گا، کھانسی کرے گا، میلا شلوار کھینچے گا ادھر ادھر تمام کیلے کا چھلکا پھینکے گا تو بہشت کو دوزخ کر دے گا۔

غلام قوم پر جہاں دیگر بداخلاقیاں مسلط کر دی جاتی ہیں وہاں اسے نفاست لطافت، صفائی اور پاکیزگی کے احساس سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے، اس میں پرندوں کا اجلا پن، ہرن کی

چستی، شیر کی پرہیز گاری، شہباز کی جھپٹ اور عقاب اور شاہین کا رعب نہیں رہتا۔ وہ بھینسے کی طرح بھدی، گدھ کی طرح غلیظ اور الو کی طرح بدحواس بن جاتی ہے۔

چونکہ اہل عرب کو آں حضرت صلعم کی بدولت دنیا کا حکمران بنانا منظور تھا، اس لیے صفائی کے متعلق نہایت تاکیدی اوامر نازل ہوئے:

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُر○. (مدثر. ۱. ۵)

اے جسم کو لباس سے زینت دینے والے رسول اٹھ! قوم کو غلاظت کے نتائج سے خبردار کر، اللہ کی عظمت بیان کر، اجلے کپڑے پہن اور ہر قسم کے میل کچیل سے دور رہ۔

قرآن کا ہر حکم فرض ہے لیکن مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن کے صرف پانچ احکام فرض ہیں۔ یعنی نماز اور روزہ وغیرہ اور باقی چھ ہزار احکام میں کچھ مستحب ہیں کچھ مستحسن ہیں اور کچھ غیر ضروری، اگر اللہ کا حکم فرض کہلاتا ہے تو پھر وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کو فرائض کی فہرست سے خارج کرنا کہاں کی مسلمانی ہے؟ غور کرو غلیظ مکانات اور ناپاک ماحول کی وجہ سے مسلمانوں کی صحت کا کیا حال ہو چکا ہے اور میلے کچیلے کپڑوں کی وجہ سے ان کا وقار کتنا کم ہو گیا ہے۔

دیگر تمام اہل مذاہب کے یہاں مذہب ایک پرائیویٹ (شخصی) عقیدہ بن چکا ہے۔ جس کا دائرہ اثر صرف عبادات اور چند دیگر رسول تک محدود ہے اور بس۔ دوسری طرف اسلام ہماری زندگی کا مکمل دستور العمل ہے، یہودیوں اور دیگر سیاست دانوں کی آغاز سے یہ کوشش رہی ہے کہ اسلام کو بھی اجتماعی، تمدنی سیاسی معاشرتی و منزلی وسعتوں سے نکال کر چند شخصی عقائد و رسوم تک محدود کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسی احادیث وضع کی گئیں جن کی وجہ سے اسلام فرائض خمسہ کا نام رہ گیا اور زندگی کے باقی تمام پہلو اس کے حلقۂ اثر سے باہر نکل گئے۔

غور کرو، اصولِ صفائی میں کیا کچھ آ جاتا ہے، بدن اور کپڑوں کی صفائی، گھر بار کی صفائی، تمام سامانِ و اسباب کی صفائی، کوڑے کرکٹ، امراض جراثیم، نحیف کرنے والی غذاؤں اور

کمزوری پیدا کرنے والے کاموں سے نفرت، کثیف ماحول سے نفرت، ان مکانوں سے نفرت جہاں ہوا اور روشنی داخل نہ ہو سکے۔ چیتھڑے اور جوؤں سے نفرت، بدبودار کپڑوں، میلے دانتوں اور مٹی سے اٹے ہوئے بالوں سے نفرت وغیرہ وغیرہ۔

مسلمانو یاد رکھو کہ کھلے اور صاف مکانات میں رہنا، اجلے کپڑے پہننا، دانتوں کو روزانہ صاف کرنا، نہانا، کمروں میں روشن دان رکھنا، کوڑا کرکٹ دور پھینکنا۔ بالوں کو دھونا اور سنوارنا۔ ورزش سے صحت کو قائم رکھنا، جراثیم مرض اور بیمار کن ماحول سے بچنا عین اسلام ہے۔ قرآن کی مذکورہ بالا آیت کے مطابق یہ بھی نماز روزے کی طرح فرض ہے۔

ذرا سوچو تو سہی کہ قرآن کے صرف ایک حکم کی نافرمانی سے ہم کس قدر خوفناک نتائج بھگت رہے ہیں۔ ہمارے مکانوں میں غلاظت کے کس قدر ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے منہ سے کتنی بدبو آتی ہے۔ ہمارے بال کس قدر پریشان وگرد آلود ہیں۔ جسم پر کتنا میل جما ہوا ہے۔ ہمارے بچے کس قدر مہلک امراض کا شکار ہو رہے ہیں۔ ہمارے چہرے کاربن کی زیادتی اور صاف ہوا کی کمی کی وجہ سے کس قدر زرد ہو رہے ہیں۔ اور یہ نحیف دلاغر زرد رو اور قبیح شکل قوم دنیا کی نگاہ میں کتنی ذلیل ہو چکی ہے؟ انصافاً کہو کہ قرآن کی اس آیت پر انگریز عمل کر رہا ہے یا مسلمان؟ ہر گاؤں میں مسٹر برین ؒ تو پھر پھر کر صفائی وغیرہ کی تبلیغ کرے اور ہم مسجد میں لوگوں کو ناک جھاڑتا دیکھیں اور منع نہ کریں۔ مسجد کے ساتھ پیشاب گاہ تیار کرائیں اور نہ شرمائیں۔

حضرت آدمؑ کے بیٹے نے دوسرے کو قتل کر دیا تھا اور پھر اسے اتنا بھی نہ سوجھتا تھا کہ اس بدبودار لاش کو کہاں پھینکے۔ اللہ نے ایک پرندہ بھیج کر اسے یوں ہدایت کی:

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ. (مائدہ. ۳۱) تو ہم نے اس کی طرف کوا بھیجا تاکہ اس کو نعش دفن کرنے کا طریقہ سکھائے۔

یہ قصہ دراصل ایک طرح کی ہدایت ہے کہ تمام غلیظ اور بدبودار اشیاء کو زمین میں گاڑ دیا جائے۔ آنحضرت صلعم کی بعثت مسلم کو ہر قسم کی جسمانی، دماغی اور روحانی اخلاقی نجاست سے نجات دلانے کے لیے ہوئی تھی۔ آج ہمارا ملا جسمانی صفائی پر کچھ کہنا اپنے علم کی ہتک سمجھتا ہے۔ وہ ایسی

تمام آیات میں غلاظت سے مراد روحانی واخلاقی غلاظت لیتا ہے، اچھا ایسا ہی سہی۔ لیکن انصافا فرمایئے کیا ایسے آدمی کے اخلاق میں ذرا سی بھی نفاست ہو سکتی ہے، جس کے منہ کپڑوں اور جسم سے سنڈاس کی بو آرہی ہو، جس کی شلوار میں سیر بھر جوئیں پھر رہی ہو۔ جس کی چارپائی کے نیچے تھوکوں کا ڈھیر لگا ہوا ہو، گندے چیتھڑے، پھٹے پرانے کاغذات صدیوں کے ٹوٹے ہوئے بادیئے اور میل سے اٹی ہوئی کنگھیاں ہر طرف بکھری پڑی ہوں، دیواروں پر ناک جھاڑ جھاڑ کر پلستر کیا ہوا ہو، ہر طرف ہولناک غلاظت، تعفن، ویرانی، تاریکی اور ظلمت ہو، اگر اخلاقی دنیا میں بدکاری ظلمت ہے تو مادی دنیا میں غلاظت اور کثافت کیوں ظلمت نہیں؟ یاد رکھو! معلم کائنات حضرت محمد ﷺ عربی فداہ ابی وامی مسلم کو تمام جسمانی وروحانی غلاظتوں سے نجات دلانے کے لیے آئے تھے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ٥ (ابراھیم۔ ۱)

اے رسولؐ! ہم نے تجھے یہ بلند کتاب اس لیے دی کہ تو دنیا کو غلاظت وکثافت کی تاریکیوں سے نکال کر نفاست پاکیزگی اور لطافت کی روشنیوں کی طرف رہنمائی کرے۔

اللہ کی زمین کس قدر حسین ہے۔ یہ پھول کتنے خوبصورت ہیں، یہ سبزہ کیا جنت نگاہ بنا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ پیام دے رہا ہے؟ یہی کہ اللہ خود حسین وجمیل ہے اور صرف ایسے افراد واقوام کو پسند کرتا ہے جو صفائی نفاست ولطافت کی دلدادہ ہوں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ مجھے خوشبو سے عشق ہے کیوں عشق نہ ہو۔ جمیل خدا کا جمیل پیغمبر، بھلا خوشبو کو کیوں نہ پسند کرے۔

اَللّٰهُ جَمِيْلٌ وَّ يُحِبُّ الْجَمَالَ

اللہ خود حسین ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے۔

اللہ نے لباس کو ایک نعمت قرار دیا ہے۔

اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ. (اعراف۔ ۲۶)

ہم نے تمہیں لباس کی نعمت دی ہے جس سے تم جسم کو ڈھانکتے ہو۔

کیا اس لباس سے وہ لباس مراد ہے جسے ابتدا سے انتہا تک دھویا نہ گیا ہو اور جس سے تعفن کی لپٹیں اٹھ اٹھ کر دل ودماغ پر بجلیاں گرا رہی ہوں یا وہ لباس مراد ہے جو اوراقِ شجر کی طرح صاف اور برگِ گل کی طرح منزہ وپاکیزہ ہو۔

گرمی کے ایام میں مسجدوں میں چند ایسے نمازی جمع ہو جاتے ہیں جن کے کپڑوں سے سخت بد بو آیا کرتی ہے لیکن مولوی صاحب انہیں کچھ نہیں کہتے اس لیے کہ حضرت مولانا کے ہاں وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کا حکم بالکل غیر ضروری سا ہے۔ سردی میں کشمیری ہاتو اپنی ''نفیس'' پوشاکوں کے ساتھ گل کدہ کشمیر سے تشریف لاتے ہیں۔ کس حسین سرزمین سے آتے ہیں اور لباس کس قدر غلیظ ہوتا ہے، اس حسین خطے میں یہ بد مذاق انسان، واللہ! قدرت کی بہت بڑی ستم ظریفی ہے جب کسی غلیظ مسلمان کو دیکھتا ہوں تو اس کے غیر اسلامی ظاہر پر طیش آ جاتا ہے کہ جو شخص کپڑوں تک کو صاف نہیں رکھ سکتا وہ دل و دماغ کو کیا خاک صاف رکھے گا۔

ہاں تو حضرات! ہمارے لیے ان طیور کی نفاست، چستی، پھرتی، صحت، صلاحیتِ حیات اور پرواز وغیرہ میں بے شمار اسباق موجود ہیں لیکن ہم ہیں کہ اندھوں کی طرح پاس سے گزر جاتے ہیں۔

جلوتیانِ مدرسہ، کورِ نگاہ و مردہ ذوق　　　خلوتیانِ مے کدہ کم طلب و تہی کدو
(اقبالؒ)

چند عجائبات:

۱۔ بعض پرندے ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑتے ہیں۔

۲۔ ایک پرندہ ٹٹ (TIT) پورے ۲۳۷۹ پروں سے اپنا گھونسلہ تیار کرتا ہے۔

۳۔ مشرق اقصیٰ میں ایک پرندہ (SEA SWIFT) اپنے تھوک سے گھونسلہ تیار کرتا ہے۔

۴۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا تھا کہ چند چیزیں میری سمجھ میں نہیں آئیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اتنا بڑا گدھ بازوؤں کو ہلائے بغیر پہروں ہوا میں کس طرح تیرتا رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کو یہ چیز معلوم نہ تھی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کا علم ان چیزوں کے متعلق اتنا زیادہ تھا کہ آپ حیرت زدہ ہو گئے علم کی انتہا حیرت ہے۔

لطیفہ:

علامہ اقبالؔ مرحوم سے کسی نے پوچھا، علم کی انتہا کیا ہے؟ فرمایا حیرت۔ پھر پوچھا عشق

کی انتہا کیا ہے؟ عشق لا انتہا ہے۔ سائل نے فوراً اعتراض کیا تو پھر آپ کے اس مصرع کا کیا مطلب ہے:

"ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں"

اقبال فرمانے لگے "دوسرا مصرع نہیں دیکھتے کہ اپنی حماقت کو بے نقاب کر رہا ہوں۔"

"مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں"

کولرج (COLERDIGE) ایک مغربی مفکر کہتا ہے:

"KNOWLEDGE ENDS IN WONDER" علم کی انتہا حیرت ہے۔

ایک حدیث ہے رَبِّ زِدْنِیْ تَحَیُّراً فِیْکَ خدایا تیری ذات کے متعلق میری حیرت بڑھتی ہی چلی جائے۔

۵۔ مسٹر سی۔ ٹی ہڈسن (C. T. HUDSON) کہتے ہیں کہ میں نے سردیوں کے دنوں میں بھٹ تیتروں کا ایک جوڑا دیکھا کہ نر اڑ کر مادہ کے قریب آتا ہے، غیظ و غضب سے بھری ہوئی چند آوازیں نکالتا ہے اور مادہ کو اڑنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہزارہا میل کا سفر سامنے ہے۔ ساتھیوں سے بچھڑ جانے کا ملال ہے لیکن مادہ ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ مادہ کا پر ٹوٹا ہوا ہے اور نر اس کی محبت میں پابستہ ہے۔

۶۔ ایک دریائی پرندہ (STORMY PETROL) دن رات دریا کی لہروں پر اڑتا رہتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی خشکی پر غذا کے لیے آجاتا ہے۔

۷۔ ککوا اپنے انڈے چونچ میں پکڑ کر ایک اور پرندے کے گھونسلے میں رکھ دیتا ہے اور خود چلا جاتا ہے۔ یہی پرندہ ان انڈوں کو سیتا اور پالتا ہے۔

۸۔ ایک سائنس دان نے مرغی کے انڈوں کو موزوں حرارت پہنچائی لیکن بچے نہ نکلے۔ کئی بار تجربہ کیا لیکن ناکام رہا، پھر ایک دیہاتی سے اتفاقاً ذکر کیا۔ اس نے کہا تم انڈوں کو

الٹتے پلٹتے نہیں ہوگے۔ مرغی تھوڑے وقفے کے بعد انڈوں کو الٹتی پلٹتی رہتی ہے۔ چنانچہ سائنس دان نے ایسا ہی کیا اور کامیاب ہوگیا۔

۹۔ اگر کسی پرندے کی دم کاٹ دی جائے تو اسے اڑنے میں وقت محسوس ہوتی ہے، اس لیے کہ توازن قائم نہیں رہتا۔ جن پرندوں کی گردن لمبی اور دم چھوٹی ہوتی ہے وہ اڑتے وقت پنجوں کو دم کی طرح پیچھے پھیلا لیتے ہیں تا کہ پرواز میں آسانی رہے۔

۱۰۔ شتر مرغ بیس سے تیس تک انڈے دیتا ہے۔ پھر ان کے تین حصے کر دیتا ہے، ایک حصہ زمین میں دفن کر دیتا ہے، دوسرا حصہ دھوپ میں رکھ دیتا ہے اور تیسرے حصے کو سیتا ہے۔ جب بچے نکل آتے ہیں تو دھوپ والے انڈوں کو توڑ کر بچوں کو پلاتا ہے جب وہ ختم ہو جاتے ہیں تو مدفون انڈے نکالتا ہے اور ان میں سوراخ کر دیتا ہے اس مواد کو کھانے کے لیے چیونٹیاں اور دیگر حشرات جمع ہو جاتے ہیں جنہیں پکڑ پکڑ کر بچوں کے آگے ڈالتا ہے۔ جب بچوں کے معدے کافی قوی ہو جاتے ہیں تو وہ پتھر تک کھانے لگتے ہیں۔

۱۱۔ کبوتر، چڑیا اور فاختہ وغیرہ انواع میں نر اور مادہ مل کر بچوں کو پالتے ہیں حالانکہ بچے صرف دو دو ہوتے ہیں۔ مرغی کے بچے بہت ہوتے ہیں لیکن مرغا کسی قسم کی مدد نہیں کرتا وجہ یہ کہ چڑیا اور کبوتر کے بچے بہت نحیف ہوتے ہیں جن کی تربیت کے لیے نر اور مادہ کا تعاون ضروری ہوتا ہے اور مرغی کے بچے انڈوں سے نکلتے ہی چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں، نیز پروں سے ڈھکے ہوتے ہیں جیسے قدرت ان کی تربیت پہلے ہی کافی حد تک کر چکی ہوتی ہے، اس لیے مرغا تعاون نہیں کرتا۔

۱۲۔ چمگادڑ کی ایک قسم سوئے ہوئے انسان کو پہلے پروں سے ہوا دیتی ہے جب آدمی نیند میں مدہوش ہو جاتا ہے تو اس کے جسم میں سوراخ کر کے خون پینا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ آدمی مر جاتا ہے۔

۱۳۔ الو کی پرواز میں آواز نہیں ہوتی۔ اسی لیے تو وہ پرندوں کو چپکے سے دبوچ لیتا ہے۔ اس

کی غذا اپنی سے چھ گنا زیادہ ہوتی ہے، دہقان غلہ بوتا ہے لیکن اس میں ہلاکت حشرات کی طاقت نہیں ہوتی، اللہ نے کچھ پرندے دن کو اور کچھ رات کو مسلط کر رکھے ہیں، جو فصلوں کے دشمن حشرات کی خبر لیتے ہیں ان میں الو اور چگادڑ بھی شامل ہیں۔

۱۴۔ کوا ہمارا بھنگی ہے جو غلاظت کو صاف کرتا ہے اور اسی طرح چیل اور گدھ وغیرہ بھی۔

۱۵۔ ایک آبی پرندہ شکار کو آتا دیکھ کر کالے رنگ کا ایک مواد خارج کرتا ہے جس سے پانی سیاہ ہو جاتا ہے اور خود اس میں غوطہ لگا کر چھپ جاتا ہے جب شکار پاس آ جاتا ہے تو باہر نکل کر اسے دبوچ لیتا ہے۔

۱۶۔ ایک اور آبی پرندہ ساحل دریا پر انڈے دیتا ہے اور اوپر نمک بکھیر دیتا ہے تا کہ ساحل کی زمین اور اس مقام میں فرق نہ رہے اور انڈے محفوظ رہیں۔

۱۷۔ سمندر کے ساحل پر دو ایسے پرندے ملتے ہیں کہ ان میں ایک مچھلیاں کھاتا ہے لیکن تیر نہیں سکتا، دوسرا ہریاول وغیرہ پر گزارہ کرتا ہے لیکن تیر سکتا ہے۔ یہ مچھلیاں پکڑ لاتا ہے اور اول الذکر کر کے منہ میں ڈال دیتا ہے اور وہ کچھ ہریاول بطور معاوضہ منہ میں جمع رکھتا ہے۔ جو مؤخر الذکر کو دے دیتا ہے۔

۱۸۔ برازیل میں ایک پرندہ ۸۱۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑتا ہے، یعنی چودہ میل فی منٹ یا ۴۰۰ گز فی ثانیہ۔ بندوق کی گولی فی ثانیہ ۹۰۰ گز جاتی ہے اس کی رفتار گولی سے نصف ہوتی ہے۔ یہ ایک ثانیہ میں کئی ہزار دفعہ بازو ہلاتا ہے۔

ہوائی جہاز کے پنکھے کے چکر فی ثانیہ تین سو تینتیس ہوتے ہیں اگر ایک انسان اس پرندے کی رفتار سے اڑنا شروع کرے تو وہ تمام زمین کا چکر صرف ۱۷ گھنٹوں میں کاٹ لے۔

تو یہ ہیں پرندوں کے چند عجائبات: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝

لے ۱۹۳۰ء میں حکومتِ فرنگ کی طرف سے دیہات سدھار پر متعین تھا اور صفائی وغیرہ میں بے حد دلچسپی لیتا تھا۔

باب ٦

تماشائے حشرات

اوراق گزشتہ میں عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن کی بعض سورتیں حشرات، مثلاً نحل، نمل اور عنکبوت وغیرہ کی طرف منسوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اس کے جمیل کارناموں پر نگاہِ بصیرت ڈالنے کے بعد اس کی حمد و ثنا کے ترانے گائے اور خالقِ ارض و سماء کا مقصد صرف اولاد اغذیہ وغیرہ کی بنا پر اپنی تعریف کرانی ہوتی تو غالباً قرآن حکیم کی پہلی آیت کچھ اس قسم کی ہوتی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ اَسْقَانَا وَاَعْطٰنَا وَلَدًا اَنَا۔ قابل ستائش ہے وہ رب جس نے ہمیں کھانا دیا، پانی پلایا اور بچوں کی نعمت عطا کی۔

لیکن اللہ سبحانہ تعالیٰ نے الحمد للہ رب العالمین کہہ کر ہماری توجہ تمام دنیاؤں کی طرف منعطف کر دی۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ صحیفۂ فطرت کا ہر ورق الٹ کر ہر سطر کا مطالعہ کریں تاکہ ہمارے دل و دماغ انوارِ الٰہیہ کے نشیمن بن جائیں۔

چیونٹی:

حضرت سلیمانؑ چیونٹیوں کے ایک بل کے پاس سے گزرتے ہیں تو ایک چیونٹی کہتی ہے:

یٰاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ ج لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ۔ (نمل۔ ۱۸) اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہ کہیں سلیمان کا لشکر تمہیں مسل نہ ڈالے۔

اللہ تعالیٰ نے چیونٹیوں[1] کا ذکر کر کے ہماری توجہ اس بے مقدار کیڑے کی طرف مبذول کرائی، آیئے اس کے اعمال پر غور کریں۔

شیر جسمانی طاقت کی وجہ سے شاہِ حیوانات کہلاتا ہے لیکن اگر عقل و دانش کی بنا پر بادشاہ کا انتخاب ہوتا تو یقیناً چیونٹی بادشاہ ہوتی۔ چیونٹیاں بڑی عقل مند ہوتی ہیں۔ جماعتیں بناتی ہیں،

ذخیرے جمع کرتی ہیں، معماری، بخاری، گاد پروری، سپاہ گری، کاشت کاری اور غلام گیری کے فرائض نہایت عقل مندی سے سرانجام دیتی ہیں۔

ہر بل میں چار قسم کے چیونٹیاں ہوتی ہیں: ملک، ملکہ، مزدور اور سپاہی، مزدور تعداد میں زیادہ اور سپاہی جسمانیت میں بڑے ہوتے ہیں۔ ملک اور ملکہ ہر دو کے پر ہوتے ہیں اور ملکہ بادشاہ سے زیادہ موٹی ہوتی ہے۔

حواس خمسہ کے علاوہ ہر چیونٹی کے چار جبڑے، انتڑیاں، دم میں ایک چھوٹا سا ڈنک، پاس ہی زہر کی ایک تھیلی اور پہلوؤں میں سانس لینے کے لیے دو سوارخ ہوتے ہیں۔ ہوا ان سوراخوں سے داخل ہوکر بے شمار نالیوں میں چلی جاتی ہے۔ ان نالیوں کا جال چیونٹی کے جسم میں اس طرح بچھا ہوا ہوتا ہے جس طرح ایک پتے میں رگیں۔

چیونٹی کا گھر پندرہ سے بیس فٹ تک گہرا ہوتا ہے۔ اندر فن تعمیر کا حیرت ناک کمال دکھائی دیتا ہے۔ سب سے نیچے کچھ کمرے اوپر بالا خانے، گیلریاں اور ملاقات و مشورہ کے ہال، مٹی کے ستونوں پر بنے نظر آتے ہیں۔ چیونٹی کی اس صناعی سے متاثر ہوکر حضرت سلیمانؑ نے ایک شخص سے کہا تھا:

"GO TO THE ANT, CONSIDER HER WAYS AND BE WISE."

''چیونٹی کے پاس جا اس کے اعمال کا مطالعہ کر اور دانا بن۔''

المانیہ کا ملک الشعراء گوئٹے کہتا ہے:

''محنت، صبر اور استقلال سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے اور یہ ہر سہ صفات چیونٹی میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔''

عملِ تولید و تربیت:

ملکہ بل میں ادھر ادھر انڈے ڈال دیتی ہے۔ مزدوروں کی جماعت ان انڈوں کو اکٹھا کر کے ایک محفوظ کونے میں رکھ دیتی ہے۔ ان کی تربیت پر دائیاں مقرر ہو جاتی ہیں اور جب بچے

نکل آتے ہیں، تو آغاز میں انہیں ہضم شدہ غذا کھلاتی ہیں۔ ان بچوں کو بلحاظ عمر ایک قطار میں رکھتی ہیں۔ انہیں تھپکاتی، چاٹتی اور نہلاتی ہیں۔ اگر کوئی دشمن بل پر حملہ کر دے تو انہیں اکٹھا کر کے محفوظ مقام پر لے جاتی ہیں اور اگر بارش میں بھیگ جائیں تو دھوپ میں نکال کر انہیں خشک کرتی ہیں۔

کاشت کاری:

چیونٹیاں بل کے قریب بعض غلے بو دیتی ہیں، جب فصل پک جاتی ہے تو اٹھا کر بلوں میں لے جاتی ہیں:

بعض پودوں سے یہ رس نکال لاتی ہیں کچھ پی لیتی ہیں اور باقی ماندہ بعض مردہ چیونٹیوں کے جسم میں بھر دیتی ہیں، جسے بوقتِ ضرورت استعمال کرتی ہیں۔

مفت خورے:

ملکہ و ملک ہر دو بہت سست اور عیاش ہوتے ہیں۔ اگر دوسری چیونٹیاں انہیں غذا لا کر نہ دیں تو وہ تلاش غذا کی کبھی کوشش نہ کریں اور بھوک سے مر جائیں۔ سپاہی چیونٹیوں کا گزارہ اپنے شکار پر ہوتا ہے۔ یہ عادت میں افریقہ کے وحشیوں سے ملتی جلتی ہیں کہ جنگ کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہیں اور تلاشِ غذا میں کسی کی دست نگر نہیں بنتیں۔ گائے: چیونٹیاں ایک مکوڑے افس کو پکڑ لاتی ہیں کسی کیمیائی عمل سے اس کی تربیت کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے تھنوں سے جو سرین پر ہوتے ہیں دودھ بہنے لگتا ہے جسے یہ نہایت شوق سے پیتی ہیں۔ جب افس انڈے دیتا ہے تو چیونٹیاں ان کی بھی پرورش کرتی ہیں۔

بعض چھوٹے حشرات چیونٹیوں کے بل کے پاس گھومتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان سے چیونٹیاں یوں کھیلتی ہیں، جس طرح ہم بلی سے۔

عجائبات:

۱۔ چیونٹیوں کی اقسام ہزار سے زائد ہیں۔

۲۔ چیونٹیوں کی عمر سات سال ہوتی ہے۔

۳۔ اگر مختلف بلوں کی چیونٹیاں کہیں سیلاب میں پھنس جائیں تو ہر بل کی چیونٹیاں اپنے ساتھیوں کو سونگھ کر پہچان لیتی ہیں اور اٹھا کر گھروں کو چل دیتی ہیں۔

۴۔ چیونٹیاں بعض دیگر حشرات کو پکڑ کر لے جاتی ہیں۔ صلاح ومشورہ کے بعد بڑوں کو چھوڑ دیتی ہیں اور بچوں کو رکھ لیتی ہیں، یہ اس لیے کہ ہر بچے ہر سانچے میں ڈھل سکتے ہیں اور بڑے آخر تک سرکش رہتے ہیں۔

۵۔ چیونٹیاں بعض درختوں کے پتے توڑ لاتی ہیں اور پھر انہیں بھگو کر بطورِ فرش گھر میں بچھاتی ہیں۔

۶۔ چیونٹی اپنے بوجھ سے تین سو گنا زیادہ وزن اٹھا سکتی ہے اگر انسان بھی ایسا کرے تو ۴۵۰ من بوجھ اٹھا سکتا۔

۷۔ اگر کوئی چیونٹی زخمی ہو جائے تو فوراً دوسری چیونٹی کسی کیمیائی عمل سے اپنے تھوک کو دھاگے کی شکل میں بدل لیتی اور اس سے زخم کو سی دیتی ہے۔

۸۔ اگر کوئی چیونٹی مر جائے تو پہلے اس کا باقاعدہ جنازہ اٹھتا ہے اور پھر پوری رسوم کے ساتھ دفن کی جاتی ہے۔

۹۔ چیونٹی کی آنکھ دراصل دو سو آنکھوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ بعض حشرات ایسے بھی ہیں جن کی آنکھیں ۲۷۰۰ آنکھوں سے مرکب ہوتی ہیں۔

عنکبوت:

مکڑی اپنا گھر (جالا) تاروں سے بناتی ہے۔ ہر تار دراصل چار باریک تاروں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ پھر ہر باریک تار ہزاروں تاروں سے تیار ہوتا ہے۔ بہ دیگر الفاظ جالے کا ہر تار چار ہزار تاروں سے بنتا ہے، مکڑی کے جسم میں چار ہزار باریک نالیاں ہیں۔ ہر نالی سے ایک تار نکلتا ہے۔ ذرا آگے چار سوراخ ہوتے ہیں۔

ہر سوراخ میں ایک ہزار تار داخل ہو کر ایک تار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ دم کے آخر میں صرف ایک نالی ہوتی ہے جس میں سے یہ چار تار گزر کر ایک دھاگہ بن جاتے ہیں۔

مکڑی چھت کے شہتیروں سے گوند نکال کر تاروں پر لگاتی ہے اور پھر ان تاروں سے اتنا مضبوط گھر بناتی ہے کہ باوجوداوھن البیوت (ضعیف ترین گھر) ہونے کے طوفان اور تند آندھیوں میں بھی نہیں ٹوٹتا۔

مکڑی مسدس شکل کا ایسا مکمل جالا تیار کرتی ہے جس کا ہر ضلع نصف قطر کے برابر ہوتا ہے۔ انسان نے مسدس شکل کا سبق اسی مہندس (مکڑی) سے لیا تھا۔

مکڑی جالا بنتے وقت ہر تار پر پانچ چھ مرتبہ آتی جاتی ہے اور ہر باریک نئے تار کا اضافہ کرتی ہے۔ اس طرح جالے کا ہر تار اس قدر مضبوط ہو جاتا ہے کہ مکڑی سے آٹھ گنا زیادہ وزن تھام سکتا ہے۔

جب کوئی مکھی اس جالے میں پھنس جاتی ہے تو مکڑی فوراً اسے ایک زہر سا پلا کر بے ہوش کر دیتی ہے تا کہ یہ تڑپ تڑپ کر جالے کو توڑ نہ ڈالے۔

مکڑی چھ ماہ تک بھوکی رہ سکتی ہے اور اس کی آٹھ آنکھیں ہوتی ہیں۔ یہ ایک وقت میں دو ہزار انڈے دیتی ہے۔ جنہیں ملائم اور سنہرے تاروں میں لپیٹ کر رکھتی ہے، مکڑی ایک ہی ہے لیکن ضروریات کے مطابق مختلف رنگ کے تار نکال سکتی ہے۔ ہر تار ریشم کے تار سے نوے گنا کم باریک ہوتا ہے۔

ہم ابھی تک مکڑی کے جالے کا استعمال معلوم نہیں کر سکے۔ جاپان میں ایک دفعہ اس سے جرابیں اور دستانے تیار کیے گئے تھے لیکن دیرپا نہ نکلے۔ صرف ایک فائدہ معلوم ہوا ہے وہ یہ کہ زخم سے بہتا ہوا خون اس سے روکا جا سکتا ہے۔

مکڑی کی اقسام:

مکڑی کی ایک قسم جو ہڑوں کے نیچے سفید گنبد نما گھر بناتی ہے، تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد پانی سے سر نکالتی ہے۔ تنفس کی خاطر ایک تھیلی ہوا سے بھر لیتی ہے اور پھر نیچے چلی جاتی ہے۔ مکڑی کی ایک اور قسم صرف پھلوں پر جالا تنتی ہے اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ پھل کے دشمن

حشرات کو پھل کے قریب نہ آنے دے۔ گویا یہ مکڑی خیمے میں رہنے والا ایک سنتری ہے جو رات

دن درخت پر پہرہ دیتا رہتا ہے۔

مکڑی کی ایک قسم مائیگیل (MY GALE) زمین میں ۱۰/۸ انچ گہرا اور ایک انچ گول گھر بنا کر اوپر مٹی کا دروازہ لگا دیتی ہے تا کہ گھر اور باقی زمین میں تمیز نہ ہو سکے پھر گھر کے اردگرد سبزیوں کے بیج لا کر بو دیتی ہے تا کہ گھر پر سایہ رہے اس دروازے میں سوراخ ہوتے ہیں جن میں پنجے ڈال کر دروازہ کھولتی ہے اور اگر کوئی دشمن حملہ کر دے تو انھی سوراخوں میں پنجے ڈال کر پوری طاقت سے اندر کی طرف کھینچتی ہے تا کہ دروازہ کھل نہ سکے۔ ایک لمبی چونچ والا پرندہ اسی مکڑی کی تاک میں رہتا ہے اور جوں ہی مکڑی گھر سے باہر نکلتی ہے پرندہ فوراً وہاں جا پہنچتا ہے اور لمبی چونچ ان سوراخوں میں ڈال کر بچوں وغیرہ کی تلاش کرتا ہے، چونکہ مکڑی اس خطرے سے پہلے ہی آگاہ ہوتی ہے، اس لیے وہ انڈوں اور بچوں کے لیے پہلو میں الگ الگ کمرہ تیار کرتی ہے جہاں اس پرندے کی چونچ نہیں پہنچ سکتی۔

ان حشرات کی اس عقل و دانش سے متاثر ہو کر ایک مغربی حکیم کہتا ہے:

"IN THESE THINGS, SO MINUTE, WHAT WISDOM IS DISPLAYED, WHAT POWER AND WHAT UNFATHOMABLE PERFECTION."

''ان بے مقدار اشیاء کی تکوین میں اللہ نے عقل و دانش، قوتِ تخلیق اور کمال صناعی کا کیا حیرت آفرین مظاہرہ کیا ہے۔''

حقیقتاً اعمال الٰہیہ پر غور کیے بغیر اللہ کی عظمت کا صحیح تصور قائم نہیں ہو سکتا ایک یورپی مفکر کہتا ہے:

"IN CONTEMPLATION OF THINGS BY STEPS WE MAY ASCEND TO GOD."

''مظاہرینِ تکوین پر غور کرنے کے بعد ہم یہ مدارج اللہ تک پہنچ سکتے ہیں۔''

قرآن حکیم میں عنکبوت کے ذکر کے بعد معاً یہ آیت آتی ہے:

تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ٥ (عنکبوت. ۴۳) ہم یہ مثال لوگوں کی خاطر بیان کر رہے ہیں اور انہیں صرف ارباب علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

ملاحظہ کیا آپ نے کہ رب العرش نے اعمال عنکبوت پر غور کرنے کا نام علم رکھا ہے۔ یہی وہ ایمان افروز علم ہے جس سے محروم رہ کر آج ہم پٹ رہے ہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَا ذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ٥ (یونس. ۱۰۱) اے رسول! اہل ایمان کو زمین و آسمان کے معجزات پر غور کرنے کا حکم دے۔ ایک بے ایمان (کائنات پر غور نہ کرنے والی) قوم کو کوئی ہدایت اور کوئی تنبیہ فائدہ نہیں دیتی۔

اس آیت میں کائنات پر غور نہ کرنے والی اقوام کو بے ایمان کہا گیا ہے۔ ایک مغربی عالم کیا پتے کی بات کہتا ہے:

"HE WHO CASTS HIMSELF ON NATURE'S FAIR FULL BOSOM DRAWS FOOD AND DRINKS FROM A FOUNTAIN THAT IS NEVER DRY."

''جو آدمی اپنے آپ کو فطرت کی حسین اور دودھ بھری چھاتیوں پر ڈال دیتا ہے، وہ ایک ایسے چشمے سے غذا اور پانی حاصل کرتا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔''

جو لوگ معجزات تخلیق سے غافل رہتے ہیں وہ اللہ کی صحیح عظمت رفعت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ ایک چھوٹی سی ترغیب بھی انہیں راہِ راست سے منحرف کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے یہ لوگ آزاد ہوا کے ہاتھ میں کھلونا بن کر دولت پرستی و حکام پرستی پر اتر آتے ہیں اور نہایت ذلیل مقاصد کی تکمیل میں شب و روز سرگرداں رہتے ہیں۔ مکڑی کی طرح ان کا کام مکھیوں کا شکار ہوتا ہے اور بس۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ج اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ط وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ٥ (عنکبوت. ۴۱) جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے تعلقات گانٹھ لیتے ہیں وہ اس مکڑی کی طرح ہیں جو (مکھیوں کے شکار کے لیے) جالا تن لیتی ہے کاش! انہیں معلوم ہوتا کہ مکڑی کا گھر دنیا میں کمزور ترین گھر ہے۔

پیر رومؒ ہمیں کس بلند مقامی کا پیام دیتے ہیں:

بزیر کنگرہ کبر یاش مرد انند

فرشتہ صید پیمبر شکار ، یزداں گیر

شہد کی مکھی:

شہد کی مکھی بہت حریص ہوتی ہے، ہر دکان اور ہر پھول سے شہد چرا لاتی ہے۔ بعض اوقات حلوائی کی کڑاہی میں گر کر ہلاک ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی اس قدر بوجھ اٹھا لیتی ہے کہ منزلِ مقصود سے ورے ہی مر جاتی ہے۔ ہر چھتے میں ایک ملکہ ہوتی ہے جو چھتہ تیار ہونے کے بعد اس پر اس شان سے ٹہلتی ہے کہ ساتھ ساتھ چند کنیزیں ہوتی ہیں اور ہر خانے میں منہ ڈال کر دیکھتی ہے کہ آیا مکمل ہو چکا ہے یا نہیں؟ اطمینان کرنے کے بعد انڈے دینا شروع کرتی ہے اس کے انڈے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک میں سے ملکہ، دوسری سے ملک اور تیسری سے کارکن (مزدور) پیدا ہوتے ہیں۔ مکھی ایک ہی ہے اور انڈے تین قسم کے دیتی ہے۔

اگر کسی حادثہ کی وجہ سے ملکہ مر جائے تو چھتے میں کوئی شہزادی موجود نہ ہو تو مکھیاں کسی مزدور زادی ہی کو ملکہ مقرر کر کے تربیت دینا شروع کر دیتی ہیں۔ اگر تمام چھتے میں کوئی انڈہ موجود نہ ہو تو مکھیاں دل شکستہ ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیتی ہیں۔ چھتہ اجڑ جاتا ہے اور تمام مکھیاں ہلاک ہو جاتی ہیں۔ کارکن مکھیوں میں نر و مادہ دونوں ہوتے ہیں، نر تلاش شہد میں جاتے ہیں اور مادہ مکھیاں گھر کو سنبھالتی ہیں۔

ملکہ کی موت پر مکھیوں میں زبردست ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے

نہایت بے تابی کے ساتھ سرگوشیاں کرتی نظر آتی ہیں۔

چھتے میں دو قسم کے خانے ہوتے ہیں، بڑے اور چھوٹے چھوٹے خانوں میں کارکن جنم لیتے ہیں اور بڑے شاہی نسل کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ سفید و نیلگوں انڈوں سے (جن میں سے ہر انڈا ۱/۱۲ انچ لمبا ہوتا ہے) کارکن مکھیاں پیدا ہوتی ہیں۔

جب ملکہ کسی خانے میں انڈا دیتی ہے تو دایہ مکھی نہایت احتیاط سے اس کی تربیت کرتی ہے اور خانے پر ایک سفید غلاف چڑھا دیتی ہے۔ جب بچہ جوان ہو جاتا ہے تو خانے کا منہ کھول دیتی ہے۔ بچہ باہر آ جاتا ہے۔ دایہ پہلے اسے چلنا پھرنا سکھاتی ہے اور پھر پھولوں تک اپنے ساتھ اڑا کر لے جاتی ہے اور واپس لاتی ہے۔

شاہی انڈوں کی تربیت نہایت احتیاط سے کی جاتی ہے اگر کسی وقت کوئی ایسی شہزادی پیدا ہو جائے جس کی ضرورت نہ ہو تو ملکہ اسے ڈنک لگا کر فوراً ہلاک کر دیتی ہے اگر ملکہ بوڑھی ہو کر ناکارہ ہو جائے تو کسی شہزادی کو ملکہ بنا لیا جاتا ہے اور بوڑھی ملکہ کو دھکیل کر چھتے سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔ ماتحت مکھیوں کی بدسلوکی سے گھبرا کر ملکہ بین کرتی ہے جو کئی گز کے فاصلے تک سنائی دیتا ہے۔ ان فریادوں میں اس قدر سوز ہوتا ہے کہ ہر مکھی خاموش، ملول اور بے حرکت ہو جاتی ہے۔ جوں ہی یہ بین ختم ہوتے ہیں تمام مکھیاں ملکہ کے گرد جمع ہو کر اسے ڈنک لگاتی ہیں اور ملکہ نہایت ذلت و رسوائی میں جان دے دیتی ہے۔

دنیا میں نا اہل، بے ہمت اور بے کار اقوام کا یہی حال ہوتا ہے جب تک کہ مسلمانوں میں صلاحیت حیات باقی تھی وہ آسٹریا، ممالکِ بلقان، جنوبی روس، نصف فرانس، سپین، شمالی افریقہ، سسلی، سائپرس، عرب، شام، عراق، ایران، ارضِ روم، افغانستان، ہندوستان، پاکستان اور بحرالکاہل کے جزائر پر حکمران رہے اور جب صلاحیت حیات کھو بیٹھے، خالی عقائد اور بے معنی اور اد و وظائف کو زندگی کا دستور العمل بنا لیا، محنت و مشقت سے کنارہ کشی کر لی، تلاش و طلب سے ہاتھ کھینچ لیا اور جذبۂ عمل سے بے گانہ ہو گئے تو اللہ نے ان کی بنیادیں ہلا دیں۔ اپنی حسین سرزمین سے اکھیڑ کر باہر پھینک دیا اور تخت سے اٹھا کر فرش پر دے مارا لیکن ادھر ہم ہیں کہ خیر الامم ہونے کا پندار دماغوں میں بدستور باقی ہے، اللہ اس قوم کو آنکھیں عطا کرے کہ یہ اپنی بری حالت کا مشاہدہ کر سکے:

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ o كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ o فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ o
یہ لوگ اسباق وآیات سے یوں دور بھاگتے ہیں جس طرح بدکے ہوئے گدھے شیر کو دیکھ کر دوڑ پڑیں۔ (مدثر. ۴۹. ۵۱)

رجوع بہ مطلب:

بعض اوقات ایک فالتو شہزادی کو اس لیے زندہ رکھا جاتا ہے کہ کسی نئے چھتے کی بنیاد ڈالی جائے اور یہ شہزادی ملکہ کے فرائض سرانجام دے۔

شہد کی مختلف قسمیں:

عام طور پر لوگ صرف زرد رنگ کے شہد سے واقف ہیں لیکن ماہرین نحل کہتے ہیں کہ سبز، سرخ اور ہلکے گلابی رنگ کے شہد بھی گاہے گاہے دیکھنے میں آتے ہیں۔

مغرب کے ایک حکیم مسٹر کیتی آر لوول (KATE R. LOVELL) نے جب قرآن کی یہ آیت دیکھی:

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ o ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ط یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ o

تیرے رب نے شہد کی مکھی کو یہ پیغام بھیجا کہ پہاڑوں، درختوں اور بیلوں میں اپنا گھر بنا۔ تمام پھلوں سے شہد حاصل کر اور اپنے رب کے دیئے ہوئے دستور العمل کو باقاعدگی سے بنا۔ ذرا دیکھو تو سہی کہ اس مکھی کے پیٹ سے ایک شربت نکلتا ہے جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں اور جس میں امراض کی شفا بھی ہے۔ مکھی کے ان اعمال میں ان لوگوں کے لیے کئی اسباق موجود ہیں جو صحیفۂ فطرت میں غور سے کام لیتے ہیں۔ (نحل. ۶۸. ۶۹)

تو حیرت زدہ ہو گیا کہ عرب کا یہ امی (فداہ ابی وامی) فطرت کا کتنا بڑا عالم تھا، چنانچہ لکھتا ہے:

"MUHAMMAD WAS A GREAT KING. AS MIGHTY CONQUEROR AND VERY CLEVER AND LEARNED MAN. FROM THE QURAN WE LEARN THAT HE WAS A LOVER OF NATURE AND THE HE KNEW SOMETHING OF BEES AND THE VALUE OF HONEY. HE SPEAKS OF BEES BUILDING NESTS FOR THEMSELVES AND PRODUCING HONEY OF VARIOUS COLOURS. THESE THINGS WERE NOT OBTAINED WITHOUT A CERTAIN AMOUNT OF INQUIRY AND OBSERVATION."

''محمد ﷺ ایک زبردست فرمانروا عظیم فاتح، بہت ہوشیار و باعلم تھے۔ قرآن سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ فطرت کے شیدائی، مکھیوں کے اعمال کے عالم اور شہد کے افادی پہلوؤں سے آگاہ تھے۔ وہ مکھیوں کے گھر بنانے اور مختلف اللون شہد تیار کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ علم تلاش و مشاہدہ کائنات کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔''

آنحضرت صلعم کو جس رنگ میں اس مغربی مفکر نے پیش کیا ہے وہ ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ ہمارے ہاں آنحضرت ﷺ کی انقلاب آفرین ہستی کا تخیل بس اتنا ہی ہے کہ شفاعت سے امت کے گناہ معاف کرا رہے ہیں اور ایک دفعہ درود شریف پڑھنے پر دس دس نیکیاں تقسیم کر رہے ہیں۔

شہد کی تلاش:

مکھی کا نچلا ہونٹ لمبا ہوتا ہے، یوں تو وہ سمٹا رہتا ہے لیکن پھول سے رس نکالتے وقت پھیل جاتا ہے اور پھول کی اندرونی تہوں تک سے رس سمیٹ لیتا ہے۔ مکھی اس رس کا کچھ حصہ تو پی جاتی ہے اور کچھ غذائی نالی کے قریب ایک تھیلی میں بھر لیتی ہے چھتے میں پہنچ کر اس رس کو جس پر

کچھ کیمیائی عمل بھی ہو چکا ہوتا ہے، خانوں میں انڈیل دیتی ہے۔

جب مکھی پھولوں سے رس نکال رہی ہوتی ہے اس وقت پھولوں کے ذرات منویہ (POLLON) مکھی کے پروں اور پیروں سے چمٹ جاتے ہیں اور یہ ذرات (جن میں میٹھا رس بھی ہوتا ہے) ان مکھیوں کی غذا بنتے ہیں جو چھتے سے باہر نہیں جاتیں۔ ان گھریلو مکھیوں کے پاس غذا والی تھیلی نہیں ہوتی، اس لیے کہ انہیں پکی پکائی مل جاتی ہے۔ مکھیاں پھول کی جڑ میں ڈنک لگا کر بھی رس چوس لیتی ہیں۔

جب موسم سرما میں عموماً پھول جھڑ جاتے ہیں اور ان کے پاس غذا کے لیے چھتے کے سوا کچھ نہیں ہوتا تو نکمی اور سست مکھیوں کی شامت آ جاتی ہے۔ کارکن مکھیاں انہیں ڈنک سے ہلاک کر دیتی ہیں۔ سچ ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ جس کے اعمال کا وزن تھوڑا ہو (یعنی کاہل و بے کار) اسے جہنم کے سپرد کیا جاتا ہے۔ (قارعة. ۸. ۹)

موم:

مگس شہد تازہ کونپلوں سے ایک قسم کا گوند نکال لاتی ہے۔ موم کے ساتھ ملا کر خانے تیار کرتی ہے۔ اگر شہد کی آمد بڑھ جائے اور خانے کم ہوں تو موم بنانے کے لیے مکھیوں کو بڑی قربانی کرنی پڑتی ہے، وہ یوں کہ درجن بھر مکھیاں ایک دوسرے کے پروں کو اگلی ٹانگوں سے مضبوط تھام کر چوبیس گھنٹے کے لیے لٹک جاتی ہیں۔ اس عرصے کے بعد کسی کیمیائی عمل سے ان کی تھیلیاں جو پیٹ کے نیچے ہوتی ہیں، موم سے بھر جاتی ہیں۔

تھوڑی جگہ اور تھوڑے سے وقت میں زیادہ خانے تیار کرنے کے لیے مکھی چھ کونے خانے بناتی ہے۔ شکل ملاحظہ ہو:
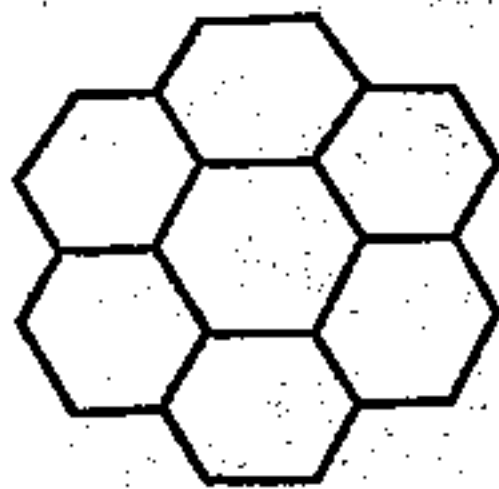
"SO WORK THE HONEY BEES, CREATURES, THAT BY A RULE IN NATURE TEACH THE ACT OF ORDER TO THE KINGDOM OF PEOPLE."

یہ ہیں مگس شہد کے اعمال، یہ ننھی سی مخلوق الہام الٰہی کے طفیل انسانی دنیا کو ضبط و باقاعدگی کا سبق سکھلاتی ہے۔ (مغرب کا ایک حکیم)

نحل کے پَر:

نحل کے چار پر ہوتے ہیں۔ اڑتے وقت پچھلے پر اگلے پروں کے ساتھ چند کنڈیوں کے ذریعے پھنس کر ایک پر کی طرح بن جاتے ہیں۔ ان پر ملائم سی پشم ہوتی ہے تا کہ بارش کے قطرے اوپر سے بہہ جائیں اور پر نہ بھیگنے پائیں پروں کے نیچے نالیوں میں ہوا بھری ہوتی ہے تا کہ پرواز میں آسانی رہے۔

جب گرمیوں میں چھتہ تپ جاتا ہے اور شہد کے بہہ جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے تو چند مکھیاں پروں سے ہوا دے کر چھتے کو ٹھنڈا کرتی ہیں۔

آنکھیں:

نحل کی پانچ آنکھیں ہوتی ہیں۔ تین سر کی چوٹی پر اور دو سر کے دائیں بائیں ان میں سے ہر آنکھ ساڑھے تین ہزار آنکھوں کا مجموعہ ہوتی ہے، یعنی اس میں ہر چیز کی ساڑھے تین ہزار تصاویر اترتی ہیں۔ یہ آنکھیں ہماری آنکھوں کی طرح ادھر ادھر حرکت نہیں کر سکتیں یہ غالباً اس لیے کہ تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے گردش کیے بغیر ہر طرف دیکھ سکتی ہیں۔

سر والی آنکھوں کا تعلق کچھ پرواز سے بھی ہوتا ہے۔ اس مکھی کا قاعدہ ہے کہ پہلے آسمان کی طرف اڑتی ہے اور پھر ایک طرف کو خطِ مستقیم بناتی ہے، ایک مرتبہ ایک عالم فطرت نے چند مکھیوں کے سر پر رنگ چھڑک دیا تا کہ سر والی آنکھیں بے کار ہو جائیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکھیاں سیدھی آسمان کی طرف اڑ گئیں اور کسی جانب کو خطِ مستقیم نہ بنا سکیں۔

ڈنک:

جب مکھی کسی جسم میں ڈنک چبھو دیتی ہے تو ڈنک اندر ہی رہ جاتا ہے مکھی اڑ جاتی ہے اور بعد میں مر جاتی ہے۔ یہ کیوں، اس لیے کہ آلۂ حفاظت سے محروم ہو جاتی ہے اور قدرت کے اس اٹل آئین کے مطابق (کہ جو اقوام اپنی حفاظت خود نہیں کر سکتیں وہ مٹا دی جاتی ہیں) وہ ہلاک ہو جاتی ہیں۔

ایک مغربی مفکر اعمال نحل پر مدتوں غور کرتا رہا۔ ذرا اس عالم فطرت کے تاثرات ملاحظہ ہوں۔ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

"HOW MIGHTY AND HOW MAJESTIC ARE THY WORKS AND WITH WHAT A PLEASANT DREAD THEY SWELL THE SOUL."

''اے رب! تیرے اعمال کس قدر عظیم ہیں جو ہماری روح میں ایک خوشگوار خوف (خشیہ) پیدا کر کے اسے بلند بنا دیتے ہیں۔''

اس انگریز کے یہ تاثرات مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ معلوم ہوتے ہیں:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ اللہ کا خوف صرف علمائے فطرت کے دل میں پیدا (فاطر۔ ۲۸) ہو سکتا ہے۔

یادِ خُدا:

قرآن حکیم میں اللہ کو یاد کرنے کا بار بار حکم دیا ہے۔ ہمارے ہاں اس حکم کی تفسیر یہ ہے کہ ایک لمبی تسبیح لے کر روزانہ ایک ہزار مرتبہ اللہ اللہ جپ چھوڑو اور خلاصی ہوئی۔ اس بے کیف و بے لذت ذکر کا کوئی فائدہ؟ ہم غالب و اقبال کے اشعار پڑھتے ہیں تو ہر شعر پر بے ساختہ آہ یا واہ نکل جاتی ہے۔ یہ صحیفۂ کائنات اللہ کا ایک دیوان ہے۔

خندۂ شبنم ، بہارِ گل ، فروغ مہر و ماہ
واہ کیا اشعار ہیں دیوانِ فطرت کے لیے

(جوش ملیح آبادی)

جہاں ہر طرف رنگین، وجد آور اور حسین شعر بکھرے پڑے ہیں۔ حیرت ہے کہ ان سے متاثر ہوئے بغیر ایک انسان کیونکر پاس سے گزر جاتا ہے اور پھر حجرے کے تاریک گوشے میں وہ کون سی نیرنگیاں موجود ہیں جن سے متاثر ہو کر یہ اللہ کے نعرے لگاتا ہے، اللہ کے اشعار تو بحر و بر میں، دشت و جبل میں اور اس حسین ارض و سماء میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ہمارا ذکرِ خدا ایک تاریک کونے میں آدھی رات کو شروع ہوتا ہے۔

میرے نزدیک ذکرِ خدا اس خشیہ، اس رعب، اس کیف اور اس آہ یا واہ کا نام ہے جو اس اعمال پر غور کرنے کا حتمی نتیجہ ہے اور جس میں کسی ہو ہو کی قطعاً گنجائش نہیں:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ○

(اعراف. ۲۰۵)

تم اپنے رب کو دل میں یاد کرو۔ یہ یاد اس خشوع و خشیہ کا نتیجہ ہوتی ہے جو اعمالِ الٰہی کے مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ صبح و شام اونچے اونچے نعرے لگانے کی ضرورت نہیں اور دیکھو اعمالِ الٰہی سے غافل نہ ہو جانا۔

یہی وہ ذکرِ خدا ہے، جس سے دل دہلتے ہیں۔

اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ط

(انفال. ۲)

اعمالِ الٰہی کا ذکر سن کر ان کے دل کانپ جاتے ہیں۔

اور یہی وہ آیات ہیں جن سے ایمان بڑھتا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ط قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ. (انعام. ۳۷. ۳۸)

وہ کہتے ہیں کہ اللہ رسول پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کرتا۔ اے رسولؐ! انہیں کہہ دے کہ اللہ کو معجزات اتارنے کی طاقت حاصل ہے لیکن یہ لوگ بڑے بے علم و جاہل ہیں۔ کیا دیکھتے نہیں کہ زمین پر چوپاؤں کی ایک دنیا آباد ہے اور ہوا میں رنگ برنگ پرندے اڑ رہے ہیں جن کی فنا و بقا کا آئین تمہاری ہی طرح ہے۔

تو کیا یہ طیور و حیوانات معجزے نہیں؟ یقیناً ہیں لیکن جہالت اور اندھے پن کا کوئی علاج نہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ (یوسف. ۱۰۵)

ارض و سماء میں معجزات کی ایک دنیا موجود ہے لیکن یہ لوگ غافلوں کی طرح منہ پھیر کر پاس سے گزر جاتے ہیں۔

مچھر:

مچھر کے منہ کے سامنے ایک مودار نالی سی ہوتی ہے جس سے جسم میں سوراخ کر کے اندر زہر داخل کیا کرتا ہے، اس کے انڈوں کی غذا خوردبینی حیوانات ہوتے ہیں۔ یہ انڈے ہوا حاصل کرنے کے لیے سطح آب پر آ جاتے ہیں۔ منہ پانی کے اندر اور دم باہر رکھتے ہیں۔ دم میں تنفس کے لیے ایک سوراخ ہوتا ہے جب مچھر انڈوں سے نصف باہر آتے ہیں تو پھر تنفس کے لیے ان کی پیٹھ میں ایک سوراخ بن جاتا ہے۔ ولادت کے وقت انڈے سطح پر آ جاتے ہیں۔ حرارتِ آفتاب سے انڈوں کے خول خشک ہو کر پھٹ جاتے ہیں اور مچھر باہر آ جاتے ہیں اور جب سورج کی گرمی سے ان کے پر خشک ہو جاتے ہیں تو اڑ جاتے ہیں۔

ولادت کے وقت ہر انڈا ایک طرف سے کھل جاتا ہے اگر مچھر ذرا بھی حرکت کرے تو اس خول میں پانی بھر جائے اور مچھر ہلاک ہو جائے، مچھر کو یہ سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے

بے حس سا ہو کر نہایت سکون سے پڑا رہتا ہے۔ اگر کسی وقت آندھی چل پڑے تو یہ تمام خول دفعتًا ڈوب جاتے ہیں۔ ہوا کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر روز سینکڑوں من مچھروں کے بچے جھیلوں اور جوہڑوں میں غرق کر دیتی ہے ورنہ یہ حقیر سی مخلوق انسانی زندگی کو وبال بنا دیتی۔

انسان جیسی مدبر اور ذی عقل مخلوق کا مچھر سے مغلوب ہونا الٰہی کارفرمائی کا ایک عظیم الشان کرشمہ ہے۔ رات کے وقت یہ تمام مخلوق کے ناک میں دم کر دیتا ہے۔ تمام بستیوں پر اسی کی حکومت ہوتی ہے۔ بادشاہ تک اس سے کانپتے ہیں اور مچھر جالیوں کے قلعوں میں چھپتے پھرتے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ اس کے پاس طاقت کا ایک زبردست اوزار، یعنی زہریلا پمپ ہے اور دنیا کی حاکم ایسی ہی اقوام ہوا کرتی ہیں جن کے پاس اپنوں کے لیے تریاق اور اعداد کے لیے زہر ہلاہل موجود ہو۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ. مومن اللہ کے نافرمانوں کے مقابلہ میں سخت اور (فتح۔ ۲۹) اپنوں کے سامنے بہت نرم ہوتا ہے۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

(اقبالؒ)

ایک بت تراش کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ سنگ مرمر سے ہاتھی، گھوڑے یا اونٹ کا مجسمہ تراش لے لیکن یہ قطعاً ناممکن ہے کہ وہ مچھر کا مجسمہ تیار کر سکے۔ اس کی آنکھیں، سر، سونڈ، ٹانگیں، رگیں، انتڑیاں، پر اور بال تیار کرنا اس صانع کی طاقت سے وراء الورا ہے۔ ادھر اللہ تعالیٰ کا کمالِ صناعی دیکھئے کہ مچھر سے سینکڑوں گنا چھوٹے حشرات خلق کر کے انہیں ہر لحاظ سے مکمل بنا دیا۔ وہ چل رہے ہیں، دوڑ رہے ہیں اڑ رہے ہیں۔ الٰہی خلاقی کا کمال دیکھنا ہو تو ان حقیر چیزوں کو دیکھو۔ انصافاً فرمائیے کہ اگر خلق و تکوین کے ان شاہکاروں کا ذکر قرآن حکیم میں آ جائے تو کون سی عیب کی بات ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ج فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَا ذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ط يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ط وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ٥ (بقرة. ۲۶)

اللہ سبحانہ مچھر کے ذکر سے کیوں شرمائے؟ کائنات کے عالم جانتے ہیں کہ اللہ حقیقت بیان کر رہا ہے لیکن جاہل نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتے ہیں: ارے! یہ قرآن میں مچھر کا ذکر کیوں آ گیا۔ حقائق پر غور کرنے والے ہدایت پا جاتے ہیں اور باقی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ یہ بھٹکنے والے فاسق ہیں۔

مکھی:

مکھی کئی لحاظ سے مفید ہے، یہ دنیا کی صفائی پر متعین ہے۔ ہم انسان سطح زمین کو غلیظ بناتے ہیں اور یہ غلاظت کو چاٹ کر صاف کرتی ہے۔ جہاں غلاظت زیادہ ہو، وہاں قدرت کے یہ جاروب کش بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ صاف کمروں میں مکھیاں نہیں ہوتیں، اس لیے کہ وہاں ان کی خدمات کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جو کام کہ میونسپلٹی کے خاکروب نہیں کر سکتے، اسے مکھی سرانجام دیتی ہے جس طرح خاکروب کی ذات میں ناپاکی نہیں بلکہ اس کے کام میں ہوتی ہے، اسی طرح مکھی خود کوئی بری چیز نہیں بلکہ انسانی غلاظت کو صاف کرنے کی وجہ سے اس کی ٹانگیں اور پر گندے ہو جاتے ہیں۔ مردار کو کھانے والے سفید کیڑے مکھی ہی کے انڈوں سے نکلتے ہیں۔

بعض جانور انڈوں کو کچھ عرصے تک سیتے رہتے ہیں لیکن مکھی کو انڈوں پر بیٹھنے کی فرصت نہیں ہوتی، اس لیے یہ انڈے دے کر چلتی بنتی ہے اور قدرت خود اس کے بچے نکالنے کا انتظام کرتی ہے۔

مکھی ایک سیکنڈ میں چھ سو مرتبہ پر مارتی اور پانچ فٹ کی مسافت طے کرتی ہے، ایک گھنٹے میں اٹھارہ ہزار فٹ اڑتی ہے۔ اگر مکھی ڈر جائے تو اس کی رفتار بیس میل فی گھنٹہ تک پہنچ جاتی ہے۔

تنفس کے لیے مکھی کے پیٹ میں دو سوراخ ہوتے ہیں، جو بالوں سے ڈھکے رہتے

ہیں تاکہ گردوغبار اندر نہ آسکے۔ مکھی میں سونگھنے کی طاقت بہت تیز ہوتی ہے لیکن ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کہاں سے سونگھتی ہے۔

مکھی الٹی ہو کر چھت پر کیسے چلتی ہے؟ ہنوز ایک معمہ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کی ٹانگوں میں باریک کنڈیاں سی لگی ہوتی ہیں جنہیں لکڑی وغیرہ کے مساموں میں پھنسا لیتی ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی ٹانگوں سے ایک لیس دار رس نکلتا ہے جس کی بدولت یہ چھت وغیرہ سے چپکی رہتی ہے۔

مکھی کی پانچ آنکھیں ہوتی ہیں اور ہر آنکھ چار ہزار چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے مرکب ہوتی ہے شکل تقریباً یہ ہے:
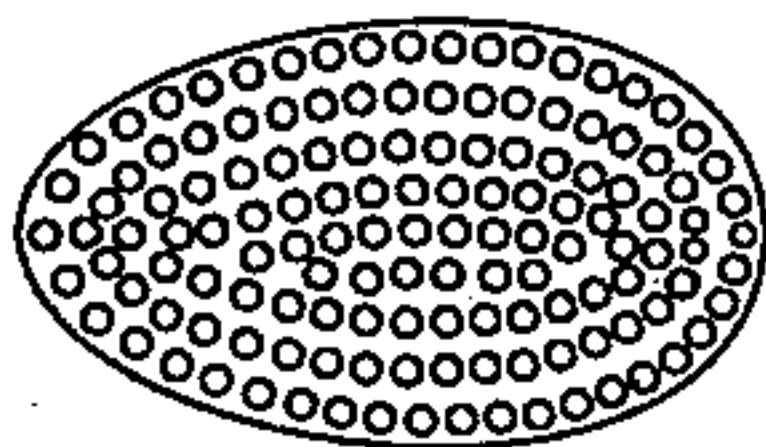
جب انڈے میں بچہ تیار ہو جاتا ہے تو مکھی سر کی ٹکر سے انڈے کو پھوڑ دیتی ہے اور بچہ باہر آ جاتا ہے۔ اس کے پر بھیگے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ اگلی ٹانگوں سے پروں کو خشک کرتا ہے اور پھر اڑ جاتا ہے۔ مکھی کی عمر تقریباً ایک مہینہ ہوتی ہے۔ اس عرصے میں بے شمار انڈے دیتی ہے۔ علمائے فطرت نے اندازہ لگایا ہے کہ صرف ایک موسم میں ایک مکھی کی نسل بیس لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔

قدرت کی پاکیزہ اشیاء کو انسان کھاتا ہے۔ انسان کی خارج کردہ غلاظت مکھیوں کی غذا بنتی ہے۔ مکھیوں کو دوسرے حشرات وطیور کھا جاتے ہیں۔ بہ دیگر الفاظ نباتات حیوانات کی غذا ہیں۔ حیوانات ہماری غذا، اور ہم مرنے کے بعد چھوٹے چھوٹے کیڑوں کی غذا بن جائیں گے۔ اس اندوہ ناک انجام سے بچنے کا راستہ صرف ایک ہی ہے کہ ہم حدودِ زمان ومکان کو توڑ کر جاوداں بن جائیں:

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں ، جن کا نہیں کوئی نام
(اقبالؒ)

انسان طیارے بنا سکتا ہے لیکن درخت سے گرے ہوئے پتے کو اپنی جگہ نہیں چپکا سکتا۔ ایک مکھی تک نہیں بنا سکتا۔ محکمہ خلق اللہ کا ''ہوم ڈیپارٹمنٹ'' ہے جس میں انسان دخل نہیں دے سکتا۔

طاقت کو اعتراف شکست:

مکھی کے پاس پر ہیں، کئی ہزار آنکھیں ہیں، لیکن عنکبوت جیسا بے بس جانور اس پر قابو پالیتا ہے۔ دوسری طرف مکھی ہمیں تمام دن ستاتی ہے۔ نہ آرام سے سونے دیتی ہے اور نہ کام کرنے دیتی ہے۔ ہماری غذا کی پاکیزگی و نفاست ہم سے چھین لی جاتی ہے اور ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر انسان مکھی کے سامنے یوں بے بس ہے تو الٰہی قانون کی مخالفت اسے اللہ سے کیسے بچا سکے گی۔

يٰأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ط اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ط وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ط ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (حج ۷۳۔۷۴)

اے لوگو سنو! ہم تمہیں ایک کام کی بات سناتے ہیں جو لوگ اللہ کے بغیر تمہارے معبود بنے بیٹھے ہیں وہ تمام مل کر ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ واپس نہیں لے سکتے عابد و معبود ہر دو بے بس ہیں۔ کائنات میں صرف اللہ ہی غالب و طاقت ور ہے۔

زنبور سیاہ:

یہ زنبور مٹی سے گھر بناتی ہے اور اپنے بچوں کے لیے کیڑے مکوڑے پکڑ لاتی ہے۔

انہیں ڈنک سے بے ہوش کر دیتی ہے تاکہ بھاگ نہ جائیں اور ڈنک صرف اتنا لگاتی ہے کہ وہ جیتے رہیں، اس لیے کہ اگر مر جائیں تو اس کے گھر میں بدبو پھیل جائے۔

کرائیسس (CHRYSIS)

یہ ایک خوبصورت مکھی ہے۔ دم سنہری اور پر سبز ہوتے ہیں اس کا رنگ ہر موسم میں بدلتا رہتا ہے۔ یہ مکھی اپنے انڈے ایک اور قسم کی مکھی کے گھر میں دیتی ہے۔ جب گھر کی مالکہ باہر سے آ کر ایک اجنبی کو اپنے آشیانے میں دیکھتی ہے تو اسے ڈنک سے فوراً ہلاک کر دیتی ہے۔ اس خیال سے کہ اس کی نسل باقی رہ گئی۔ یہ مکھی بہ خوشی جان دے دیتی ہے۔ جب اس کے بچے پیدا ہوتے ہیں اور ساتھ ہی گھر والی کے بچے بھی نکل آتے ہیں۔ تو کرائیسس کے بچے ماں کا انتقام لینے کے لیے آشیانے کی تمام غذا جلدی جلدی ختم کر ڈالتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مالکہ کے بچے بھوکے مر جاتے ہیں۔

بلیک بیٹل (BLACK BEETLE)

اس کی مادہ جب انڈوں پر آتی ہے تو اپنے جسم سے ایک رس نکال کر ایک ٹوپی سی بناتی ہے جس میں چھوٹے چھوٹے سولہ کمرے ہوتے ہیں۔ ہر کمرے میں ایک انڈا رکھ دیتی ہے اور اوپر سے بند کر دیتی ہے۔ جب بچے تیار ہو جاتے ہیں تو اپنی تھوک سے اس غلاف کو بھگو کر نرم کرتی ہے غلاف پھٹ جاتا ہے اور بچے باہر آ جاتے ہیں۔ یہ بچے چار سال میں کامل بنتے ہیں اور اس عرصے میں سات دفعہ جلد بدلتے ہیں۔ ان کا رنگ سیاہ ہوتا ہے لیکن جلد بدلنے کے بعد چند دن تک سفید رہتے ہیں۔ یہ کھٹملوں کو کھاتے ہیں اور خود چوہوں، بلیوں اور بعض پرندوں کی غذا بن جاتے ہیں۔ زرد رنگ کے پیرا سائٹ (PARASITES) تمام عمر ان کی پیٹھ پر سوار رہتے ہیں اور ان کا خون چوستے ہیں۔

یہ مکوڑا پرانے زمانے سے چلا آتا ہے۔ پہاڑوں سے اس کی اسی انواع کے قشر دستیاب ہو چکے ہیں۔ ہمیں اس کا نافع پہلو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا اور علمائے حشرات کی رائے

بدستور یہی ہے کہ یہ غیر اصلح کا بقا ہے۔ ممکن ہے کہ چند صدیوں کے بعد علم کی ترقی اس غلط فہمی کا ازالہ کر سکے۔

کرین فلائی (CRANEFLY):

یہ اپنی دم نرم زمین میں ڈال کر دو انڈے دیتی ہے اور سو انڈے دینے کے بعد مر جاتی ہے۔

ٹڈی:

یہ خاکی رنگ کا مونچھوں والا جانور ہمارے ریشمی کپڑوں کا دشمن ہوتا ہے۔ شام کے وقت کان لگا کر سنو۔ کیا سریلی آواز آرہی ہے۔ یہ آواز نر کی ہے جو مادہ کو گیت سنا رہا ہے۔ اس کا دماغ گردن کے پیچھے ہوتا ہے۔ اس کی بعض انواع اڑتی بھی ہیں۔ بعض کے کان ٹانگوں کے ساتھ اور سوراخ ہائے تنفس پہلو میں ہوتے ہیں۔ حشرات عموماً بہرے ہوتے ہیں لیکن ٹڈی سن سکتی ہے۔ دلیل یہ کہ جب گا رہی ہو اور پاس سے کوئی آدمی بول اٹھے تو فوراً چپ ہو جاتی ہے، اگر کسی مکوڑے وغیرہ سے اس کی لڑائی ہو جائے تو اپنے تیز دانتوں سے اس کا گلا کاٹ ڈالتی ہے اور نوش جان کر کے پھر گانے لگ جاتی ہے۔

دیمک کی ایک قسم:

یہ چیونٹیاں جنوبی افریقہ اور امریکہ کے بعض حصوں میں پائی جاتی ہیں۔ پندرہ سے لے کر بیس فٹ تک اونچا گھر بناتی ہیں۔ ان کے اونچے اونچے مخروطی شکل کے گھر دور سے یوں نظر آتے ہیں، گویا دہقانوں کے گلی جھونپڑے ہیں۔ ہر گھر محرابوں پر اٹھایا جاتا ہے۔ چھتیں اس قدر مضبوط ہوتی ہیں کہ کئی آدمیوں کا بوجھ سہار سکتی ہیں۔ ہر گھر کے مرکز میں ملک و ملکہ رہتے ہیں، اردگرد مزدوروں کے کمرے ہوتے ہیں۔ ان سے آگے دایہ جماعت کے کمرے اور پھر گودام۔ اس گھر کا کوئی دروازہ نہیں ہوتا اور نہ ان چیونٹیوں کی آنکھیں ہوتی ہیں، اسی لیے مٹی کے نیچے رہتی ہیں تا کہ پرندوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ اگر سفر کا ارادہ کریں تو مٹی کی ایک سرنگ بنا بنا کر اندر اندر چلتی

ہیں ان کے بعض افراد روشنی میں چلنے پھرنے کی وجہ سے صاحبِ نظر ہوتے ہیں۔

مردوں کے دانت اس قدر مضبوط رہتے ہیں کہ لکڑی کو چند دقیقوں میں ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں، ان کی ملکہ ایک چھوٹے کمرے میں بند رہتی ہے۔اس کمرے کا دروازہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ملکہ باہر نہیں نکل سکتی اسے غذا اندر ہی پہنچادی جاتی ہے چونکہ یہ ساری قوم اندھی ہوتی ہے اور انہیں خطرہ ہوتا ہے کہ ملکہ کہیں آگے پیچھے نہ ہو جائے، اس لیے اسے کمرے میں بند کر دیتے ہیں۔ بلکہ روزانہ اسی ہزار انڈے دیتی ہے اور آرام طلبی کی وجہ سے انسانی انگوٹھے جتنی موٹی ہو جاتی ہے۔

اگر ان چیونٹیوں کو انسانی قد و قامت دے کر بقدر جثہ مینار بنانے کی طاقت بھی بڑھا دی جائے تو یہ ۲۸۸۳ فٹ اونچا مینار تیار کر سکیں گی۔ مصر کا سب سے بڑا مینار چار سو فٹ بلند ہے۔

جگنو:

مادہ کی دم سے زیادہ روشنی نکلتی ہے اور نر سے بہت کم۔ مادہ نر سے بڑی اور بے پر ہوتی ہے۔ نر کی آنکھیں بڑی ہوتی ہیں تا کہ کافی فاصلہ سے مادہ کو دیکھ سکے۔ مادہ اپنی روشنی سے حملہ آوروں کو ڈرا سکتی ہے اور نر کے پاس یہ حفاظتی ٹارچ تقریباً نہیں ہوتا۔ اس لیے اسے پر عطا ہوئے۔

مادہ روشنی سے تین فائدے اٹھاتی ہے۔ ا۔ دشمنوں سے حفاظت۔ ۲۔ روشنی میں تلاش غذا۔ ۳۔ اور کہ دور سے نر کو نظر آتی رہے۔

روشنی حرارت سے علیحدہ نہیں ہو سکتی لیکن جگنو کی روشنی اس کلیہ سے مستثنٰی ہے اگر اس کی روشنی میں حرارت ہوتی تو یہ ہر خشک و تر کو آگ لگا دیتا اور ہر روز آتش زدگی کے لاکھوں افسوس ناک واقعات رونما ہوتے اگر اللہ آج جگنو کی روشنی میں حرارت بھر دے تو ہر طرف آگ کے شعلے بھڑک اٹھیں اور یہ حسین کائنات جل کر خاکستر ہو جائے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ ط (فاطر. ۴۵) اگر اللہ انسانوں کو ان کے اعمال کی سزا دینا چاہیے تو سطح زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے۔

پسو:

اہل شام سقراط سے مذاق کیا کرتے تھے کہ یہ تمام دن پسو کی چھلانگ ناپتا رہتا ہے۔ یہ مذاق کی بات نہیں، بلکہ مقامِ حیرت ہے کہ اتنا چھوٹا سا پسو اتنی اونچی چھلانگ کیسے لگا سکتا ہے؟ یہ اپنے جسم کی لمبائی سے دوسو گنا زیادہ کود سکتا ہے اگر ایک آدمی بھی اتنا کود سکتا تو گیارہ سو فٹ تک ہوا میں اونچا جاتا۔

جنوبی امریکہ میں ایک پسو جسم میں سوراخ کر کے نیچے چھپ جاتا ہے اور بے حد دکھ کا باعث بنتا ہے۔ سنا ہے کہ اگر ایک پودے (WARM WOOD) کو کمرے میں رکھا جائے تو پسو بھاگ جاتے ہیں۔

کالی بھڑ:

گوبر وغیرہ پر آپ نے کالی کالی بھڑیں دیکھی ہوں گی جو گوبر کی گولیاں بنا کر ادھر ادھر جا رہی ہوتی ہیں اگر راہ میں کوئی چٹان وغیرہ آجائے اور یہ گولی گر جائے تو بھڑ نیچے آ کر پھر کوشش کرتی ہے کہ آخر کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس گولی میں ایک انڈہ ہوتا ہے اور یہ گوبر پیدا ہونے والے بچے کی خوراک بنتا ہے۔

قدیم مصریوں نے اس بھڑ کی محنت و مشقت سے متاثر ہو کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ پتھروں، زیوروں، عمارتوں اور سکوں پر اس کی تصویر بناتے اور اسے شب و روز سال و ماہ اور آفتاب و زمین کا پیکر خیال کرتے تھے۔

اس بھڑ کے سر پر پانچ کلغیاں سی ہوتی ہیں جنہیں مصری سورج کی کرنوں سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس کی گولی بنانے کو یوں سمجھا جاتا تھا کہ گویا خدا زمین بنا رہا ہے۔ اس کی چھ ٹانگوں اور ایک سر (۶+۱=۷) کو ہفتہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی ہر ٹانگ پر پانچ دندانے سے ہوتے ہیں جنہیں (۶×۵=۳۰) ایک ماہ قرار دیا جاتا تھا۔ یہ جانور دو مفید کام کرتا ہے: اول سطح زمین کو صاف کرتا ہے، دوم ان گولیوں کو زمین میں دفن کر کے زمین کو زرخیز کرتا ہے۔

اس غریب مخلوق کو مدافعت کے لیے نہ ڈنک دیا گیا ہے اور نہ تیز دانت، ہاں ایک فریب ضرور دیا گیا ہے (اور وہ یہ کہ جوں ہی اسے چھیڑا جائے، یہ فوراً سانس کھینچ کر زمین پر یوں بے حس لیٹ جاتی ہے کہ گویا غریب کا دم نکل چکا ہے حملہ آور اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے اور چونکہ داؤ کھیلتے وقت یہ زمین پر چت لیٹ جاتی ہے، اس لیے اس کی گندی ٹانگوں کی بدبو سے حملہ آور دور ہٹ جاتا ہے اور یہ کچھ دیر کے بعد اٹھ کر اپنی راہ لیتی ہے۔

کوچی نیل (COCHINEAL):

مشرقی اندلس میں ایک کیڑے سے سرخ رنگ حاصل کیا جاتا ہے اسی نوع کا ایک کیڑا درختوں کی ٹہنیوں اور تنوں کو منہ سے کاٹتا ہے۔ درخت سے ایک رس نکلتا ہے جسے یہ کیڑے بطور غذا اور انسان لاکھ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کیڑوں کی ولادت سے پہلے ان کی ماں مر جاتی ہے۔ بچے مردہ ماں کے پیٹ میں پلتے رہتے ہیں اور جوان ہو کر باہر آجاتے ہیں۔

بیلوں کی مکھی:

یہ مکھی بیل کے جسم کو کاٹ کر اندر انڈے دیتی ہے۔ جب بچے نکل آتے ہیں تو یہ اپنی دم سوراخ سے باہر رکھتے ہیں تاکہ زخم مل نہ جائے اور یہ اندر ہی پھنس کر رہ نہ جائیں۔ جب نیم جوان ہو جاتے ہیں تو بیل کے جسم سے گر کر مٹی کے نیچے چھپ جاتے ہیں اور پھر مکمل ہو کر باہر آتے ہیں۔

ان مکھیوں کی ایک نوع بھیڑ کی ناک میں انڈے دیتی ہے، بچے غذا کے لیے دماغ میں چلے جاتے ہیں اس عرصے میں بھیڑ بہت زیادہ چھینکتی اور دکھ اٹھاتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ زمین پر گر پڑتے ہیں اور کامل بن کر اڑ جاتے ہیں۔

درختوں کی مکھی:

یہ مکھی درخت کی شاخوں کو زہر بھرا ڈنک لگاتی ہے اور معاً ایک انڈا دیتی ہے۔ اس زہر سے شاخ کا یہ حصہ سوج جاتا ہے اور بعد میں یہی سوجا ہوا حصہ بچے کی غذا بنتا ہے۔

تو یہ ہیں دنیائے حشرات کے چند اسباق جن سے ہم آنکھیں بند کر کے گزر جاتے

ہیں۔ذرااس تنبیہ پرغور فرمایئے:

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ o (سبا.۹)	کیا یہ لوگ اپنے آگے پیچھے ارض سما کے عیاں و نہاں معجزات پر غور نہیں کرتے؟ اگر ہم چاہیں تو انہیں اسی زمین میں دھنسا دیں یا بام فلک کو ان کے سروں پر گرادیں۔ہماری اس تنبیہ سے صرف خداپرست فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

ل نمل چیونٹی کے علاوہ ایک قوم کا نام بھی ہے جو یمن کے قریب وادی نیل میں بستی تھی، اسی طرح مازن جس کے معنی چیونٹی کا انڈا ہیں۔عرب کی ایک مشہور قوم کا نام تھا۔

ل منتہی الارب میں نمل کے متعلق لکھا ہے۔ازاعلام است نمل، علَم یعنی خاص نام (PROPER NOUN) کے طور پر بھی بولا جاتا ہے۔قاموس میں ہے کہ ابرقہ نملہ کے چشموں سے ہے اس سے بھی معلوم ہوتا کہ نملہ ایک قوم کا نام ہے اس وادی پر ایک ملکہ حکمران تھی۔وہ حضرت سلیمانؑ کے استقبال کو آئی اور ان کو ان کی فوج سمیت وادی میں لے گئی اور اپنی رعایا کو حکم دیا کہ اپنے مکانوں میں داخل ہو جاؤ اور سلیمانؑ اور اس کی فوج کے لئے راستہ خالی کر دو۔ایسا نہ ہو کہ تم ان سے الجھ پڑو اور وہ تمہیں کچل ڈالیں۔حضرت سلیمانؑ اس کی بات سُن کر مسکرائے کہ ہم سلیمان ہیں یعنی سلامتی پھیلانے والے حاکم۔ہم عاجزوں سے ایسا برتاؤ نہیں کرتے (بیان للناس مخلصا) سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا کوئی شخص اپنی رفتار میں کیڑوں مکوڑوں کو کچلے بغیر زمین پر چل سکتا ہے؟ پھر سلیمان جو کثیر التعداد لشکروں کو لے کر طویل سفر کر رہے تھے کیونکر ممکن ہے کہ ان کے پاؤں تلے کوئی چیونٹی نہ روندی گئی ہو۔(تدبیر البیان)

باب ۷

دُنیائے آب

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هٰذَا	زمین کے دو سمندر برابر ہیں۔ایک میٹھا اور پیاس بجھانے
عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهٗ وَ	والا ہے، جس کا پینا آسان ہے اور دوسرا کھاری اور کڑوا ہے
هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ط وَمِنْ كُلٍّ	ان سمندروں سے تم تازہ گوشت حاصل کرتے ہو اور سامانِ
تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ	زینت (موتی وغیرہ) نکال کر پہنتے ہو۔تم کشتیوں کو دیکھتے
تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ج	ہو کہ وہ پانی کی سطح کو چیرتی ہوئی نکل جاتی ہیں کہ تم تجارت
وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ	کر کے اللہ کی رحمت (دولت) کما سکو اور پھر اس دولت کو
لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ	قوم کے قیام واستحکام پر صرف کر کے عملاً شکر کر سکو۔
تَشْكُرُوْنَ ٥ (فاطر . ۱۲)	

ہم دیکھتے ہیں کہ زمین کے اوپر ایک کھاری سمندر ہے اور زمین کے اندر میٹھا۔اللہ کی رحمت دیکھئے کہ یہ میٹھا سمندر کھاری سمندر سے متاثر نہیں ہوتا۔سمندر کا پانی کڑوا ہے لیکن اگر ہم ساحل پر کنواں کھودیں تو عموماً پانی میٹھا نکلے گا۔ان ہر دو سمندروں کے درمیان ایک دیوار حائل ہے کہ ایک کا اثر دوسرے تک نہیں پہنچ سکتا۔

وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ط	اللہ نے ان دو سمندروں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط (نمل :٦١)	ہے، کیا یہ کام خدا کے سوا کوئی اور کر سکتا ہے؟

بادل سمندر سے بنتے ہیں۔سمندر کھاری ہے اور بادل کا پانی میٹھا۔ارب کھرب ٹن پانی کی دنیا بادل بن کر فضا میں تیر رہی ہے۔زمین پر کھاری پانی ہے اور ہوا میں میٹھا۔ان میں ایک پردہ حائل ہے کہ آب شور آبِ شیریں کو متاثر نہیں کر سکتا۔

دنیا کے مشرق میں بحر الکاہل ہے اور مغرب میں اوقیانوس۔یہ شمال وجنوب میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور درمیان میں خشکی کا قطعہ ہے۔یہ سمندر میلوں گہرے ہیں۔اگر

آج سطح زمین کو برابر کر دیا جائے تو تمام روئے زمین پر دس ہزار فٹ گہرا پانی چڑھ جائے گا۔ دنیا کے بڑے بڑے شہر سمندر کے ساحل پر آباد ہیں لیکن غرق ہونے سے محفوظ ہیں کیوں نہ ہو ہر چیز الٰہی حکم کی پابند ہے۔ جب تک سمندر کو حکم نہ ملے اسے خشکی پر چڑھ دوڑنے کی جرأت کیسے ہو؟

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ○ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ○ (الرحمٰن. ۱۹. ۲۰) — اللہ نے دو سمندروں کو آپس میں ملا دیا اور ان کے درمیان ایک برزخ (خشک قطعہ) ہے جس پر یہ دست دراز نہیں کر سکتے۔

اگر ہم پیالے میں پانی ڈال کر اسے کھلا رکھ دیں تو اس میں ہوائی بکٹیریا جراثیم امراض و ذراتِ غبار شامل ہو جائیں گے اور وہ ناقابلِ استعمال بن جائے گا۔ غیر محفوظ کنوؤں اور تالابوں کا پانی اسی لئے ناقابل استعمال ہوتا ہے۔ اللہ نے پینے کا پانی زمین کی تہوں میں چھپا کر ہم پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ اگر ہم جوہڑوں وغیرہ سے پانی لے کر اسے ابالتے یا صاف کرنے کے دیگر وسائل استعمال کرتے تو ایک مسلسل مصیبت میں گرفتار رہتے اللہ تعالیٰ نے مقدس زمین کی پاکیزہ و معدنی تہوں میں شیریں و شفاف پانی کے دریا یوں جاری کر دیئے کہ ہمیں ہر مقام پر لذیذ منزہ و مصفا پانی دستیاب ہو رہا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ . (زمر. ۲۱) — کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور وہ زمین کی رگوں میں چشمے بن کر دوڑ رہا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ○ (مؤمنون. ۱۸) — ہم نے ایک معین مقدار میں پانی برسا کر اسے زمین میں محفوظ کر دیا اور ہم اس ذخیرۂ آبی کو خشک کر دینے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔

سمندر:

زمین کے ۷/۵ حصے پر پانی اور ۷/۲ پر خشکی ہے۔ آغازِ تخلیق میں جب زمین سورج سے نکلی تھی تو سخت گرم تھی۔ حکمائے جدید نے ثابت کیا ہے کہ تکوین کائنات سے پہلے فضا میں دھواں ہی دھواں تھا۔ اس دھوئیں (ذرات برقیہ) میں زمین و آسمان اور آب و باد بننے کی مکمل صلاحیت

موجود تھی۔ چنانچہ اسی سے آفتاب و کواکب تیار ہوئے اور آفتاب سے زمین نکلی۔ جب زمین قدرے ٹھنڈی ہو گئی تو اردگرد کا دھواں (بخارات) پانی بن کر زمین پر ٹپک پڑا اور سمندر کہلایا۔ زمین کا اندرونی مواد ابل کر باہر نکل آیا۔ ہر طرف مٹی اور پتھروں کے ڈھیر (پہاڑ) لگ گئے۔ زلزلوں نے زمین کو ناہموار بنا دیا۔ چنانچہ پانی پستیوں میں جمع ہو گیا۔ بلندیاں زندگی کے استقبال کے لیے تیار ہو گئیں اور سمندر سے زندگی کا آغاز ہوا۔

ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ   پھر اللہ نے آسمانوں کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور

(حٰمٓ سجدة. ۱۰)   فضا میں ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا۔

یہ دنیا آخر میں فنا ہو کر ایک مرتبہ اور ذرات برقیہ میں تبدیل ہو جائے گی اور فضا پھر دخان سے بھر جائے گی۔

فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ٥   اس دن کا انتظار کرو جب فضا میں ہر طرف دھواں

(دخان. ۱۰)   ہی دھواں نظر آئے گا۔

کائنات پر ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے جب ہر طرف پانی ہی پانی تھا اور اللہ کی حکومت پانی پر تھی۔

وَّکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ ٥ (هود. ۷) اللہ کی حکومت پانی پر تھی۔

رگ وید باب دہم منتر ۱۲۱ میں مذکور ہے:

"سنہرے انڈے، یعنی سچائی سے دنیا کی تخلیق ہوئی پہلے پانی پیدا ہوا اور پانی سے نر کی تولید ہوئی۔ پھر نر دو حصوں میں بٹ گیا اور اسی سے اس کی مادہ نکلی۔" (نیز ملاحظہ ہو منوشاستر باب اول شلوک ۳۲)

علمائے جدید کی تحقیق یہ ہے کہ آغاز میں سمندر کے ساحل پر ایک جرثومۂ حیات نے جنم لیا تھا جو منقسم و متضاعف ہو کر نر و مادہ کی تکوین پر منتج ہوا۔

خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً   ہم نے آغاز میں تمہیں ایک ذی حیات جرثومہ سے پیدا کیا۔ اسی سے اس کی مادہ نکلی اور پھر اس مادہ و نر سے ہم

(نساء. ۱)   نے بے شمار مرد اور عورتیں پیدا کیں۔

جس طرح زوجہ و شوہر کے مادۂ منویہ کے امتزاج سے کبھی مادہ اور کبھی نر پیدا ہوتا ہے، اسی طرح اس ابتدائی جرثومہ کے تضاعت سے مادہ و نر کی تکوین ہوئی۔ رفتہ رفتہ سمندر میں مرجانوں، مچھلیوں اور جونکوں کا ایک طوفان آ گیا۔ پھر زندگی نے خشکی پر قدم رکھا۔ مختلف ماحول میں مختلف اشکال اختیار کیں جس طرح کہ اختلاف آب و ہوا اور ماحول کی وجہ سے ایک انگریز اور ایک حبشی کی شکل و ہیئت میں فرق آ جاتا ہے، اسی طرح مختلف منطقوں میں زندگی نے مختلف روپ بدلے، وہ کہیں چلنے، کہیں رینگنے اور کہیں اڑنے لگی۔

ہم انسانوں میں صرف شکل و رنگ ہی کا امتیاز نہیں دیکھتے بلکہ مختلف خطوں میں آلاتِ صوت و مخارج میں بھی بڑا فرق پاتے ہیں۔ ایک عرب ''چ، گ، ڈ، ڑ اور پ'' کے تلفظ سے قاصر ہے اور انگریز ''ت اور د'' نہیں بول سکتا۔ حقیقتاً ماحول ایک زبردست طاقت ہے جس سے رنگ، زبان، آواز، قد و قامت تک بدل جاتے ہیں، اس لیے قطعاً تعجب کی بات نہیں اگر دریا میں تیرنے والے جانور مرورِ زمانہ سے خشکی پر دوڑنے یا اڑنے لگیں۔

ہمیں بعض پہاڑوں سے جو کروڑ ہا سال تک زیرِ آب رہے ایسے جانور ملے ہیں جن کی لمبائی تیس یا چالیس فٹ تھی۔ منہ نہنگ کی طرح، جسم مچھلی کے مانند، تیرنے کے لیے دو بازو اور فٹ بھر چوڑی آنکھیں تھیں۔ نیز بعض ایسے جانوروں کے پنجر دستیاب ہوئے ہیں جو پینتالیس فٹ اونچے تھے اور بڑی بڑی مچھلیوں کو دو حصوں میں کاٹ کر پھینک دیتے تھے۔ خشکی و تری ہر دو کی فضا ان جانوروں کو سازگار نہ آئی، اس لیے یہ مٹ گئے جس طرح قوم کی کمائی پر پلنے والے نکمے پیر آج مٹ رہے ہیں۔

وَمَا تُغْنِي الْآيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (یونس۔ ۱۰۱)
صحیفۂ فطرت کی یہ ہدایتیں اور تنبیہیں اس قوم کے لیے مفید نہیں جس کا سینہ نورِ ایمان سے خالی ہو۔

امواجِ بحری:

وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (لقمان۔ ۳۲)
اور جب لوگ سمندر کی مہیب لہروں میں گھر جاتے ہیں تو نہایت خلوص سے اللہ کو پکارتے ہیں۔

دوسری جگہ امواجِ بحر کے شکوہ و عظمت کو یوں بیان فرمایا ہے:

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ. کشتی نوحؑ لوگوں کو پہاڑوں جیسی لہروں میں لیے (ھود. ۴۲) جارہی تھی۔

قرآن حکیم کے اسلوب بیان کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ کہیں کوئی مبالغہ نہیں۔ سرِ مو حقیقت سے انحراف نہیں، ہر حقیقت کو جچے تلے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ اس ضبط اور اس متانتِ بیان پر داد دیے بغیر نہیں بنتی۔

قرآن حکیم اس وقت نازل ہوا تھا جب انسانی دنیا اللہ سے کٹ کر ذلت و نکبت کی وادیوں میں سرگرداں تھی اور طول و عرض گیتی میں کہیں روشنی ایمان و عرفان موجود نہ تھی۔ بگڑی ہوئی انسانی فطرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ایک ایسی کتاب الہامی بلندیوں سے اتاری جاتی جس میں شاعرانہ مبالغہ و تخیل ہوتا۔ سطوتِ الفاظ و شوکت تراکیب ہوتی، جلال اسالیب و شکوہ بیان ہوتا لیکن جو کتاب ہمیں دی گئی اس میں باقی تو سب کچھ موجود ہے، صرف ایک چیز نہیں، یعنی شاعرانہ مبالغہ و تخیل۔ آیت مذکورہ میں امواج بحری کو امواج کوہ پیکر کہا گیا ہے۔ یہ نہ سمجھیے گا کہ اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ ہے بلکہ ایک حقیقت ثانیہ ہے۔ تفصیل یہ ہے:

سمندر کی سطح کبھی پرسکون نہیں رہتی، بلکہ اس پر ہوا سے موجیں اٹھتی رہتی ہیں۔ چونکہ لہریں ہوا سے زیادہ تیز چلتی ہیں، اس لیے بسا اوقات آندھی سے چوبیس گھنٹے پہلے ساحل پر نمودار ہوجاتی ہے۔ گہرے پانی میں کم محسوس ہوتی ہیں لیکن ساحل کے قریب یا کم گہرے پانی میں دہشت ناک صورت اختیار کرلیتی ہیں۔

بحرِ ہند میں اکثر ایسی لہریں دیکھنے میں آئیں، جن کی بلندی انتیس تا سینتیس فٹ، چوڑائی سات سو ستر تا ایک ہزار تین سو فٹ اور رفتار پچیس تا بتیس میل فی گھنٹہ تھی۔ ان کی طاقت کا اندازہ صرف اس امر سے ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک تجارتی جہاز لہروں کی زد میں آگیا اور اس کے پرخچے اڑ گئے۔

بعض اوقات یہ لہریں زلزلے سے پیدا ہوتی ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں ساحل چلی

(CHILE)اور جزیرہ یاپ (YAPP) ایک بحرالکاہلی جزیرہ) کے اردگرد ایسی امواج دیکھی گئیں، جن کی بلندی پچاس فٹ تھی۔ چلی کی بندرگاہ ککمبو (COQUIMBO) کے باشندے ڈر کر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ انہی امواج میں سے ایک کی بلندی ایک سو اسی فٹ تھی جس نے جہازوں کو تنکوں کی طرح اٹھا کر پانچ سو گز دور خشکی پر پھینک دیا تھا اور ان کا اثر پانچ ہزار میل دور جزائر ہوائی (HAWAI) میں بھی محسوس کیا گیا تھا۔

۱۷۸۲ء میں ایک لہر کیپ لوپٹکا (CAPE LAPATKA) کے جنوب میں اٹھی جو دو سو دس فٹ اونچی تھی۔

بخاراتِ آبی:

علمائے آب نے اندازہ لگایا ہے کہ ہر سال تمام سمندروں سے چودہ فٹ پانی بادلوں کی صورت میں تبدیل ہوتا ہے۔

سامانِ حیات:

سمندر کا پانی ہمیشہ زیروزبر ہوتا رہتا ہے گرم اوپر آجاتا ہے اور ٹھنڈا نیچے چلا جاتا ہے۔ یہ اس لیے تاکہ اوپر کا پانی ہوا سے آکسیجن لے کر ان حیوانات تک پہنچائے جو سمندر کی تہہ میں مقیم ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ق اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ . (عنکبوت. ۶۰) بہت سے ایسے جانور ہیں جو اپنے رزق کے متحمل نہیں ہو سکتے انہیں اور تمہیں اللہ رزق پہنچاتا ہے۔

سمندر کی تباہ کاریاں:

سمندر نے ہماری خشکی پر کس کس طرح دست درازیاں کیں؟ تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ انگلستان کا ریونسپر (RAVENSPUR) شہر، جس سے دو ممبر پارلیمنٹ کے لیے منتخب ہوا کرتے تھے، اب غائب ہو چکا ہے۔

۲۔ کارنوال کا علاقہ پہلے پندرہ لاکھ ایکڑ تھا۔ اب بحری حملوں سے آٹھ لاکھ انتیس ہزار

پانچ سو ایکڑ رہ گیا ہے اور تقریباً سات لاکھ رقبہ آب برد ہو چکا ہے۔

۳۔ جزیرہ سسلی اور سرزمین اٹلی کا درمیانی حصہ لیونس (LYONESS) کہلاتا تھا اس میں ایک سو چالیس گرجے اور تقریباً اتنی ہی بستیاں موجود تھیں، آج یہ خطہ زیرِ آب ہے۔

۴۔ مونٹس بے (MOUNTAINS BAY) پہلے خشکی تھی۔ دلیل یہ کہ اس کی تہہ سے ہمیں درخت جنگل اور صحرائی جانوروں کے لاتعداد ڈھانچے ملے ہیں۔ اس علاقے پر چودہویں صدی میں پانی چڑھ آیا تھا۔

۵۔ شمالی ویلز پر آج سے چھ سو سال پہلے پانی چھا گیا اور چودہ گاؤں غرقاب ہو گئے۔ اس تباہی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک دروازوں والا تالاب بہت بڑا بند تھا جس پر سیتھنیم (SEITHENYAM) نامی ایک محافظ مقرر تھا۔ ایک دن اس نے ضرورت سے زیادہ شراب پی لی اور نشے میں بند کے دروازے کھول دیئے جس سے چودہ بستیاں بہہ گئیں۔

۶۔ کسی زمانے میں ڈنوچ (DUNWICH) مشرقی انگلیا (ANGLIA) کا دارالسلطنت تھا، اس میں ایک ٹکسال، باون گرجے اور دو سو چھتیس مدارس تھے۔ عروج روما کے وقت یہ روما کی سلطنت میں شامل تھا۔ بعد میں ہنری دوم کے چار جہاز یہاں رہتے تھے۔ ایڈورڈ دوم کے عہد میں اس شہر پر پانی نے حملہ کیا اور چار سو گھر بہہ گئے، پھر ۱۵۳۸ء اور ۱۶۰۰ء کے درمیان چھ گرجے ڈوب گئے۔ ۱۷۰۲ء میں سینٹ پیٹر کا بڑا گرجا منہدم ہو گیا اور ۱۷۱۲ء میں سارا شہر ڈوب گیا۔ اب یہ شہر شمالی سمندر کے ساحل سے کہیں دور زیرِ آب ہے۔

۷۔ اکلیس (ECLES) ومپرل (WIMPERELL) شپڈن (SHIPDEN) اور نورفوک (NORFOLK) بڑے بڑے قصبے تھے، جو مدت سے ڈوب چکے ہیں۔

۸۔ آبرن (AUBURN) ہارٹ برن (HARTBURN) اور ہائیڈ (HYDE) کی جگہ آج صرف ریت کے ٹیلے دکھائی دیتے ہیں۔

۹۔ فریس لینڈ (FRIESLAND) کا دوتہائی حصہ شمالی سمندر میں غائب ہو چکا ہے۔

۱۰۔ جزائر ہلیگو لینڈ (HELIGOLAND) جس کا گزشتہ جنگِ عظیم میں بڑا چرچا تھا اور جو بقول ایڈم ڈی برمسی (ADAM DE BREMSY) ۱۵۷۲ء میں چار سو میل لمبا تھا، اب صرف ایک میل لمبا رہ گیا ہے۔

۱۱۔ ہالینڈ میں آبی تباہ کاریاں اور زیادہ افسوناک ہیں۔ یہاں ۱۲۷۷ء میں جھیل ڈالرٹ نمودار ہوئی، جس کی وجہ سے بہت سا رقبہ پانی کے نیچے آ گیا۔ ۱۲۸۰ء میں زیڈر (ZEIDER) دریا میں طغیانی آئی اور اسی ہزار نفوس نہنگ اجل کا لقمہ بن گئے۔ ۱۴۲۱ء میں بہتر اور گاؤں بہہ گئے۔ ہالینڈ کے شمال کی طرف تیئیس بڑے بڑے جزیرے چھٹی صدی عیسوی میں موجود تھے اب یہ چھوٹے چھوٹے دھبے رہ گئے ہیں جنہیں ریت کے ڈھیر کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

۱۲۔ جزیرہ وان جرورج (WANGEROOGE) جو کبھی ایک نہایت آباد جزیرہ تھا اور ڈیون (DEVON) کے علاقے سے بڑا تھا، اب ریت کا ایک ٹیلا رہ گیا ہے۔

انگریزوں کی قسمت کا ستارہ ہر پہلو میں عروج پر ہے۔ گزشتہ ہزار سال میں ہالینڈ، جرمنی، اٹلی اور دیگر ممالک کو دریائی دست برد سے کافی نقصان پہنچا لیکن انگلستان فائدے میں رہا۔ چند سال ہوئے کہ برطانیہ نے ایک کمیٹی اس غرض کے لیے مقرر کی تھی کہ وہ جزائر برطانیہ کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق اپنی رپورٹ پیش کرے اس رپورٹ کا ملخص یہ تھا:

نام	رقبہ دریا برد	رقبہ جو دریا سے نکلا
۱۔ انگلستان اور ویلز	۴۶۹۲ ایکڑ	۳۵۴۴۴ ایکڑ
۲۔ سکاٹ لینڈ	۸۱۵ ایکڑ	۴۷۰۷ ایکڑ
۳۔ آئرلینڈ	۱۱۳۲ ایکڑ	۷۸۵۳ ایکڑ

ان اعداد کا ماحصل یہ ہے کہ جزائر برطانیہ میں ہر سال ۱۲۵، ا ایکڑ زمین کا اضافہ ہو رہا ہے۔

انگلستان کے مشہور طوفانی مقرر ایڈمنڈ برق (EDMUND BURKE) نے ایک دفعہ کہا تھا:

"EVEN GODS CANNOT ANNIHILATE SPACE AND TIME."

''کہ خود خدا بھی زمان و مکاں کو نابود نہیں کر سکتے۔''

اگر برق آج زندہ ہوتا اور سمندری تباہ کاریوں کی حکایات سنتا تو اسے اپنے اس نظریے پر نظر ثانی کرنا پڑتی۔

سمندر کی گہرائی:

انگلینڈ اور امریکہ کے درمیان بعض مقامات بارہ ہزار سے اکیس ہزار فٹ تک گہرے ہیں، یہ حصے پہلے خشکی تھے۔ یہاں بعض پہاڑ بیس بیس ہزار فٹ اونچے ہیں جن میں سے ایک لارا (LAURA) تھا۔ اس پہاڑ کا ذکر مصر کے قدیم کتبوں میں بھی ملتا ہے۔ آج یہ حالت ہے کہ جہاز اس کی چوٹی پر سے گزر رہے ہیں اسی طرح ایک اور دس ہزار فٹ اونچا پہاڑ چوسر (CHAUCER) آج چھ ہزار فٹ پانی کے نیچے دبا ہوا ہے۔

نیوفونڈ لینڈ کے جنوب میں سمندر کی گہرائی اکیس ہزار فٹ (تقریباً چار میل) اور شرق الہند (جاوا، سماٹرا وغیرہ) کے مشرق میں دو مقامات پر بیس ہزار فٹ ہے۔

دو ہزار فٹ سے کم گہرائی میں ریت اور معمولی کنکر، بارہ ہزار کی گہرائی میں سفید چاک، بارہ ہزار سے چودہ ہزار تک کی گہرائی میں خاکستری چاک اور زیادہ گہرائی میں کہیں سرخ مٹی اور کہیں آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا ملتا ہے۔

نیوزی لینڈ کے شمال میں ایک مقام پر سمندر کی گہرائی اٹھائیس ہزار آٹھ سو اٹھتر فٹ اور جزائر فلپائن کے شمال مشرق میں ایک مقام پر بتیس ہزار ایک سو فٹ ہے۔ اور غالباً دنیا کا یہ عمیق ترین حصہ ہے۔ اگر اس ہولناک کھڈ میں مونٹ ایورسٹ (ہمالیہ کی سب سے اونچی شاخ) کو ڈال

دیا جائے تو اسے چھونے کے لیے ہمیں تین ہزار فٹ کا غوطہ لگانا پڑے۔

جاپان اور امریکہ کے درمیان سمندر تقریباً پانچ میل گہرا ہے۔ بہ دیگر الفاظ جاپان کا چھوٹا سا جزیرہ ایک مہلک کھڈ کے عین کنارے پر واقع ہے اور ممکن ہے کہ کبھی کوئی زلزلہ اس ملک کو اٹھا کر ایک چھوٹے سے پتھر کی طرح اس کھڈ میں پھینک دے۔

دنیا کے تمام بڑے بڑے شہر سمندر کے ان بھیانک گڑھوں پر واقع ہیں جنہیں تباہ کرنے کے لیے معمولی سا زلزلہ کافی ہے۔ مقام تعجب ہے کہ یہ لوگ موت کے جس قدر نزدیک ہیں اللہ سے اتنے ہی دور ہیں۔

سمندروں میں مینارِ روشنی:

بحری گزرگاہوں پر جہاز رانی میں سہولتیں پیدا کرنے کے لیے جا بجا مینارِ روشنی نصب کیے گئے ہیں۔

وَعَلَامَاتٍ ط وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ٥ ستاروں کے علاوہ کچھ اور علامات بھی ہیں جن (نحل ۱۶) سے راہنمائی کا کام لیا جاتا ہے۔

اس وقت دنیا میں تقریباً بارہ ہزار مینارِ روشنی موجود ہیں۔ انگلستان کے اردگرد تین سو ہیں اور امریکہ کے ساحل پر تین ہزار۔ ان میں سے بعض سمندر کے وسط میں چٹانوں پر بنے ہوئے ہیں اور بعض ساحل پر۔

دنیا میں سب سے بڑا مینار اسکندریہ میں آج سے بائیس سو سال پہلے تیار کیا گیا تھا۔ ایک صدی بعد رومنز نے مختلف مقامات پر مینار بنائے۔ ۱۸۰۰ء میں ساحل انگلستان پر صرف پچیس مینار تھے۔ سمندر کے درمیان پہلا مینار ۱۶۹۶ء میں بنایا گیا تھا جو ۱۷۰۳ء میں دریا برد ہو گیا۔ اٹھارہویں صدی کی ابتدا تک یہ مینار لکڑی سے بنائے جاتے تھے۔ جان س مٹن (JOHN SEMEATION) پہلا انجینئر ہے جس نے پتھر استعمال کیا۔ ۱۸۰۷ء میں رابرٹ سٹیونسن (ROBERT STEVENSON) نے بل راک (BELL ROCK) پر (جو انچکیپ (INCHCAPE) کا حصہ ہے) ایک عظیم الشان مینار بنایا جس پر چار سال اور

چھ لاکھ پونڈ صرف ہوئے۔

انیسویں صدی کے آخر تک ایک تیل لارڈ آئیل (LARDOIL) ان میناروں میں استعمال ہوتا رہا۔ اس کے بعد انجن کے ذریعے بجلی پیدا کر کے بعض میناروں میں روشنی کا سامان کیا گیا۔ بہت سے میناروں میں ریڈیو سیٹ بھی رکھ دیے گئے ہیں تا کہ محافظین (جن کی تعداد تین سے زیادہ نہیں ہوتی) کا دل بہلا رہے۔

بعض میناروں میں بدستور تیل جلتا ہے مثلاً: مغربی آسٹریلیا کے جزیرہ اکلپس (ECLIPSE) کا مینار۔ اس کی روشنی میں گیارہ لاکھ ساٹھ ہزار موم بتیوں کی طاقت ہے۔ فرانس کا ایک مینار جو کیپ ڈی ہور (CAPE DE HOVER) میں نصب ہے۔ بجلی سے روشن ہے اور اس کی روشنی میں دو کروڑ پچیس لاکھ موم بتیوں کی طاقت ہے۔

سفینے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ... لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ. (بقرۃ. ۱۶۴)	ارض وسماء کی تخلیق، اختلافِ لیل ونہار اور کشتیوں میں جو سمندروں میں چلتی ہیں ۔۔۔۔ اربابِ دانش کے لیے اسباقِ حیات وقوت موجود ہیں۔
فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَا اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ٥ (عنکبوت. ۱۵)	ہم نے نوحؑ اور دیگر نشینوں کو بچالیا اور کشتی کو اہلِ عالم کے لیے سبق بنادیا۔

ان دو آیتوں سے ثابت ہے کہ کشتیاں عروجِ ملی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں اور علماء کا فرض ہے کہ وہ قوم کو جہاز سازی و جہاز رانی کا درس دیں تا کہ اللہ کی یہ آیات ہمارے قیام واستحکام کا وسیلہ بن سکیں۔

ابتدائے بحر پیمائی:

ابتدا میں لوگ سمندر کو دنیا کا آخری کنارہ سمجھتے تھے اور اس میں قدم دھرنے سے

ڈرتے تھے۔ ہومر کی تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ بارہویں اور تیرھویں صدی (ق م) تک لوگ سمندر سے ڈرتے رہے۔ اس لیے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ پہلی کشتی کسی جھیل میں ڈالی گئی ہوگی۔ آغاز میں ہماری لکڑیاں اور گھاس کے گٹھوں کو عبور آب کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ یہ گیا ہی ذرائع دریائے نیل کے بعض مقامات پر آج بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد بڑے بڑے تنوں کو کھوکھلا کر کے استعمال کیا گیا۔ افریقہ کی بعض جھیلوں اور دریاؤں نیز برٹش کولمبیا اور جزائر سلیمان میں آج تک کھوکھلے تنے استعمال ہو رہے ہیں۔ رابنسن کروسو نے ایک کھوکھلے تنے کو بطور کشتی استعمال کرنا چاہا لیکن گھسیٹ کر پانی تک نہ لا سکا۔ ۱۹۰۴ء میں برٹش کولمبیا کی ایک جماعت نے ایک کشتی تیار کی جس سے کیپٹن واس (CAPT. VOSS) نے تین سال میں تمام دنیا کا چکر کاٹا۔ دریائے دجلہ میں ایک بڑے ٹوکرے پر چمڑہ چڑھا کر اسے بطور کشتی استعمال کرتے ہیں، اس میں بیک وقت بیس آدمی سوار ہو سکتے ہیں۔

قدیم جہاز ران:

قدیم تاریخ کی سب سے بڑی کشتی حضرت نوحؑ نے تیار کی تھی جو چار سو پچاس فٹ لمبی، پچھتر فٹ چوڑی، پینتالیس فٹ اونچی اور پندرہ ہزار ٹن بھاری تھی۔

۸۰۰ء ق م میں فنیقیوں نے ایسی کشتیاں تیار کیں جن کے ذریعے وہ نہ صرف بحیرۂ روم کے ساحلی شہروں سے تجارت کرتے تھے بلکہ جنوب میں ساحلی افریقہ اور شمال میں کارنوال تک جاتے تھے۔

فنیقیوں سے پہلے جزیرۂ کریٹ (CRETE) بحری مرکز تھا اور ان سے بھی پہلے اہل اطلانطس جہاز رانی میں ماہر تھے۔ فنیقیوں کے بعد کارتھیگی مشہور ملاح ہو گزرے ہیں۔ ارسطو کہتا ہے کہ یہ لوگ جہاز ساز تھے جن کے جہازوں کے ساتھ آٹھ آٹھ چپو تھے۔

ہمیں مصر کے بعض قدیم مقبروں پر جہازوں کے تصاویر ملی ہیں۔ ۱۹۰۶ء میں پروفیسر فلنڈرس پٹری (FLENDERS PETRIE) نے ریفہ کے ایک مقبرے پر سے ایک ایسی تصویر کا عکس لیا جو سلاطین مصر کے بارہویں سلسلے، یعنی ۲۴۰۰ء ق م سے تعلق رکھتی تھی۔ اسی شکل کی

بعض کشتیاں ساحل ملایا تک پہنچیں اور دریائے نیل کے بعض حصوں میں استعمال ہوتی ہیں۔ یہ کشتیاں تقریباً ۹ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرتی تھیں۔ ۱۸۶۱ء میں اسی قسم کی ایک کشتی نپولین سوم نے بنائی، جو ایک سو بیس فٹ لمبی اور سترہ فٹ چوڑی تھی۔ اس کا نمونہ پیرس کے عجائب خانہ لووری (LOURVRE) میں موجود ہے۔

ارتقاء:

کچھ مدت بعد کشتی کے بعض حصوں میں لوہا استعمال ہونے لگا۔ اس قسم کے جہاز پہلی مرتبہ ایرانیوں اور پیلوپونسیز (PELOPONNESSLANS) کی جنگ میں استعمال ہوئے تھے، پھر جنگ ایکٹیم (ACTIUM) میں انٹنی نے ایسے جہاز استعمال کیے جن کے ساتھ بیس بیس چپو تھے اور جن جہازوں میں بادشاہ یا امیر البحر سوار ہوتا تھا، ان کی رسیاں اور چپو رنگ دار ہوتے تھے۔ ان جہازوں کے بقیہ آثار جھیل نیمی (LAKE NAMI) سے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان کے بعض حصے تانبے اور سکے سے تیار کیے گئے تھے۔ ان میں ایک جہاز نوے فٹ اور دوسرا چار سو پچاس فٹ لمبا تھا۔ یہ تجارتی جہاز تھے جن میں ایک سو پچاس ٹن غلہ سما سکتا تھا۔ جنگی جہاز قدرے چھوٹے ہوا کرتے تھے۔

جب روم کا مشہور بادشاہ جولیس سیزر گال (GAUL) پر حملہ آور ہوا تو ساحل انگلستان پر چند جہاز دیکھ کر کہنے لگا کہ "یہ جہاز ہمارے جہازوں سے زیادہ مضبوط ہیں۔" بحر اوقیانوس کی سطح بحیرہ روم کے مقابلہ میں زیادہ متلاطم رہتی ہے۔ یہاں صرف مضبوط جہاز ہی کام دے سکتے ہیں۔ یہ برطانوی جہاز کھوکھلے تنوں سے تیار کیے گئے تھے۔ آج سے پچاس سال پہلے ایک دوسری قسم کا جہاز لنکن شائر میں برگس (BRIGGS) کے پاس ملا جو ساڑھے اڑتالیس فٹ لمبا اور چھ فٹ چوڑا تھا۔ یہ ایک ایسے تنے سے تیار ہوا تھا جس کا محیط اٹھارہ فٹ تھا۔ یہ جہاز زمانۂ حجری (۲۰۰۰ ق م) سے تعلق رکھتا ہے۔ ان لوگوں نے پتھروں سے اتنا بڑا درخت گرا کر کیسے کھوکھلا کیا ہوگا ہنوز ایک معمہ ہے۔

جب سیزر نے ۵ ق م میں (VENETI) قوم پر حملہ کیا اور ان کے زنجیروں سے

بندھے ہوئے بڑے بڑے جہاز دیکھے تو کہنے لگا:

"ہمارے جہاز ان کے مقابلے میں کھلونے ہیں۔"

نارسمین (NORSEMEN) اپنے سرداروں کو مرنے کے بعد دو طرح سے رخصت کیا کرتے تھے لاش کو جہاز میں رکھ کر اور اسے آگ لگا کر سمندری لہروں کے حوالے کر دیتے یا اس جہاز کو ساحل کے پاس لاش سمیت دفن کر دیتے۔ ۱۸۸۰ء میں سینڈف جورڈ (SANDER JARD) کے پاس اس قسم کا ایک جہاز برآمد ہوا جو ۳/ ۱-۷۹ فٹ لمبا، ۱۶،۵ فٹ چوڑا اور ۵۶۰ من وزنی تھا۔

ایک دفعہ اہل ڈنمارک نے اپنے جہازوں کی بدولت تمام انگلستان کو فتح کر لیا تھا۔ الفریڈ نے کچھ عرصہ کے بعد ایک جنگی بیڑا تیار کر کے اہل ڈنمارک کو شکست دی۔ ان کے چھ جہاز پکڑ لئے اور اٹھارہ ڈبو دیئے۔ الفریڈ برطانوی جہازوں کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے۔

۱۱۷۰ء میں اہل انگلستان نے ایک ایسا جہاز تیار کیا جس میں ۴۰۰ آدمی سفر کر سکتے تھے۔ رچرڈ پہلا فرمانروا ہے جس نے جہازوں کے متعلق ایک ضابطۂ قوانین تیار کیا تھا۔ اس کے پاس ۲۰۳ جہاز تھے۔ کنگ جان نے ملاحوں کی تنخواہیں مقرر کیں اور جب ایڈورڈ سوم نے کیلے کا محاصرہ کیا تو اس کے بیڑے میں سات سو جہاز اور چودہ ہزار ملاح تھے جہازوں کا وزن سات سو اور ایک ہزار ٹن کے درمیان تھا۔

جہازوں میں پہلے منجنیق ہوا کرتے تھے۔ پندرھویں صدی میں توپیں لگ گئیں۔ ہنری ہفتم نے دو ایسے جہاز تیار کرائے جن میں سے ہر ایک کے اندر دو سو پچیس توپیں تھیں۔ ہنری کے عہد میں وہ مشہور جہاز سینٹا ماریا تیار ہوا جس میں سفر کر کے کولمبس نے نئی دنیا تلاش کی تھی۔ ملکہ الزبتھ کے عہد میں آرک رائل (ARK ROYAL) تیار ہوا۔ اس میں تین قطب نما اور چار سو ملاح تھے۔ سترھویں صدی کے آخر میں یورپ کی تمام اقوام کا بیڑا بیس لاکھ ٹن تھا۔ (اور آج صرف انگلستان کے پاس پندرہ کروڑ ٹن کے وزن کے جہاز موجود ہیں) جس میں ہالینڈ کے پاس نو لاکھ انگلستان کے ہاں پانچ لاکھ اور فرانس کے پاس صرف ایک لاکھ ٹن تھے۔

بہ دیگر الفاظ آج سے دوسو سال پہلے انگلستان ایک کم زور ترین ملک تھا۔ بہادر جواں مرد اور جفاکش انگریزوں نے اسے مہیب ترین سلطنت بنا ڈالا۔ دوسری طرف ہم آج سے چند سال پہلے ایک مہیب ترین قوم تھے۔ ہمارے نااہلوں، سست کوشوں، عیاشوں اور وظیفہ خوانوں نے ہمیں تباہ کر کے رکھ دیا۔

کبھی وہ زمانہ بھی تھا کہ بحر و بر میں ہماری طاقت کی دھاک بندھی ہوئی تھی۔ سلاطین زمانہ ہمارا نام سن کر لرز جاتے تھے۔ بڑے بڑے سرکشانِ گیتی آستان خلافت پر جبیں گھسا کرتے تھے۔ یورپ ہمارا غلام بن کر اینٹھتا تھا۔ مصر و شام کو ہماری حکومت پر ناز تھا۔ ہم جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے، اقوام و ممالک کی تقدیریں بدل جاتی تھیں اور ہماری ضربِ شمشیر سے مشرق و مغرب لرزہ براندام تھے لیکن آج صرف نحوست، فلاکت ادبار ہے۔ جنت کا نشہ اور شفاعت کا خمار ہے۔ وظیفوں کا پندار اور تسبیحوں کا گھمنڈ ہے۔ مردِ مومن! سوچ، جاگ، دیکھ، اٹھ، بڑھ کہ رحمتیں بدستور تیری منتظر ہیں۔ قوت کا سامان ڈھونڈ کر ضعف موت ہے۔ اپنی حقیقت پہچان کہ اس نادانی میں تو لٹ گیا۔

تیری زمین بے حدود، تیرا افق بے ثغور — تیرے سمندر کی موج، دجلہ و ڈینیوب و نیل
ساقیِ اربابِ ذوق، فارسِ میدانِ شوق — بادہ ہے تیرا رفیق، تیغ ہے تیری اصیل

مردِ سپاہی ہے تو، تیری زرہ لا الٰہ
سایۂ شمشیر میں تیری پنہ لا الٰہ

رجوع بہ مطلب:

۱۶۹۲ء میں فرانس نے انگلستان پر حملہ کر کے اس کی جہازی طاقت فنا کر دی لیکن باہمت انگریزوں نے صرف نو سال میں تین ہزار دو سو اکیاسی نئے جہاز بنا لیے۔ دوسری طرف مسلمان ایران پر تیرہ سو اکتالیس سال سے قابض ہیں اور اس طویل زمانے میں یہ لوگ ایک لکڑی کی کشتی بھی تیار نہ کر سکے۔

دخانی جہاز:

پہلی دخانی کشتی ۱۷۳۶ء میں جوینتھن بلز نے بنائی تھی لیکن پوری کامیابی نہ ہوئی۔ کچھ نقائص باقی رہ گئے تھے۔ ۱۸۰۶ء میں ایک امریکی موجد رابرٹ فلٹن نے ایک سٹیم کشتی بنائی جو ہوا کے خلاف ساڑھے چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلی۔ اسی موجد نے ۱۸۱۷ء میں پانچ سوٹن کا ایک دخانی جہاز بنایا جس پر ۲۲ ہزار پونڈ خرچ ہوئے اس کے بعد دخانی جہاز اس قدر مقبول ہوئے کہ صرف ۱۸۳۶ء میں جس قدر جہاز انگلستان کی بندرگاہوں پر بغرض تجارت پہنچے تھے، ان میں تیرہ ہزار دخانی تھے۔ اطمینان فرمائیے کہ ان میں اسلامی سلطنتوں کا ایک جہاز بھی شامل نہ تھا۔ اس لیے کہ مسلمان یا تو "ذکرِ خدا" یا پرستش صنم میں مصروف تھے۔ ان غریبوں کو جہاز سازی کی فرصت کہاں تھی اور ضرورت بھی کیا تھی بھلا کسی کی شامت آئی تھی کہ خدا کے پیاروں پر حملہ کرنے کی ہمت کرتا۔ جس اللہ نے مکہ و کفار کو بچانے کے لیے ابابیلوں سے ابرہہ کے پرخچے اڑا دیئے تھے وہ ایران و عرب کے مسلمانوں پر حملہ کرنے والوں کا تو خدا جانے کیا حال بنائے گا۔

فَذَرْهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (انعام۔ ۱۱۱) انہیں اپنی گمراہی میں بھٹکنے دو۔

کاش کہ اس قدر مار کھانے کے بعد بھی مسلمان یہ سمجھ جاتا کہ اللہ بد عمل اقوام کو ہٹانے میں نہایت بے نیاز واقع ہوا ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران۔ ۹۷) اگر کوئی نااہل، کام چور اور قانون شکن بن جائے تو یاد رکھو کہ ہمارا کسی قوم سے کوئی خاص رشتہ نہیں ہے (غنی) اور ہم نا اہلوں کو مٹانے میں بہت دلیر واقع ہوئے ہیں۔

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ رسم شاہ بازی

(اقبالؒ)

رجوع بہ مطلب:

اہل انگلستان نے ۱۸۶۸ء میں چار ہزار ٹن کا ایک ایسا تیز رفتار جہاز تیار کیا جس نے بحرِ اوقیانوس کو چار دن اور سترہ گھنٹوں میں عبور کر لیا۔ ۱۹۳۳ء میں فرانس نے اڑسٹھ ہزار ٹن کا ایک جہاز بنایا۔ اسی سال انگریزوں نے تہتر ہزار ٹن کا ایک جہاز تیار کیا۔ جس کے انجن میں اسی ہزار

گھوڑوں کی طاقت تھی۔ ایک اور جہاز اولمپک کی لمبائی آٹھ سو باون فٹ چوڑائی بانوے اور اونچائی ایک سو پچہتر فٹ تھی۔ اس میں نوے ہزار گھوڑوں کی طاقت کا انجن لگا ہوا تھا۔ اور اس میں آٹھ سو ساٹھ ملاح کام کرتے تھے۔

یہ ہے وہ طاقت جس کی بدولت اقوام زندہ رہ سکتی ہیں اور یہی وہ آیات ہیں جن سے زندہ اقوام کا ایمان زندہ رہتا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ. سمندر کی سطح پر کوہ پیکر جہاز اللہ کی آیات ہیں۔
(شوریٰ. ۳۲)

کم کوش کاہل مسلمان ان آیات سے غافل ہو کر پٹ رہا ہے۔ سلطان ابن سعود کے پاس بندرگاہیں تو ہیں لیکن ایک کشتی تک کہیں نظر نہیں آتی۔ خلیج فارس میں ایرانیوں کا کوئی ٹوٹا ہوا جہاز بھی نہیں ملتا۔ بحیرہ روم و قلزم میں مصریوں کی کوئی دخانی کشتی تک دکھائی نہیں دیتی۔ انصافاً کہو کہ ان اقوام کو جو دانت کے بدلے دانت نہیں توڑ سکتیں، زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل ہے؟

اللہ نے ہمیں قوت و ہیبت کا بار بار درس دیا تھا۔

۱. وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَةً. (توبة. ۱۲۳) تم دنیا میں یوں رہو کہ لوگ تمہاری تندہی کو محسوس کریں۔

۲. اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ. (فتح. ۲۹) خدائی سرکشوں کے ساتھ سخت بنو۔

۳. اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ. (حدید. ۲۵) ہم نے فولاد بھیجا جو ایک پرہیبت دھات ہے اسے استعمال کر کے پرشوکت بنو۔

۴. وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ. (شوریٰ. ۳۲) جہاز اللہ کی آیات ہیں۔

۵. مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّکُمْ. (انفال. ۶۰) تم اپنے اندر وہ قوت پیدا کرو اور تمہاری چھاؤنیوں میں گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوئے ہوں کہ تمہارے دشمن اور اللہ کے دشمن غش کھا جائیں۔

لیکن ہم ان اسباق کو بھول گئے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ دنیا کا سب سے بڑا عمل دو نفل ہیں، سب سے بڑا جہاد مسجد کے تاریک گوشے میں اللہ کی گردان ہے اور ان معاون و مخازن ارضی کا

استعمال نہ تو مستجب ہے اور نہ مستحسن بلکہ خلافِ اسلام ہے، متاع غرور ہے، فانی ہے یہ ہے، وہ ہے، دیکھا آپ نے کہ اس ''متاع غرور'' کے ترک سے ہم کیوں کر تباہ ہوئے اور ہماری شوکت کی لذیذ داستان کس طرح افسانہ بن کر رہ گئی۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ٥ (صافات۔ ۲۱) یہ ہے تمہارے اعمال کے فیصلہ کا دن جس پر تمہیں اعتبار نہ آتا تھا۔

سمندر میں نمک:

سمندر میں نمک کیوں ہے؟ یہ سوال علمائے طبیعی کے ہاں صدیوں زیرِ بحث رہا۔ حال ہی میں ایک مغربی عالم نے اس کی ایک دل چسپ وجہ بیان کی ہے۔ نمک میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گوشت کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ قدیم مصری اقوام اپنے فرمانرواؤں کی لاشوں کو نمک سود کر دیتے تھے تا کہ قبروں میں گل سڑ نہ جائیں ہم اپنے گھروں میں بھی آئے دن رات کے گوشت کو صبح تک محفوظ رکھنے کے لیے نمک لگا دیا کرتے ہیں۔ چونکہ سمندر میں ہر روز کروڑوں مچھلیوں اور دیگر آبی جانوروں کی موت واقع ہوتی رہتی ہے اور ایام جنگ میں لاکھوں انسان سمندر کی بھینٹ چڑھتے ہیں، اس لیے اللہ نے سمندر کو تعفن سے محفوظ رکھنے کے لیے نمک کی کثیر مقدار پانی میں شامل کر دی۔

اگر خشکی کے کسی جانور کو پانی میں پھینک دیا جائے تو وہ گل سڑ جاتا ہے قدرت کا کمال ملاحظہ فرمایئے کہ سمندر میں کروڑہا آبی جانور موجود ہیں اور وہ گلتے سڑتے نہیں بلکہ ہر وقت تازہ رہتے ہیں۔ اللہ نے اس معجزۂ تخلیق کی طرف یوں متوجہ فرمایا ہے۔

وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا. (فاطر۔ ۱۲) اور تم سمندروں سے تازہ گوشت حاصل کرتے ہو۔

ماہی گیری:

ابتدائی انسان سمندر کے کنارے پر آباد تھے اور مچھلیوں سے گذر اوقات کیا کرتے تھے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدمؑ یمن کے ایک باغ میں رکھے گئے تھے۔ جب وہاں

سے نکالے گئے تو غالباً اس مقام پر آئے ہوں گے جہاں آج جدہ آباد ہے اور ممکن ہے کہ مکہ میں بھی پہنچے ہوں۔ تاریخ مکہ میں درج ہے کہ سب سے پہلے آدمؑ نے کعبہ بنایا۔ یہ روایت صحیح ہے یا غلط، مؤرخ ہماری رہنمائی نہیں کر سکتا۔ ہاں مختلف سیاحوں نے ہمیں اتنا بتایا ہے کہ جدہ میں جناب حوا علیہا السلام کی قبر موجود ہے۔ جدہ عربی زبان میں وادی کو کہتے ہیں، چونکہ یہاں نوع انسانی کی وادی کی قبر تھی اس لیے یہ مقام جدہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ علمائے نوع انسانی کا خیال ہے کہ حضرت آدمؑ بھی عموماً مچھلیوں پر گزر اوقات کرتے ہوں گے۔

ابتدا میں لوگ تیر و کمان سے مچھلی کا شکار کرتے تھے۔ اس کے بعد جال اور پھر کانٹا ایجاد ہوا۔ اہل روما و یونان مچھلیوں کو برسوں محفوظ رکھنے کا طریقہ جانتے تھے اور دور دراز ممالک کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ انگلستان نے ماہی گیری میں شہرت حاصل کی۔ ۱۵۷۸ء میں انگلستان کے چار سو پچاس جہاز ماہی گیری میں مصروف تھے جو شکار کے لیے ساحل سے چھ سو میل دور نکل جاتے تھے اور بیس لاکھ پونڈ سالانہ ماہی گیری سے وصول کرتے تھے۔ کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایک دوسرے کے ہاں مچھلی پکڑنے پر برسوں جنگ رہی۔ آخر ۱۸۱۷ء میں معاہدہ واشنگٹن ہوا، جس کی رو سے ان ممالک کو ایک دوسرے کے ہاں ماہی گیری کی اجازت مل گئی۔

چونکہ کینیڈا کی مچھلی زیادہ اچھی ہوتی ہے اس لیے پھر لڑائی چھڑ گئی اور ۱۸۷۱ء میں برطانیہ نے امریکہ سے پچپن کروڑ پچاس لاکھ پونڈ لے کر کینیڈا کے پانی میں صید ماہی کی رعایت دے دی لیکن ۱۸۹۸ء میں پھر کسی امر پر اختلاف ہو گیا اور امریکہ اس رعایت سے محروم کر دیا گیا۔

ماہی گیروں نے برطانوی بیڑے کو دنیا کا عظیم ترین بیڑا بنا دیا ہے۔ یہ ملاح چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے ساتھ سمندر کی مہیب موجوں میں شکار کھیلتے ہیں۔ یہ اوقیانوس کے چپے چپے سے واقف ہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ چٹانیں کہاں ہیں اور دیگر خطرناک مقامات کس طرف ہیں اور آج یہی لوگ برطانوی بیڑے میں ملاحی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

مختلف ممالک میں ماہی گیروں کا تناسب۔

۱۔	انگلستان۔	ہر ۱۱۲ آدمیوں میں ایک ماہی گیر ہے۔
۲۔	آئرلینڈ۔	ہر ۲۰۰ آدمیوں ، ، ، ، ، ، ،
۳۔	سکاٹ لینڈ۔	ہر ۷۶ آدمیوں ، ، ، ، ، ، ،
۴۔	ناروے۔	ہر ۱۶ آدمیوں ، ، ، ، ، ، ،

جاپان ماہی گیری میں بہت بڑھا ہوا ہے۔ یہاں ہر سال ایک کروڑ اسی لاکھ پونڈ کی مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ چند دیگر ممالک کے اعداد یہ ہیں:

۱۔ امریکہ ایک کروڑ ستر لاکھ پونڈ ۲۔ فرانس ایک کروڑ پچھتر لاکھ پونڈ

۳۔ انگلستان ایک کروڑ پچاس لاکھ پونڈ

دنیا میں ہر سال بیس کروڑ پونڈ کی مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ اگر ایک پونڈ کی قیمت پندرہ روپے ہو تو یہ رقم تین ارب روپیہ بنتی ہے جو مرکزی حکومتِ ہند کے سالانہ محاصل سے دو چند ہے۔

صید ماہی کے لیے جو کشتیاں استعمال ہوتی ہیں ان کو ٹرالر کہا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ایک سو تیس فٹ لمبے سو فٹ چوڑے اور پچیس فٹ گہرے ہال ہوتے ہیں۔ یہ ٹرالر معمولی بادبانی جہازوں سے اسی گنا زیادہ مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ ایسے ٹرالر برطانیہ کے پاس تقریباً ایک ہزار، جرمنی کے ہاں پانچ ہزار، فرانس کے ہاں تین ہزار، ڈنمارک، ہالینڈ اور بلجیم کے پاس کل چار سو ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں صرف انگلستان نے ۸ لاکھ بارہ ہزار پانچ سو من مچھلی پکڑی تھی۔

یہاں شاید یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ دنیا میں اسلامی سلطنتوں کا بھی وجود ہے جو تمام سمندروں کے سواحل پر واقع ہیں لیکن ان لوگوں نے کبھی کوئی مچھلی نہیں پکڑی۔ بیچارے کریں کیا۔ کم بخت پکڑی ہی نہیں جاتیں، بھاگ جاتی ہیں۔

ویل مچھلی:

ویل پانی میں منہ کھول کر تیرتی ہے۔ جب اس سرنگ میں کئی جانور داخل ہو جاتے ہیں تو منہ بند کر لیتی ہے۔ ایک ویل کی چربی سے اتنا تیل نکلتا ہے کہ اٹھارہ اٹھارہ سیر کے دو سو پچھتر ٹین

بھر جاتے ہیں۔
ویل پکڑنے کی کشتیاں خاص قسم کی ہوتی ہیں جن کی تعداد کچھ عرصہ پہلے مختلف ممالک کے پاس یہ تھی۔

سال	ملک	تعداد	سال	ملک	تعداد
۱۶۸۰ء	ہالینڈ	۲۶۶	۱۸۲۹ء	امریکہ	۶۷۸
۱۸۱۵ء	برطانیہ	۱۶۴	۱۹۴۲ء	اسلامی سلطنتیں	سکیم زیر غور ہے؟؟؟

۱۸۹۵ء میں ایک جہاز آرکٹک (ARCTIC) نے دس ویل مچھلیاں پکڑیں جن کی ہڈیاں چودہ سو من نکلیں چوبیس ہزار پونڈ میں فروخت ہوئیں اوران کی چربی سے دوسو باون من تیل نکلا۔
ویل گھنٹہ بھر سانس لیے بغیر سمندر کی تہہ میں رہ سکتی ہے۔ جب شکاری دور سے ویل کو دیکھ پاتے ہیں تو دوڑ کر پاس آ جاتے ہیں جونہی سانس لینے کے لیے دوبارہ سر باہر نکالتی ہے تو شکاری توپ سے فائر کر دیتے ہیں۔ گولہ جو مضبوط تاروں سے جہاز کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا ہے ویل کے جسم میں گھس جاتا ہے۔ یہ بدک کر بھاگ نکلتی ہے اور کئی سو میل جہاز کو بھی گھسیٹے پھرتی ہے شکاری لگاتار فائر کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ نڈھال ہو کر رہ جاتی ہے۔
ویل کے چمڑے سے مشینوں کے لیے پٹے بنتے ہیں اور خول سے کھاد کا کام لیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو ویل کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ نہ ان کے پاس مشینیں ہیں اور نہ اتنی بلند مزاج زمینیں۔
جنوبی افریقہ میں آج کل سولہ ویلیں روزانہ پکڑی جاتی ہیں اوران کی تعداد کم ہو رہی ہے ایک ویل ایک وقت میں ایک ہی بچہ دیتی ہے اور وہ پچاس سال میں جوان ہوتا ہے۔ ہر ویل کم از کم اسی فٹ لمبی اور ساٹھ فٹ موٹی ہوتی ہے۔

دریائی سانپ:

ڈیڈلس (DEADALUS) جہاز کے کپتان نے ۱۸۴۸ء میں ساٹھ فٹ لمبا

سانپ دیکھا۔ ۱۸۷۲ء میں سسلی کے پاس اسبورنی (OSBORNE) جہاز کے کپتان نے ایک سانپ دیکھا جس کی پیٹھ پندرہ سے بیس فٹ تک چوڑی تھی اور اس کا جسم پچاس فٹ تک نظر آ رہا تھا۔ ۱۸۷۰ء میں امریکہ کے ایک جہاز ڈرفٹ (DRIFT) کے ملاحوں نے کیپ کاڈ (CAPE COD) کے پاس ایک سانپ دیکھا جو پانی سے ابھرا اور چالیس فٹ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

عجائبات:

۱۔ برٹش سٹارفش (ایک قسم کی مچھلی) ایک سال میں بیس کروڑ انڈے دیتی ہے۔

۲۔ ناروہیل کا ایک دانت چھ فٹ لمبا ہوتا ہے۔

۳۔ کچھوے کی عمر تقریباً سو سال ہوتی ہے۔

۴۔ ایک بیس فٹ لمبے سانپ کا نام ہے یہ ساحلی پہاڑوں میں رہتا ہے۔ ہر سال اکتوبر میں ساحل پر آ کر کسی چٹان کو منہ سے پکڑ لیتا ہے۔ اور اپنی دم کو پانی پر پھیلا دیتا ہے۔ لہروں کے ہچکولوں سے یہ دم ٹوٹ جاتی ہے۔ اس میں انڈے ہوتے ہیں جو کہیں دور جا کر بچے بن جاتے ہیں، اس کا زخم مندمل ہو جاتا ہے اور دوسرے سال پھر اسی مشق کا اعادہ کرتا ہے۔

۵۔ بحر چین کی ایک مچھلی میں ایک خوبی یہ ہے کہ اگر اسے کوئی کھا لے تو ہنستے ہنستے مر جاتا ہے۔ اس مچھلی کی فروخت ممنوع ہے۔ قدیم زمانہ میں جب کسی امیر کو موت کی سزا دی جاتی تھی تو اسے یہ مچھلی کھلائی جاتی تھی۔

۶۔ ایک مچھلی ایسی بھی ہے جس کی دم موم بتی کی طرح جلتی ہے اور اس میں ۵۰۰ موم بتیوں کی روشنی نکلتی ہے۔

۷۔ مچھلی کے جسم میں ایک پمپ لگا ہوتا ہے۔ جب وہ ہوا کو اندر کھینچتی ہے تو پانی سے ہلکی ہو کر سطح پر آ جاتی ہے اور جب ہوا کو خارج کر دیتی ہے تو بھاری ہو کر نیچے چلی جاتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنا کر اپنی قوم کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں کو عموماً زندگی

کا سبق دیا تھا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا. (شوریٰ. ۱۳)

ہم نے تمہیں وہی (قوت اور ہیبت والا) دین عطا کیا ہے جو نوحؑ کو دیا تھا۔

لیکن کسی نے فائدہ نہ اٹھایا، قوم نوحؑ کو مٹا دیا گیا اور قوم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مٹ رہی ہے۔

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ○ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ○ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ○ (مؤمنون. ۲۷ تا ۳۱)

ہم نے نوحؑ کو کہا تھا کہ ظالموں کی سفارش ہمارے ہاں مت کرنا کہ وہ غرق ہو کر رہیں گے۔ جب تم اور تمہارے ساتھی جہاز میں سوار ہو جائیں تو سب کہو اس اللہ کا شکر ہے جس نے ظالموں سے ہمیں نجات دلائی۔ اے رب! اب ہمیں کسی مبارک مقام پر اتارنا۔ نوح کے اس واقعہ میں کچھ اسباق پنہاں ہیں۔ قوموں کو ابتلا میں ڈالنا ہمارا کام ہے (اور اس لیے ہم مسلمانوں کو بھی ابتلا میں ڈالیں گے) اور ہم نے قومِ نوحؑ کا وارث ایک اور قوم کو بنا دیا تھا۔

ل جرمنی کے ایک محقق نے ثابت کیا ہے کہ آج سے بہت پہلے افریقہ و امریکہ باہم ملے ہوئے تھے۔ درمیانی خطہ مملکتِ اطلانطس کہلاتا تھا جو کسی زلزلے وغیرہ کی وجہ سے ڈوب گیا۔ یہ محقق کہتا ہے کہ مصر کی طرح میکسیکو سے بھی اہرام برآمد ہوئے ہیں نیز افریقہ کے مغربی اور امریکہ کے مشرقی ساحل کی نباتات میں کلی مشابہت ہے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں برِ اعظم آپس میں ملے ہوئے تھے اور ان پر صدیوں کسی ایک قوم کی حکومت تھی جن کے آثارِ تمدن کچھ افریقہ اور کچھ امریکہ میں آج بھی ملتے ہیں۔ (برق)

باب ۸

صحیفۂ فطرت کے چند اوراق

آغازِ تخلیق

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ. (عنکبوت. ۲۰) اے رسولؐ! مسلمانوں کو حکم دے کہ وہ زمین کے مختلف شواہد کا معائنہ کرنے کے بعد آغازِ آفرینش کا کھوج لگائیں۔

علماء فطرت کا خیال یہ ہے کہ آغازِ آفرینش میں ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا۔ یہ دھواں دراصل وہ ترکیبی عناصر تھے جن سے آسمان و ایتھر وغیرہ تعمیر ہوئے تھے۔ آفتاب و دیگر کواکب کی تشکیل کے بعد ایک بہت بڑا ستارہ سورج کے قرب و جوار سے گزرا۔ زورِ کشش سے ایک ٹکڑا علیحدہ ہو گیا جو تقریباً ساڑھے نو کروڑ میل دور جا کر گھومنے لگا اس ٹکڑے کا نام زمین ہے۔ یہ زمین آغاز میں پگھلے ہوئے لوہے کی طرح تھی۔ ہزارہا صدیوں کے بعد قشرِ زمین ٹھنڈا پڑ گیا لیکن اندر سے زمین بدستور ویسی ہی گرم ہے۔

اگر ہم زمین کے اندر اترنا شروع کر دیں تو ہر تیس میٹر (میٹر = ۳۹ انچ) کے بعد زمین کا درجۂ حرارت ایک کے حساب سے بڑھتا جائے گا۔ تین سو میٹر کی گہرائی میں درجۂ حرارت دس ہوگا۔ تین ہزار کی گہرائی میں سو اور تیس ہزار کے عمق میں ایک ہزار تک پہنچ جائے گا۔ جب زمین سورج سے الگ ہوئی تھی، اس وقت اس کا درجۂ حرارت دس ہزار سے اوپر تھا۔ بیس لاکھ سال کے بعد قشرِ زمین جس کی موٹائی ایک ہزار ترانوے گز ہے ٹھنڈا ہو گیا اور زمین مختلف مدارج طے کرنے لگی۔ درجہ اولیٰ میں معادن کی تکوین ہوئی یہ معادن پہلے دخانی صورت میں ہر سو پریشان تھے۔ درجۂ ثانیہ میں طوفان آئے اور زلازل کی بدولت پہاڑ تعمیر ہوئے۔ حالت سوم میں نباتات کا آغاز ہوا اور حالت چہارم میں زندگی نے جنم لیا۔

سونے اور چاندی کی بارش:

مختلف معادن کو گیسی صورت میں تبدیل کرنے کے لیے مختلف درجہائے حرارت کی ضرورت ہے مثلاً:

۱۔ سکے کو گیس میں تبدیل کرنے کے لیے ۲۲۶ درجۂ حرارت درکار ہے۔

۲۔ المونیم " " " " " " ۲۶۵ " " " " "

۳۔ چاندی " " " " " " ۹۰۴ " " " " "

۴۔ سونے " " " " " " ۱۰۷۵ " " " " "

۵۔ تانبے " " " " " " ۱۰۵۴ " " " " "

جب زمین سورج سے علیحدہ ہوئی تھی تو بہت گرم تھی۔ نتیجتاً یہ معادن بار بار گیس بن کر فلک کی طرف اٹھتیں۔ خشک فضاؤں میں پہنچتے ہی دوبارہ زمین پر ٹپک پڑتیں اور پھر گیس میں تبدیل ہو کر اوپر چلی جاتیں۔ لاکھوں برس تک بادل زمین پر سیم وزر کی بارشیں برساتے رہے، بعد میں جب قشرِ زمین سرد پڑنے لگا تو یہ دھاتیں بھی منجمد ہونے لگیں۔ سب سے پہلے سونا پھر تانبا اور آخر میں سکہ منجمد ہوا تا آنکہ زلزلے آئے اور یہ معادن زمین میں دب گئے۔

مدارج ستہ

تفاصیل بالا کا ماحصل یہ ہے کہ کائنات کو ارتقاء کے چھ درجوں سے گزرنا پڑا۔

۱۔ عناصر ترکیبی دخان کی صورت میں نمودار ہوئے۔

۲۔ ان عناصر سے اجرام سماوی پیدا کیے گئے۔

۳۔ آفتاب سے زمین نکلی۔

۴۔ زمین ٹھنڈی ہوئی بخارات پانی بن کر ٹپک پڑے اور زلازل سے ہر طرف پہاڑ تعمیر ہو گئے۔

۵۔ پھر نباتات کا ظہور ہوا۔

۶۔ اور آخر میں حیوانات کی تخلیق ہوئی جن کی ارتقائی صورت انسان ہے۔

ماحصل یہ کہ اللہ نے آسمان کو دو عصروں اور کائنات ارضی کو چار عصروں میں مکمل کیا۔

ان نتائج پر جدید علمائے مغرب سینکڑوں برس کی تحقیق و تلاش کے بعد پہنچے اور ہمارے امی رسولؐ نے آج سے ۱۳۶۲ برس پہلے فرمایا تھا:

قُلْ اَءِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ط ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ط قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا.

(حٰمٓ سجدۃ ۹ تا ۱۲)

کیا تم اس ہستی کے قوانین کو توڑتے ہو جس نے دو یوم میں زمین کی تکمیل کی۔ تم خواہ مخواہ اس کے شریک گھڑ رہے ہو، حالانکہ وہ رب العالمین ہے اللہ نے زمین پر پہاڑوں کا سلسلہ بچھا کر اس میں برکت ڈال دی اس میں روئیدگی نباتات کی استعداد رکھ دی اور یہ سب کچھ چار دن میں ہوا۔ ان خزائن کے منہ سب کے لیے کھلے ہوئے ہیں، پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس وقت دھوئیں کی حالت میں تھا۔ پھر اس کو اور زمین کو حکم دیا کہ آؤ اور اپنا کام طوعاً و کرہاً شروع کر دو۔ زمین و آسمان نے کہا کہ ہم فرماں بردار غلاموں کی طرح حاضر ہیں۔ اللہ نے سات آسمان دو دن میں پیدا کئے اور ہر آسمان کو ایک ضابطے کا پابند کر دیا۔

تو گویا زمین پہاڑ اور نباتات وغیرہ چار یوم میں بنائے اور آسمان دو دن میں خلق کئے۔

قرآن اس حقیقت پر شاہد ہے کہ آسمانوں کی رفعت و تسویہ اور رات دن کی تفریق پہلے ہوئی، اور زمین کی تخلیق بعد میں ہوئی:

ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ (نازعات. ۲۷ تا ۳۳)	اے لوگو! کیا تمہاری تکوین دشوار ہے یا آسمانوں کی؟ اللہ نے آسمانوں کو بلند کر کے ان کی ساخت ہر لحاظ سے مکمل کی پھر شب و روز کا انتظام تکمیل تک پہنچایا اس کے بعد زمین کو بچھایا۔ پھر پانی، نباتات اور پہاڑوں کی تعمیر کی اور یہ سب چیزیں تمام ذی حیات کے لیے مدارِ زندگی ہیں۔

چھ (ستہ):

اعداد کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ زائد ۲۔ ناقص ۳۔ اور کامل۔ عدد زائد میں اعداد ضرب کا مجموعہ اصل سے زائد ہوتا ہے مثلاً: ۱۲ اس کے اعدادِ ضرب (یعنی جن پر تقسیم ہو سکتا ہے یا جن کا حاصلِ ضرب ۱۲ ہوتا ہے) ۶، ۴، ۳، ۲، ۱ ہیں جن کا مجموعہ ۱۶ ہے عدد ناقص میں اعدادِ ضرب کا مجموعہ اصل سے کم ہوتا ہے۔ مثلاً: ۸، اس کے اعداد ضرب یعنی ۴، ۲، ۱ کا مجموعہ ۷ ہے عدد کامل میں اعدادِ ضرب کا مجموعہ اصل کے برابر ہوتا ہے مثلاً: ۶، اس کے اعداد ضرب ۳، ۲، ۱ کا مجموعہ ہے۔

اعداد کاملہ اکیس لاکھ تک صرف ۶ ہیں، یعنی عدد کامل چھ جستوں میں اکیس لاکھ جا پہنچا اسی طرح جب کائنات چھ زمانوں سے گزر چکی تو دنیا میں کم و بیش اکیس لاکھ قسم کے نباتات حیوانات و جمادات پیدا ہو گئے اور یہ انواع چھ کے عدد کی طرح ہر لحاظ سے مکمل تھیں۔ اعدادِ کاملہ دس سنکھ تک صرف ۷ ا ہیں، اور پہلے ۶ ا اعداد یہ ہیں۔

۱۔ ۶
۲۔ ۱۸
۳۔ ۴۲۹
۴۔ ۲۹۴۸
۵۔ ۱۳۰۸۱۶
۶۔ ۲۰۹۶۱۲۸

زمینوں کی تعداد

موجودہ علمائے فلک کا یہ خیال ہے کہ کائنات میں کم وبیش تیس کروڑ زمینیں چکر کاٹ رہی ہیں۔اس نظریے کی بنیاد اس مشاہدے پر رکھی گئی ہے کہ فضا میں شموس کی تعداد دس کروڑ ہے اور ہر سورج کے اردگرد کم وبیش تین زمینیں گھوم رہی ہیں۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ط   اللہ کے لشکروں کا علم صرف اللہ ہی کو ہوسکتا ہے۔ (مدثر. ۳۱)

جہنم:

بعض کتب احادیث میں مذکور ہے کہ جہنم زمین کے نیچے ہے اور دوسری علمائے جدید نے ثابت کیا ہے کہ بطنِ زمین میں ۱۳۰۰ درجہ حرارت کی آگ موجود ہے۔آتش فشاں پہاڑوں سے جو معادن باہر نکلتی ہیں وہ اندرونی آگ کی وجہ سے پگھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ہم جہنم کا تصور یوں کر سکتے ہیں کہ ایک شدید زلزلے کی وجہ سے بطن زمین باہر آجاتا ہے اور ہر طرف آگ کے مواج سمندر لہریں لینے لگتے ہیں۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ج اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ٥   اے انسانو! اللہ سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک خوفناک چیز ہے۔ (حج. ۱)

اندازہ یہ ہے کہ اگر زمین کا بطن باہر آجائے تو دفعتاً تمام سمندر کھولنے لگ جائیں نباتات وجمادات میں آگ بھڑک اٹھے اور تمام فضا سرخ چنگاری کی طرح دہکنے لگے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ قیامت کے دن کوئی تازہ زمین کسی آفتاب سے نکال لائے جو بے انتہا گرم ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس روز سورج زمین کے اس قدر قریب پہنچ جائے کہ لوہار کی بھٹی کا سماں بندھ جائے۔

بہرحال کسی کو یقینی علم حاصل نہیں کہ اس وقت کیا کیفیت ہوگی،اس لیے کہ

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ   (لقمان. ۳۴)   قیامت کا علم صرف اللہ کو حاصل ہے۔

ہماری زمین کی عُمر:

مصر میں چند مقامات سے چار ہزار سال پہلے کے گھر برآمد ہوئے ہیں۔ایک گھر کی دیوار پر اس عہد کی زبان میں یہ الفاظ کندہ ہیں:

''جولیا میری پیاری جولیا، ایک حسین اور چھوٹا سا سور ہے۔''

ایک اور قبر پر یہ الفاظ منقوش ہیں:

''اس میں سوائے اس کے کوئی اور عیب نہ تھا کہ یہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔''

ان فقرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کا انسان دماغی ساخت اور اندازِ تخیل میں ہم سے مختلف نہ تھا۔ چونکہ نسل انسانی کو ابتدائی دورِ وحشت سے گزر کر منازل تمدن تک پہنچنے کے لیے ہزار ہا قرن درکار ہیں، اس لیے بائبل کی بتلائی ہوئی انسانی عمر (۶۰۰۰) سال درست نہیں ہے۔

لارڈ کلون کے ہاں زمین کی عمر دو کروڑ سال ہے اور اس نے اس نظریے کی بنیاد زمین کی مختلف بیرونی حالتوں اور اندرونی درجۂ حرارت پر رکھی ہے۔اس کے خیال میں زمین کا بیرونی قشر بیس لاکھ سال میں ٹھنڈا ہوا تھا۔

بعض علمائے طبقات الارض کی رائے یہ ہے کہ زمین کی اندرونی تہوں میں ریڈیم کی مقدار بہت زیادہ ہے چونکہ ریڈیم حرارت پیدا کرتا ہے، اس لیے زمین کا پیٹ گرم ہے لیکن لارڈ کلون اس نظریے کے ساتھ متفق نہیں۔ چنانچہ ایک خط (جو ۱۹۰۶ء میں لکھا گیا اور ''برٹش ویکلی'' میں شائع ہوا) میں لکھتے ہیں:

''یہ بات قطعاً ناقابل یقین ہے کہ سورج اور زمین ریڈیم کی وجہ سے گرمی و روشنی دے رہے ہیں۔''

پروفیسر جولی کا اندازہ:

آغازِ آفرینش میں جب پہلی دفعہ سمندر بنے تو ان کا پانی میٹھا تھا، پھر برساتی نالوں اور دریاؤں (جو ادھر ادھر سے سوڈا لاتے ہیں) کی وجہ سے رفتہ رفتہ نمکین ہو گیا۔

پروفیسر جولی نے سالہا سال کی تحقیق و جستجو کے بعد اعلان کیا کہ ہر سال دنیا کے تمام دریا اور نالے سمندروں میں سولہ کروڑ ٹن نمک کا اضافہ کرتے ہیں اور اس وقت سمندروں کے نمک کا مجموعی وزن چودہ ہزار کھرب ٹن ہے جس کے جمع ہونے پر نو کروڑ برس ہوئے اور یہی زمین کی عمر ہے۔

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

(اقبالؒ)

آغازِ حیات:

حیوانات و نباتات کا خوردبینی معائنہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بے حجاب ہو چکی ہے کہ تمام حیوانات و نباتات خلیوں سے بنے ہیں، ان میں سے بعض واحد الخلیہ ہیں اور بعض کثیر الخلایا۔ یہ خلیے سمندر کے ایک جھلی والے مادے نخر مایہ سے تیار ہوئے تھے جو سمندر کے ساحل پر ملتا ہے۔ سب سے پہلے اس نخر مایہ سے ایمیبا (AMOEBA) بنا۔ ایمیبا ایک واحد الخلیہ جانور ہے جو کیچڑ میں ملتا ہے۔ اس کے بعد دو، تین، چار بلکہ ہزاروں اور کروڑوں خلیوں والے جانور وجود میں آئے، جن میں حیوانات بھی شامل ہیں۔

رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا. (نساء. ۱) اللہ نے تمہیں واحد الخلیہ جانور سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی مادہ نکالی۔

ایمیبا کے تکوینی اجزاء یہ ہیں: کاربن، نائٹروجن، ہائیڈروجن اور یہی ہمارے اجزائے تعمیر ہیں۔ پانی اور ہوا کے عناصر تکوینی بھی یہی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانی زندگی کی ابتداء سمندر سے ہوئی تھی۔

توریت باب پیدائش میں درج ہے:

''پھر ہم نے پانیوں (سمندر) کو حکم دیا کہ جاندار و متحرک مخلوق پیدا کرو۔''

قرآن حکیم میں مذکور ہے۔

اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط (انبیاء: ۳۰) آغاز میں ارض وسما کا ہیولیٰ ایک تھا پھر ہم نے اسے علیحدہ علیحدہ کر کے مختلف دنیائیں بناڈالیں اور جاندار اشیاء کو پانی (سمندر) سے پیدا کیا۔

یہ واحد الخلیہ مخلوق (ایمبا) مندرجہ ذیل مدارج سے گزر کر تکوین آدم پر منتہی ہوئی:

۱۔ ان خلیوں سے پہلے نباتات بنے۔

۲۔ پھر حیوانی نباتات نمودار ہوئے یعنی ایسے نباتات جن میں حرکت معدہ اور بعض حیوانی اعضاء تو موجود تھے لیکن دیکھنے سننے اور سونگھنے سے محروم تھے۔

۳۔ پھر رینگنے والے کیڑے پیدا ہوئے۔

۴۔ اس کے بعد اصداف اور جونکیں وجود میں آئیں۔

۵۔ پھر سرطان البحر نے جنم لیا اور ساحل پر بچھو نظر آنے لگے۔

۶۔ اس کے بعد مچھلیاں، مگرمچھوں اور دیگر حیوانات آبی کا دور آیا۔

۷۔ پھر زندگی نے خشکی پر قدم رکھا۔ کیڑوں، مکوڑوں، پرندوں اور چوپاؤں کے بعد انسان کی باری آئی اور فوراً:

خبرے رفت زگردوں بہ شبستان ازلی

حذرائے پردگیاں پردہ درے پید اشد

(اقبالؒ)

الغرض! زندگی پانی کی پیداوار ہے۔ پہلے ایک خلیہ تھی۔ پھر اسفنجیہ، پھر شعاعیہ اور پھر ہلامیہ بنی۔ اس کے بعد حشرات، ویدان، عناکب، طیور اور حیوانات سفلی وعلوی کے منازل سے گزر کر انسانی عظمتوں تک جا پہنچی۔ انسانوں میں بعض وحشی، بعض عقلاء، بعض اولیاء اور بعض انبیاء ہیں، پتہ نہیں چلتا کہ راہ دار حیات کی آخری منزل کون سی ہے۔

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى۔ (نجم ۴۲) اور بیشک تمہاری آخری منزل خیام قدس تک رسائی ہے۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

(اقبالؒ)

رحم:

رحم مادر میں بالکل وہی عناصر موجود ہیں، جو سمندر میں ملتے ہیں اور درجۂ حرارت بھی وہی ہے۔ ماہرینِ تولید نے ہزارہا تجارب و مشاہدات کے بعد یہ ایمان افروز اعلان کیا ہے کہ جس طرح آغاز میں زندگی مختلف مدارج سے ہوتی ہوئی منزل انسانیت تک پہنچی تھی اسی طرح کا ایک حیرت انگیز سلسلہ ماں کے پیٹ میں بھی کارفرما ہے۔ نطفہ رحم مادر میں پہلے ایک خلیہ سا ہوتا ہے، اس کے بعد چند مدارج سے گزر کر جونک بنتا ہے، پھر مینڈک کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر پرندوں کی طرح ایک چونچ سی نظر آنے لگتی ہے اس کے بعد چوپاؤں کی صورت بدلتا ہے۔ چوتھے مہینے میں سر و بازو کے ہمراہ ایک چھوٹی سی دم نکلتی ہے جو پانچویں مہینے میں غائب ہو جاتی ہے، چھٹے مہینے میں نر و مادہ کی تمیز ہوتی ہے۔ آٹھویں میں آنکھیں کھلتی ہیں اور سر پر بال اگ آتے ہیں۔

الغرض! انسان کا بچہ تمام ان مناظر سے گزرتا ہے جن سے زندگی کو آغازِ آفرینش میں گزرنا پڑا تھا۔ ابتدائی مراحل میں انسانی بچہ دیگر حیوانات کے بچوں سے متمیز نہیں کیا جا سکتا۔

ان مدارج میں سے بعض کا ذکر قرآن حکیم میں بھی موجود ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ق ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ط فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝

(مؤمنون۔ ۱۲ تا ۱۴)

اس آیت میں چار لفظ قابل غور ہیں:

ا۔ سلالۃ۔ اس لفظ کے معنی الفرائد الدریہ میں یوں دیے جاتے ہیں۔

سلالۃ (OFFSPRING) یعنی بچہ

(ESSENCE) یعنی نچوڑ

ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایمیبا کیچڑ میں جنم لیتا ہے، یعنی وہ کیچڑ کا بچہ اور نچوڑ ہوتا ہے۔

۲۔ علقہ۔ اس لفظ کے معنی جونک بھی ہیں۔ علق (اسے جونک لگائی گئی) اعلق۔ (اس نے جونک لگائی)

۳۔ مضغہ۔ اس کے مشتقات میں سے ایک لفظ ''مضیغہ'' ہے جس کے معنی ''بازوئے اسپ'' ہیں۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ رحمِ مادر میں ایک منزل پر بچہ چوپائے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

۴۔ خلقا اخر۔ رحم مادر میں بچہ پہلے جونک، پرندے اور حیوان کی شکل میں ہوتا ہے۔ آخر میں جب اسے انسانی صورت عطا ہوی ہے تو یہ حقیقتاً ایک نئی تخلیق ہوتی ہے۔

آیت کا ترجمہ:

ہم نے آغاز میں انسان کو کیچڑ کے بچے، یعنی ایمیبا سے پیدا کیا اور اب اس کی تولید کا سلسلہ رحم مادر سے جاری کر دیا۔ پہلے ہم نطفہ کو جونک (علقہ) کی شکل میں تبدیل کرتے ہیں۔ پھر جونک کو گوشت کا لوتھڑا (گھوڑے سے مشابہ) بناتے ہیں پھر ہڈیاں پیدا کر کے اوپر گوشت چڑھاتے ہیں اور اس کے بعد ہم اسے انسانی صورت دے کر باہر نکال لاتے ہیں، وہ بہترین خالق کس قدر قابل تعریف ہے۔

علماء کا خیال ہے کہ شروع میں انسان کی پیدائش خطِ استوا کے قریب سمندر کے ساحل پر ہوئی تھی، انسانی رحم نے نہ صرف اس حرارت کو محفوظ رکھا بلکہ وہ تمام عناصر بھی یہاں موجود ہیں، جو سمندروں میں ملتے ہیں۔

اللہ اکبر! تخلیق و تکوین کے جس منظر کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو۔ ایک اکمل واتم نظام ہر جگہ نظر آتا ہے جس کی تفسیر کا نام معرفت ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ انسان اس شاہد حجلہ نشین کو ڈھونڈ کر بے نقاب کر دے۔

فارغ نہیں بیٹھے گا عالم میں جنوں تیرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک

(اقبالؒ قدرے ترمیم کے ساتھ)

ایوانِ کائنات کی اینٹیں:

کائنات کا ہر منظر لالہ صحرائے عرش کے تارے تک ذراتِ برقیہ سے تعمیر ہوا ہے اگر ہم خوردبین سے پانی کا معائنہ کریں تو ہمیں چھوٹے چھوٹے ذرات نظر آئیں گے جن میں سے ہر ایک قطر ۰۰۰,۰۰,۰۰,۵/۱۱انچ ہوگا۔ مائیکروب پر نگاہ ڈالئے۔ گو یہ خاکی ذرے سے بہت چھوٹا ہوتا ہے لیکن دراصل کئی ہزار جواہر سے مرکب ہوتا ہے، پھر ہر جوہر منفیہ وثباتیہ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ مائیکروب سے ہزار گنا چھوٹے ذرات وہ اینٹیں ہیں جن سے ایوانِ فطرت تیار ہوا۔ اس مہیب کائنات کا ہر منظر ان ہی بے مقدار ذرات سے بنا سائنس کا یہ انکشاف توحید پر سب سے بڑی دلیل ہے، فرض کیجئے ایک انسان زمین کا پیٹ چیر کر میلوں اندر گھس جاتا ہے اور وہاں سے نرالی دھات کا ایک ٹکڑا نکال لاتا ہے، پھر بحرالکاہل کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر سات میل نیچے سے کوئی خول اٹھا لاتا ہے اس کے بعد آسمان کی نیلی فضاؤں میں کھرب ہا میل دور جا کر کسی مدھم تارے سے ایک کنکر اڑا لاتا ہے اور خوردبین کے نیچے رکھ کر ہر شے کا معائنہ کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی حد نہ رہے گی کہ ان تینوں کے اجزائے ترکیبی وہی ذرات برقیہ ہیں جو ذرہ غبار ورقِ گل، قطرۂ شبنم وزہرہ ومشتری میں یکساں پائے جاتے ہیں۔

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے، اگر ذرے کا دل چیریں

(اقبالؒ)

فوق العرش سے تحت الثریٰ تک عناصر تکوینی کی یہ وحدت، وحدتِ خالق کا ایک نا قابلِ تردید اعلان ہے۔

کبھی وہ زمانہ تھا کہ علماء کو اللہ کی ہستی سے متعلق بے شمار شبہات ہوا کرتے تھے۔ علم اس قدر ناقص تھا کہ جہالت ومعرفت کی سرحدیں باہم ملی ہوئی تھیں۔ آج علمائے مغرب کی تلاش و محنت نے عروسِ فطرت کے بہت سے خدوخال عریاں کر دیئے ہیں اور کوئی دن میں انسان کا گستاخ ہاتھ دامنِ قدس تک پہنچنا چاہتا ہے۔

عشق بھی ہو حجاب میں ، حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو ، یا مجھے آشکار کر
(اقبالؒ)

ان خشت ہائے ہستی (ATOMS) کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً: جراہر آبی، آکسیجن، آہنی کاربنی وغیرہ۔ پانی کا خوردترین قطرہ آکسیجن کے ایک جواہر اور ہائیڈروجن کے دو جواہر سے مل کر سالمہ (MOLECULE) آبی کہلاتا ہے۔ بعض اشیاء کی سالمات زیادہ جواہر سے مرکب ہوتے ہیں جن کی تعداد سو سے ہزار تک ہو سکتی ہے۔ پانی میں آکسیجن کا ایک جوہر ہائیڈروجن کے دو جواہر کو تھام سکتا ہے اور نمک میں سوڈے کا ایک جوہر کلورین کے صرف ایک جوہر کو قابو میں کر سکتا ہے لیکن کلورائڈ آف گولڈ میں سونے کا ایک جوہر کلورین کے تین جواہر کو تھام سکتا ہے۔

اتصال جوہر:

یہ جواہر مختلف مقادیر میں مل کر مختلف اشیاء تیار کرتے ہیں، یہ ملاپ کسی قدرتی و کیمیائی ترکیب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس کا یقینی علم حاصل نہیں۔ عام نظریہ یہ ہے کہ بعض میں مثبت اور بعض دیگر میں منفی بجلی موجود ہے۔ چونکہ مثبت بجلی منفی بجلی کو کھینچتی ہے، جواہر ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اگر دو جوہروں میں ایک ہی قسم کی بجلی یعنی مثبت یا منفی ہو تو وہ ایک دوسرے سے دور بھاگتے ہیں۔ ہائیڈروجن کے جوہر میں اللہ نے مثبت اور آکسیجن کے جوہر میں منفی بجلی رکھ دی جس سے وہ ایک دوسرے کی طرف کھنچ رہے ہیں اور پانی تمام عالم کے لیے مدارِ حیات بن رہا ہے۔

ان جوہروں کی باہمی گرفت اس قدر سخت ہوتی ہے کہ اگر ہم لوہے کی صرف ایک چوتھائی انچ موٹی سلاخ کو توڑنا چاہیں تو سوٹن طاقت درکار ہوگی۔ اگر ہم کسی ٹوٹی ہوئی سلاخ کے دو ٹکڑوں کو پاس پاس رکھ دیں تو وہ آپس میں نہیں جڑیں گے، اس لیے کہ پورا اتصال پیدا کرنے کے لیے جواہر کو زیادہ قریب لانے کی ضرورت ہے جو آگ اور ہتھوڑے کے بغیر ممکن نہیں۔

ارتعاش جواہر:

تمام جواہر ایک مسلسل ارتعاش کی حالت میں رہتے ہیں جس سے کچھ حرارت بھی پیدا ہوتی ہے۔ جب پٹڑی پر سے ریل گزرتی جاتی ہے تو ارتعاش ذرات کی وجہ سے تمام پٹڑی گرم ہو جاتی ہے بعض اشیاء مثلاً: لکڑی کے جواہر میں ارتعاش کم ہوتا ہے اس لیے وہ سرد اجسام کہلاتے ہیں۔ یہ ارتعاش حرکت کا نتیجہ ہے اور حرکت اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ جواہر باوجود اتصال کے ایک دوسرے سے علیحدہ ہوں۔ علمائے فطرت نے مسلسل مشاہدات کے بعد اعلان کیا ہے کہ تمام جواہر میں باوجود اتصال کے انفصال بھی ہے اور حرکت بھی۔ اگر ہم لوہے کو تیز آگ میں رکھ کر گرماتے جائیں تو ہجوم ارتعاش واضطراب کی وجہ سے جواہر اپنی اتصالی گرفت کو ڈھیلا کر دیں گے لوہا پھیل جائے گا اور مزید حرارت کے بعد یہ جواہر ایک دوسرے سے جدا ہو کر آہن سیال کی صورت اختیار کرلیں گے۔ اگر چھ ہزار درجے کی حرارت پہنچائی جائے تو آئینی سیال گیسی صورت میں تبدیل ہو جائے گا۔ یہیں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر جسم میں مسام موجود ہیں، ورنہ جواہر متحرک نہ ہوسکتے۔

فولاد میں جواہر کی حرکت گھڑی کے پنڈولم کی طرح ہے لیکن بعض دیگر اجسام میں یہ حرکت دوری اور کہیں اختلاط وامتزاج کی ہوتی ہے۔ چائے میں دودھ ڈالنے کے بعد چائے کے جواہر دودھ کے جواہر میں خلط ملط ہو جاتے ہیں اسی طرح بوئے گل کے جواہر ہوائی جواہر میں شامل ہو کر شامہ تک پہنچتے ہیں۔

ایک منفیے کی رفتار پانچ ہزار میل فی گھنٹہ شمار کی گئی ہے۔ اگر ہوا کا دباؤ کم کر کے منفیے کی رفتار کو برقی رو سے بڑھا دیا جائے تو ساٹھ ہزار میل فی سیکنڈ تک پہنچ جائے گی۔ یا یوں سمجھئے کہ یہ منفیہ ایک سیکنڈ میں بحر اوقیانوس کو بیس مرتبہ عبور کر سکے گا اور چاند تک صرف چار سیکنڈ میں جا پہنچے گا۔ ایک منفیہ حجم میں جوہر آبی سے اٹھارہ سو گنا کم ہوتا ہے اور ہر سالمہ میں ایک لاکھ منفیے ہوتے ہیں۔

ہر شے میں زندگی:

ہم عرض کر چکے ہیں کہ جواہر کی ترکیب منفیوں سے ہوتی ہے۔ ہر دو منفیوں کے درمیان خالی جگہ ہوتی ہے، جہاں منفیہ حرکت کرتا ہے۔ تیز حرکت کی وجہ سے یہ خالی جگہ یوں پر ہو جاتی ہے جس طرح ایک لاٹھی کو آگ لگا کر ہوا میں گھمائیں تو فضا میں آتشیں چکر بن جاتا ہے۔ کائنات کی ہر چیز انہی زندہ و تیز رو ذرات کا مجموعہ ہے اسی لیے تو قرآن حکیم میں پہاڑوں کو متحرک کہا گیا ہے۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ. (نمل. ۸۸) تم پہاڑوں کو ساکن خیال کرتے ہو حالانکہ وہ بادل کی رفتار سے چل رہے ہیں۔

پہاڑوں کی یہ حرکت ایک تو حرکت زمین کی وجہ سے ہے اور دوسرے ان منفیوں کی وجہ سے جن سے ان پہاڑوں کی ترکیب ہوئی۔

کائنات میں تنوع (ایک سوال):

اگر سونے اور مٹی کے اجزائے ترکیبی وہی ہیں تو پھر سونا، سونا کیسے بن گیا، اور مٹی، مٹی کیوں رہ گئی؟

جواب: جواہر میں منفیوں کی کمی بیشی اور اختلافِ نظام سے کائنات میں تنوع پیدا ہو گیا۔ کسی جوہر میں منفیے وسط میں ہیں تو کہیں کناروں کے پاس ہیں، پھر تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی اختلاف نظام و تعداد تنوع مناظر کا سبب ہے۔

مثلاً:
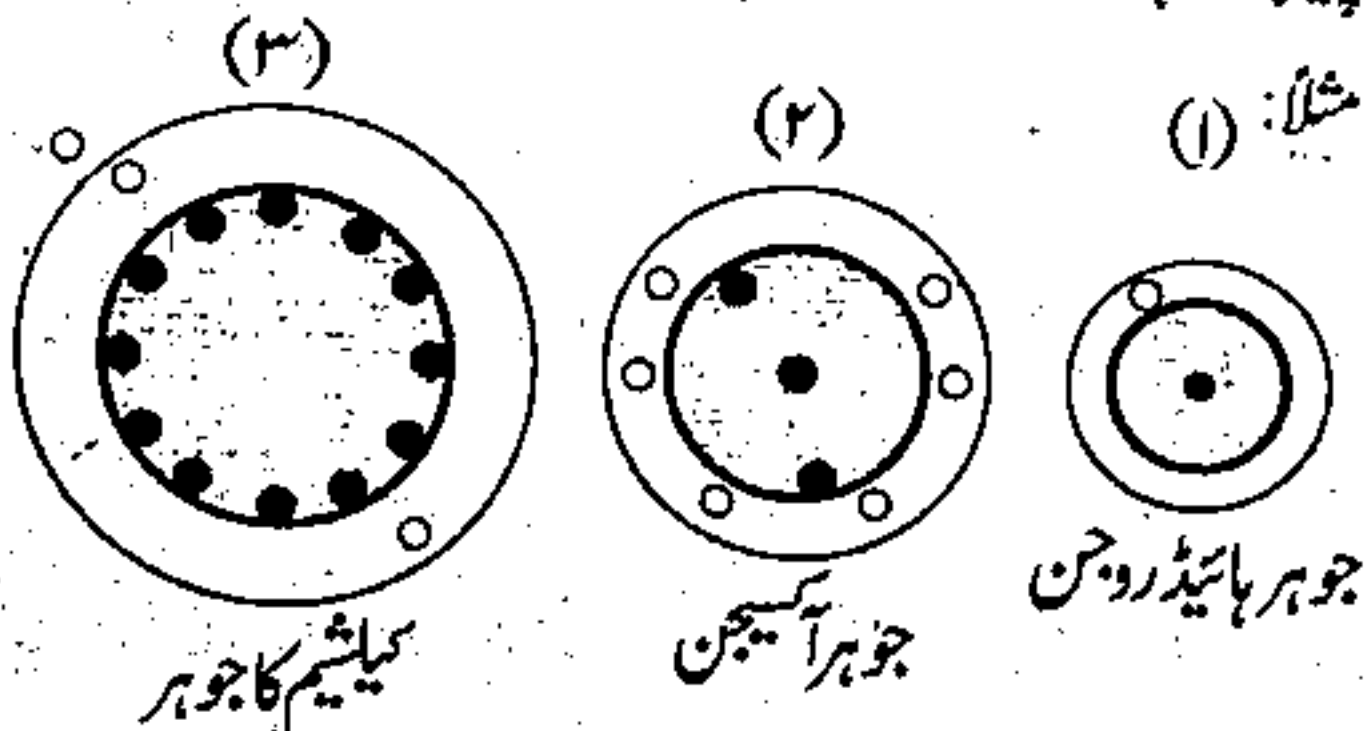
تشریح

ا۔ ہائیڈروجن کے جوہر میں صرف ایک منفیہ ہوتا ہے۔

۲۔ آکسیجن کے جوہر میں آٹھ منفیے ہوتے ہیں۔

۳۔ کیلشیم کے جوہر میں بیس منفیے ہوتے ہیں۔

(نوٹ) خط کشیدہ حصہ برق مثبت کا مرکز ہے۔

تو یہ ہیں کائنات کی اینٹیں۔ایک مغربی عالم نے جب ان جواہر کی ایمان افروز مشینری کو دیکھا تو پکار اٹھا:

"IT IS WONDER THAT MAN'S BRAIN REELS BEFORE THE INFINITELY GREAT THINGS OF THE UNIVERSE ON THE ONE HAND AND THE INFINITELY SMALL. THINGS OF THE NATURE ON THE OTHER.

''حیرت ہے کہ ایک طرف تو انسانی عقل قدرت کی بڑی مہیب ایجادات کو دیکھ کر لرز اٹھی ہے اور دوسری طرف باریک ترین ذرات کا اعجاز دیکھ کر تحیر میں کھو جاتی ہے۔

قرآن حکیم نے ہمیں ان خوردبینی اجزائے تکوین کی طرف یوں متوجہ کیا ہے:

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ٥	ارض وسماء کا کوئی ذرہ (جوہر) ذرے سے بھی چھوٹا (منفیہ) یا بڑا (سالمہ) اللہ کی نگاہ سے غائب نہیں بلکہ اس کی روشن کتاب میں موجود ہے۔

(یونس. ٦١)

اس کتاب میں اگر اصغر و اکبر سے مراد منفیہ و سالمیہ نہ لیے جائیں تو ساری آیت ایک چیستاں بن کر رہ جاتی ہے، چونکہ اللہ کو علم تھا کہ بیسویں صدی میں علمائے فطرت ذرے کے یہ اقسام دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔اس لیے وحی میں اس آخری کتاب کی عظمت

تسلیم کرانے کے لیے اللہ نے اقسام ذرات کا بھی ذکر فرما دیا۔ قرآن حکیم کے الہامی ہونے پر اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ اس میں ایک ایسی چیز کا ذکر موجود ہے جس کا علم ایک طاقت ور خوردبین کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

مجھ پر ایک دورِ الحاد (۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۰ء) بھی گزر چکا ہے جب قرآن پر پھبتیاں کسنا مذہب کو ڈھونگ قرار دینا اور اللہ کا مذاق اڑانا میرا مشغلہ ہوا کرتا تھا اور اب کہ میری آنکھیں کھل چکی ہیں۔ مجھے کائنات کا ہر ذرہ ایک آیت اور ہر پتہ کتاب اللہ کا ایک ورق نظر آتا ہے۔

خودرا نہ پرستیدہ عرفاں چہ شناسی
کافر نہ شدی ، لذتِ ایماں چہ شناسی

انہی ذرات خوردبینی کا سالہا سال تک مطالعہ کرنے کے بعد لارڈ کلون چلا اٹھتا تھا:

"IT IS IMPOSSIBLE TO CONCEIVE EITHER THE BEGINNING OR THE CONTINUANCE OF LIFE WITHOUT AN OVERRULING CREATIVE POWER. OVERPOWERING STRONG PROOFS OF BENEVOLENT AND INTELLIGENT DESIGN ARE TO BE FOUND AROUND US. TEACHING THAT ALL LIVING THINGS DEPEND ON THE EVERLASTING GREATER AND RULER."

"یہ خیال سراسر باطل ہے کہ کائنات کا آغاز یا تسلسل بغیر کسی خالق کے ہو سکتا ہے فطرت کے یہ حیرت انگیز مناظر جن سے تکمیل و رحمت برستی ہے۔ الٰہی تخلیق و تعمیر پر مبہوت کن دلائل ہیں جو ہمیں صاف صاف بتا رہے ہیں کہ وجود کائنات کا انحصار ایک حی و قیوم فرماں روا کی مشیت پر ہے۔"

لارڈ کلون کے نتائج غور و فکر الہام کے قریب جا پہنچے ہیں۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ (بقرۃ. ۲۵۵) پرستش کے قابل ارض وسماء کا وہ حی وقیوم نگران ہے جسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ۔

فضا کے ان کروڑوں کروں میں تصادم کیوں نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ جاگ رہا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَا ج اِنْ اَمْسَکَھُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِہٖ. (فاطر. ۴۱) اللہ ارض وسماء کے سرکش کروں کی باگیں تھامے ہوئے ہے کہ کہیں اپنے مداروں کو چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں اور اگر ایسا اتفاق ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نہیں جو انہیں تھام سکے۔

وَیُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط (حج. ۶۵) اللہ نے آسمانوں کو تھامے رکھا ہے کہ زمین پر نہ گر پڑیں۔

خیزد واکن دیدۂ مخمور را دوں مخواں ایں عالم مجبور را

غایتش توسیع ذات مسلم است امتحانِ ممکنات مسلم است

(اقبالؒ)

بجلی:

ان ذرات میں بجلی کہاں سے آ گئی؟ ہم نہیں جانتے ہمیں اب تک اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ بجلی دو قسم کی ہوتی ہے۔ مثبت و منفی۔ اگر شیشے کی ایک سلاخ کو ریشمی کپڑے سے رگڑا جائے تو سلاخ کے کافی منفیے کپڑے میں چلے جاتے ہیں اور پیچھے تقریباً مثبت بجلی رہ جاتی ہے اور اگر لاکھ کی سلاخ کو اسی کپڑے میں رگڑیں تو کپڑے کے منفیے سلاخ میں چلے جاتے ہیں اور سلاخ میں منفی بجلی بڑھ جاتی ہے جب کسی جسم میں منفیے بڑھ جاتے ہیں تو وہ فالتو منفیوں کو دور پھینک دیتا ہے، اس پھینکنے کو اصلاح میں ''ڈسچارج'' کہتے ہیں۔ یہ ڈسچارج ہمیشہ منفی مبرق جسم سے مقابلۃً مثبت جسم کی طرف ہوتا ہے۔ منفیوں کی دوڑ بجلی کی رو کہلاتی ہے، چونکہ تانبے یا پیتل کا تار بہت ٹھوس ہوتا ہے، اور اس کے جواہر ایک دوسرے کے بہت قریب ہوتے ہیں، اس لیے یہ جواہرات نہایت پھرتی

کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف منفیے پھینک سکتے ہیں۔اس کی مثال یوں ہے کہ ایک قطار میں پچاس چست لڑکے کھڑے ہوئے ہیں جن میں سے پہلا دوسرے کو اور دوسرا تیسرے کو کوئی چیز پکڑا رہا ہو۔بس یہی کیفیت پیتل کے تار کی ہے کہ پہلا جوہر نہایت تیزی سے دوسرے جوہر کو منفیے دے رہا ہے اور اسی کا نام برقی رو ہے۔

جب ہم پیتل کو تار زنک کے قریب لاتے ہیں تو زنک کے منفیے تار میں گھس جاتے ہیں اگر ہم زنک کو کسی ایسے سلوشن میں ڈال دیں، جس میں وہ گھل سکتا ہو تو زنک کے تمام منفیے اس سلوشن میں مل جائیں گے، پھر اگر پیتل کا ایک ٹکڑا اس سلوشن میں ڈال دیں اور ہر دو (زنک اور پیتل کے ٹکڑے) کو پیتل کے تار سے مربوط کر دیں تو منفیوں کی افراط کی بدولت اس تار میں بجلی کی رو کافی طاقتور ہو جائے گی۔اسی اصول پر بیٹریاں تیار کی جاتی ہیں۔

بعض اجسام منفیوں کو بہت جلد آگے چلاتے ہیں اور بعض اس معاملہ میں بے حد سست واقع ہوتے ہیں۔اول موصل اور غیر موصل کہلاتے ہیں۔تانبے کی ایک تار سے آہنی تار کی نسبت بجلی چھ گنا تیزی سے گزرتی ہے۔شیشہ کم درجہ کا موصل ہے اور لکڑی غیر موصل ہے اگر آپ چارپائی پر بیٹھ کر بجلی کے تار کو چھوئیں تو صدمہ محسوس نہیں ہوگا اس لیے بجلی لکڑی سے گزر کر زمین میں نہیں جا سکتی۔

ساون کے موسم میں ہمالہ کی طرف نگاہ اٹھاؤ۔سیاہ بادلوں کی ایک مہیب فوج انسانی دنیا کی طرف گرجتی، کڑکتی اور دھاڑتی ہوئی بڑھ رہی ہے۔دل بیٹھے جا رہے ہیں اور کلیجے دھڑک رہے ہیں کہ کہیں بجلیاں بھون نہ ڈالیں، ان بادلوں کی رفتار میں کس قدر وقار ہے اس لیے کہ ان کے جلو میں بجلیوں کے طوفان ہیں اور زمستان کے وہ بادل کس قدر مردہ نظر آتے ہیں جن کے پہلو میں آگ نہیں دامن میں بجلیوں کا خزانہ نہیں اور ہاتھ میں آتشیں تازیانہ نہیں۔بس دنیا میں وہی قومیں باوقار و معزز کہلاتی ہیں جن کے قبضے میں بجلیاں ہوں جن کے ہم رکاب طوفان ہوں اور جن کی مہیب رفتار سینہ ہستی کو دھڑکا رہی ہو۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنْشِیءُ السَّحَابَ الثِّقَالَ. تمہارا خدا وہ ہے جس کی بجلیاں تم میں خوف و طمع کی دو گونہ کیفیات پیدا کر دیتی ہیں اور جس کے (رعد. ۱۲) لرزہ انگیز بادل تمام کائنات پر چھا جاتے ہیں۔

ہمارے صوفیوں اور واعظوں نے کائنات کو لرزا دینے والے مسلم کے سامنے گزشتہ آٹھ سو سال میں وہ وہ گوسفندانہ بولیاں بولیں، عجز، تواضع اور انکسار جیسے سلبی اخلاق کا وہ تباہ کن درس دیا کہ اس سیل تندرو کی طغیانیاں سکونِ مرگ میں تبدیل ہو کر رہ گئیں اور اس کی طوفانی رفتار لغزش پیرا میں بدل گئی۔

جس دریا کی لہر نہ اونچی وہ کیسا دریا
جس کی ہوائیں تند نہیں وہ کیسا طوفاں

(اقبالؒ)

اقوام عالم برق و باد کو مسخر کرنے کے بعد برشگالی بادلوں کی رفتار سے کائنات پر چھا رہی ہیں۔ ان کی پر ہیبت گرج سے ارض و سما لرز رہے ہیں اور ان کی شمشیر خارا شگاف سے قہرمانانِ گیتی رعشہ براندام ہیں اور دوسری طرف صوفی زدہ مسلم گوسفندانہ عجز و مسکنت کا پیکر بنا ہوا ہے۔

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

(اقبالؒ)

پیروان اسلام! یاد رکھو تمہاری نجات اللہ کی طرف لوٹنے میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ○ (توبة. ۱۱۶) یاد رکھو کہ ارض و سماء کا مالک اللہ ہے، اقوام کی موت و زندگی اسی کے بس میں ہے اور تمہارے لیے اللہ کی پناہ میں آنے کے بغیر کوئی اور جلیل کار موجود نہیں۔

مسئلہ ایتھر یا جو:

ایتھر ازل سے کائنات میں موجود ہے لیکن علمائے فطرت کو حال ہی میں اس کا پتہ چلا۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن معجزات ایتھر ہیں۔

تالاب کے پرسکون پانی میں ایک کنکر ٹپکا دو، پانی میں لہریں پیدا ہو جائیں گی۔ پانی وہیں رہے گا لیکن لہریں تالاب کے کناروں تک جا پہنچیں گی۔ بہ دیگر الفاظ پانی انتقال امواج کا وسیلہ بنتا ہے اسی طرح ایتھر بھی ہماری متعدد خدمات سرانجام دے رہا ہے، یہ ہمارا قاصد ہے کہ ہمارے پیغامات آناً فاناً ہزارہا میل کی مسافت پر پہنچا رہا ہے، نیز عمل بصارت ایتھر ہی کی بدولت وقوع پذیر ہو رہا ہے۔

یہ قانونِ فطرت ہے کہ ایک جسم دوسرے جسم پر کسی درمیانی واسطے کے بغیر عمل نہیں کر سکتا، اندھیری رات میں ایک جہاز ران دور سے مینار روشنی کو دیکھتا ہے اس مینار اور جہاز ران کے درمیان ایک واسطہ موجود ہے جو روشنی کی لہروں کو اس ملاح تک پہنچا رہا ہے اسی درمیانی واسطے کا نام ایتھر ہے۔ مینار کی روشنی ایتھر میں لہریں پیدا کرتی ہے، یہ لہریں ملاح کے پردۂ چشم میں ٹکراتی ہیں اور دماغ روشنی دیکھ لیتا ہے یہ یاد رہے کہ دیکھنے کا عمل دماغ سے سرزد ہوتا ہے، اور آنکھیں محض آلات بصارت ہیں۔

اسی طرح آفتاب ایتھر میں ہیجان پیدا کرتا ہے اور یہ ہیجان ہمارے دماغ تک پہنچ کر روشنی و حرارت کا احساس دلاتا ہے۔ مقناطیس کچھ فاصلے سے سوئی کو کھینچ لیتا ہے۔ سوئی اور مقناطیس کے درمیان کوئی واسطہ تسلیم کرنا پڑے گا جس کا نام ایتھر ہے۔

اگر ہم ایک صراحی سے ہوا نکال کر اندر ایک بجلی کی گھنٹی لگا دیں جو لگاتار بج رہی ہو تو ہم آواز نہیں سن سکیں گے، اس لیے کہ آواز کا درمیانی واسطہ، یعنی ہوا موجود نہیں اور اگر اسی صراحی میں بجلی کا لیمپ روشن کر دیا جائے تو روشنی نظر آئے گی۔ اس لیے کہ نظر کا واسطہ ایتھر صراحی میں بھی موجود ہے۔

صحیفۂ فطرت کے ایک روسی فاضل مسٹر منڈلیف کا خیال ہے کہ ایتھر گیس سے بھی

زیادہ کوئی چیز ہے جس کے ذرات ہر جسم میں داخل ہو سکتے ہیں لیکن ابھی تک اس نظریے کی تائید نہیں ہوئی۔

امواج ایثری ۱,۸۶,۰۰۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہیں۔ سورج کی روشنی بھی اسی رفتار سے زمین پر آتی ہے، جس سے علماء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ روشنی نہیں چلتی بلکہ امواج ایثری حرکت کرتی ہیں۔

ایثر کس نے دریافت کیا:

ہالینڈ کے ایک پروفیسر مسٹر ہوئی جنس نے آج سے دوسو برس پہلے وجودِ ایثر کا اعلان کیا تھا، کچھ مدت بعد لندن کے ایک فاضل ڈاکٹر تھامسن ہنگ نے اس نظریے پر مزید روشنی ڈالی، تو کسی نے توجہ نہ کی بلکہ ایڈن برگ ریویو جلد ۱۵ اشاعت ۱۸۰۳ء صفحہ ۹۷ میں ایک رسالہ لکھا تو اس کا صرف ایک نسخہ فروخت ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد علماء اس نظریے کی طرف متوجہ ہوئے اور آج اس کے نتائج آپ کے سامنے ہیں۔

امواجِ ایثری:

ساکن پانی میں ایک ایک سیکنڈ کے بعد چھوٹے چھوٹے کنکر ٹپکا کر لہروں کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ پہلی لہر اور دوسری لہر میں کتنی مسافت ہے، پھر ایک سیکنڈ میں بیس کنکر ٹپکایئے۔ آپ دیکھیں گے کہ لہروں کا درمیانی فاصلہ بیس گنا چھوٹا ہو جائے گا بس اسی قسم کی لہریں ایثر میں بھی اٹھتی رہتی ہیں۔ اگر ہر لہروں میں وقفہ کافی ہو تو یہ لہریں بڑی اور لمبی ہوں گی، ورنہ چھوٹی۔

ایثر کی ہر لہر ایک سیکنڈ میں ۱,۸۶,۰۰۰ میل کی مسافت طے کرتی ہیں۔ اگر ایک سیکنڈ میں ایثر کے اندر سو مرتبہ جنبش پیدا کی جائے تو ہر لہر کا درمیانی فاصلہ ۱۸۶۰ میل رہ جائے گا۔

علمائے ایثر نے بعض امواج بھی دیکھی ہیں جن کا فاصلہ ۱/۱۵۰۰۰ انچ تھا۔ یہ ایثری لہریں منفیوں کی گردش سے پیدا ہوتی ہیں اور حالات ذیل میں یہ مختلف رنگوں کا احساس پیدا کرتی ہیں۔

ایک انچ میں لہریں	منفیوں کی گردش فی سیکنڈ	کس رنگ کا احساس پیدا ہوتا ہے
۱۔۳۷,۰۰۰	۴۴۰ملین	نارنجی رنگ
۲۔۴۲,۰۰۰	۵۰۰ملین	زرد
۳۔۴۸,۰۰۰	۵۰۰ملین	سبز
۴۔۵۱,۰۰۰	۶۰۰ملین	نیلا
۵۔۶۱,۰۰۰	۷۰۰ملین	انڈیگو
۶۔۶۴,۰۰۰	۷۵۰ملین	بنفشی

حقیقت ایتھر:

مثبت بجلی، کششِ زمین، روح اور ایتھر وہ راز ہیں جن کا علم انسان کو ابھی تک حاصل نہیں ہوا۔ اب تک صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ ایتھر ہر جگہ موجود ہے۔ یہ ایک لطیف سا بادل ہے، جو عرش سے تحت الثریٰ تک پھیلا ہوا ہے اس میں کوئی خلا یا وزن موجود نہیں اور نہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ غالباً آیت ذیل میں اسی ایتھر کی طرف اشارہ ہے۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا اِلَی السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ . (ق . ۶)

کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ ہم نے ان کے سروں پر ایک آسمان بنا کر اسے آراستہ کر رکھا ہے اور اس میں کہیں خلا یا وزن موجود نہیں۔

روشنی و بصارت:

روشنی ان لہروں کے احساس کا نام ہے جو منفیوں کے ۴۰۰ملین چکر فی سیکنڈ سے پیدا ہوں۔ سورج سے پیدا کردہ لہروں میں تیس فی صدی امواجِ نور اور ستر فیصدی امواجِ حرارت ہوتی ہے۔ جگنو کی دم صرف امواجِ نور اٹھاتی ہے جن میں امواجِ حرارت شامل نہیں ہوتیں۔ اگر جگنو ہمیں یہ راز بتادے تو ہم ایک بہت بڑے سرکس کو ایک جو کر کی دم سے روشن کر سکیں۔

جب امواجِ ایتھری کسی جسم پر پڑتی ہیں تو اس کے منفیوں میں ہیجان پیدا کر دیتی ہیں،

اس ہیجان کے احساس کا نام بصارت ہے۔ یہ امر یاد رہے کہ امواج نور کے منفیے اس جسم سے ٹکرا کر خود ساکن ہو جاتے ہیں اور اس جسم کے منفیوں میں ہیجان اٹھا دیتے ہیں۔ بعض اجسام ایسے بھی ہیں جن سے یہ امواج یوں پار گزر جاتی ہیں کہ ان منفیوں میں کوئی ہیجان نہیں اٹھتا، یا بہت کم اٹھتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر اس جسم کے منفیے طاقتور ہوں تو وہ مقابلہ کرتے ہیں اور ایثر مرتعش ہو جاتا ہے اور اگر کمزور ہوں تو کھسک جاتے ہیں اور امواج ایثری پار گزر جاتی ہیں، ایسے اجسام شفاف کہلاتے ہیں چونکہ ہر جسم کے منفیے کچھ نہ کچھ مقابلہ کرتے ہیں، اس لیے کوئی چیز مکمل طور پر شفاف نہیں کہلا سکتی یہاں تک کہ بعض علماء ہوا کو بھی غیر شفاف سمجھتے ہیں۔

احساسِ رنگ:

چونکہ رنگ سات ہیں، اس لیے ایثر میں منفیات نور سات قسم کی لہریں پیدا کر رہے ہیں۔ اگر یہ تمام لہریں کسی چیز میں جذب ہو جائیں تو وہ سیاہ نظر آئے گی، اگر تمام منعکس ہو کر ہماری نگاہ تک پہنچیں تو وہ سفید دکھائی دے گی اگر چھ قسم کی لہریں جذب ہو جائیں اور نیلے رنگ کا احساس پیدا کرنے والی لہریں جذب نہ ہو سکیں تو نیلی نظر آئے گی۔ یہ یاد رہے کہ ہر لہر صرف اپنے رنگ کے منفیوں کو متحرک کرے گی۔ جو زرد رنگ کا احساس پیدا کرتے ہیں اور باقی لہریں چپ چاپ جذب ہو جائیں گی۔ اگر آج سورج کی روشنی میں سے سرخ رنگ نکال دیا جائے تو دنیا میں کوئی چیز سرخ نظر نہ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ہم ایک سرخ پھول کو سیماب کی تبخیری لمپ کی روشنی میں دیکھیں تو سیاہ نظر آئے گا۔ اس لیے کہ اس لیمپ کی روشنی میں سرخ رنگ کا احساس پیدا کرنے والی امواج موجود نہیں ہوتیں۔

آنکھ کے پردے ریٹینا (RALINA) کے وسط میں ایک نشیب سا ہے جس پر چھوٹے چھوٹے ابھار ہیں۔ ان ابھاروں میں مختلف رنگوں کے احساس کی استعداد موجود ہے اور لطف یہ کہ ہر رنگ کے احساس کے لیے ایک علیحدہ ابھار ہے۔

طبقۂ اوزون:

زمین سے پچیس میل اوپر طبقۂ اوزون ہے جو سورج کی بعض مہلک شعاعوں کو وہیں روک لیتا ہے۔ پھر پچیس میل اوپر ایک اور طبقہ ہے جو ایتھر کی لہروں کو زمین کی طرف منعکس کر دیتا ہے اگر یہ طبقہ نہ ہوتا تو ہم لاسلکی پیغامات نہ سن سکتے۔

اختلاف السنہ والوان:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ (روم. ۲۲)

زمین و آسمان کی تخلیق، نیرنگیوں اور زبانوں کا تنوع الٰہی آیات میں سے ہے۔ بے شک علمائے فطرت کے لیے ان مناظر میں چند اسباق موجود ہیں۔

غور فرمایا آپ نے کہ اللہ کے ہاں علما وہ ہیں جن کا کام ارض وسماء والوان والسنہ پر غور کرنا ہو۔

گفتگو کیا ہے؟ ہوائی تموج، یعنی ہوا میں گرہ لگانا، اسی تموج سے ہزار ہا علوم فنون خطبے اور اشعار پیدا ہوئے۔ اسی تموج کا نام موسیقی ہے اور اسی تموج سے دنیا میں سینکڑوں سیاسی واخلاقی انقلاب آئے۔ اگر ہوا سے تموج خارج کر دیا جائے تو چڑیوں کے چہچے، کوئل کے نغمے اور عنادل کے زمزمے ختم ہو جائیں جس طرح ہوائی تموج سے دنیا کی چار ہزار زبانیں پیدا ہوئیں اسی طرح ابتدائی عناصر سے کائنات کے مختلف مناظر وجود میں آئے۔

عربی زبان کے حروف ابجد اٹھائیس ہیں جن میں سے چودہ مقطعات قرآنی آلم. الر. طٰہٰ. یٰسٓ (وغیرہ) میں استعمال ہوئے یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ کائنات کی آدھی رونق حروف یعنی علوم وفنون سے ہے اور آدھی عناصر سے۔

جس طرح حروف سے مختلف قسم کے اشعار مثلاً: مدحیہ، ہجویہ اور رزمیہ وغیرہ تیار ہوتے ہیں۔ اسی طرح ابتدائی عناصر سے مختلف قسم کے مناظر وجود میں آئے۔ لالہ زار و دیگر دل کش مناظر اشعار فطرت ہیں۔ مہیب کوہستان، دھاڑتے ہوئے سمندر اور گرجتے ہوئے بادل رزم

عناصر ہیں اور زمینِ شور، آب تلخ و شجر زقوم ہجو عنصری ہے۔

عناصر ترکیبی یعنی (ہائیڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن، کورونیم، لورونیم اور سوڈیم وغیرہ جن کی تعداد ۹۲ تک پہنچ چکی ہے) کا مستقر ایثر ہے۔ جس طرح ہمارے خطبوں اور مکالموں سے ہوا میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اسی طرح کائنات کی تخلیق سے مخازنِ ایثر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ عناصر حروفِ ابجد کی طرح ہیں۔ حروف سے علوم و فنون نکلے اور عناصر سے لوحِ فطرت پر بے شمار غزلیات و قصائد لکھے گئے۔

لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ (کھف۔ ۱۰۹) اگر الٰہی کلمات کو لکھنے کے تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور ان میں سات سمندر اور ملا دیئے جائیں تب بھی کلماتِ الٰہیہ (مناظر تخلیق) کی فہرست تیار نہ ہو سکے گی۔

آیت زیر بحث میں اختلاف السنتکم مطالعہ علوم و فنون اور اختلاف الوانکم معائنہ عناصر کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اختلاف السنتہ سے علوم میں بے شمار ترقی ہوئی زبان کی تمام شاخوں میں اس قدر لٹریچر پیدا ہوا کہ قدسیان فلک کو ایک مرتبہ اور انسانی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا۔

زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے ہیں
یہ خاکی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلا

(اقبالؒ)

بڑی بڑی زبانیں دو ہیں: آریائی اور سامی۔ آریائی زبان کی شاخیں یہ ہیں:
انگریزی، یونانی، لاطینی، نردیجی، ایسلانڈی، سویڈی، ڈنمارکی، جرمن، ولندیزی، آرمینوی، بلغاروی، بوہیموی، بولونوی، روسی، ہندسی، فارسی اور سنسکرت وغیرہ۔

فارسی زبان کی شاخیں یہ ہیں:
لغتہ المادیین، ساسانی (پہلوی) و فارسی جدید۔

فارسی جدید کی شاخیں:

افیانی، زبانِ بحیرۂ خزر (یعنی ساحل خزر) بلوچی، کردی، داکسی، یامیری، تاجیکی، سنگ لیسی، منجانی، ہنگی، یانوبی، سمنانی، ماژندانی، لاہجانی، گلاکی، تالیسی، تاط، ظفراہی، سیوندی، شیرازی اورگابری وغیرہ۔

ہندوستانی زبان کی شاخیں:

مہاراشٹری، جینا مہاراشٹری، ماگدھی، ادھماگدھی، سورسینی، ابابرہسا، بہاری، بنگالی، مارواڑی، آسامی، نیپالی، برہمی، تامل، تلنگو، پنجابی، سندھی، پشتو، کشمیری اور اردو وغیرہ۔

لاطینی شاخیں:

فرانسیسی، ہسپانوی، پرتگالی اور رومانوی۔

سامی زبان کی شاخیں:

عربی، بابلی، آشوری، حمیری، آرامی اور فنیقی وغیرہ۔

اس وقت تمام دنیا میں تقریباً چار ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں، یورپ میں ۵۸۷، ایشیاء میں ۹۳۷، افریقہ میں ۲۷۶، امریکہ میں ۱۶۲۴، اور ہندوستان میں تقریباً ۴۰۰ میزان=۳۸۲۴۔

مختلف زبانوں سے نہ صرف علم میں ترقی ہوتی ہے، بلکہ ایک انسان کی وقعت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ مختلف زبانوں کا عالم ہے ایک شخص زبانوں کے مطالعہ سے ماہر علوم اور اختلاف الوان پر غور کرنے سے عالم کائنات بن جاتا ہے۔ آیت زیر بحث میں الوان کا ذکر السنہ کے بعد آیا۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ مطالعۂ کائنات حصول علم کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ.

الوان:

رنگ از منہ تاریخ سے پہلے کی ایجاد ہے۔ ہمیں آثار قدیمہ میں کئی ایسی رنگ دار تصاویر ملی ہیں، جو ہزارہا برس پہلے بنائی گئی تھیں۔

سرخ رنگ ایک پودے میڈر (MADDER) کی جڑوں سے حاصل کیا جاتا ہے،

پہلے یہ کام ترک کیا کرتے تھے۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں یورپ نے بھی یہ ہنر سیکھ لیا۔ ۱۸۹۴ء میں پکرک ایسڈ (PICRIC ACID) کو زرد رنگ کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ یہ مواد مسٹر ولف نے انڈیگو نائٹرک ایسڈ سے ملا کر تیار کیا تھا۔ ۱۸۶۵ء میں کونین کا تجربہ کرتے کرتے مسٹر ورگوئن نے سرخ رنگ کا مواد پالیا اور اس کا نام میگینٹ (MAGENTA) رکھا۔ کچھ عرصہ پہلے رنگ پتوں اور جڑوں سے حاصل کیا جاتا تھا بعد میں کیمیائی طریقوں سے تیار ہونے لگا۔ ۱۸۵۰ء میں مسٹر پیٹر گریس نے معلوم کیا کہ امونیا کے مرکبات میں نائٹروجن کا ایک جوہر ہائیڈروجن کے تین جوہروں کا بدل ہو سکتا ہے کہ اس مرکب میں کاربولک ایسڈ اور اینلین (ANILINE) ملا کر مختلف رنگ تیار ہو سکتے ہیں جن سے ریشم، لکڑی اور چمڑے وغیرہ کو رنگ دیا جا سکتا ہے۔ ۱۸۸۴ء سے پہلے ان مواد کو استعمال کرتے وقت المونیم و دیگر مرکبات سے مدد لی جاتی تھی، لیکن ۱۸۸۴ء میں مسٹر باٹیگر نے ایک ایسا مادہ دریافت کیا جس سے کسی دوسرے مرکب کی مدد کے بغیر اشیاء کو رنگ دیا جا سکتا تھا۔ نارنجی رنگ انڈیگو اور برومین کا مرکب ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں رنگ اصداف وغیرہ سے حاصل کئے جاتے تھے اور اب دو ہزار سے زائد مواد رنگ دہ ایجاد ہو چکے ہیں۔

کپڑا کیوں رنگ قبول کرتا ہے؟

اس کے متعلق مختلف نظریے ہیں زیادہ معقول نظریہ یہ ہے کہ مواد رنگ دہ اور کپڑے کے اجزاء میں مختلف بجلیاں (مثبت و منفی) موجود ہوتی ہیں۔ اس لیے کپڑا رنگ کو کھینچ لیتا ہے۔ اونی کپڑے میں ذرات برقیہ کی باہمی کشش سوتی کپڑے سے پندرہ گنا زیادہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اونی کپڑے کا رنگ پائیدار رہتا ہے اور سوتی کپڑا جلد پھیکا پڑ جاتا ہے۔

حیوانوں کے رنگ میں حکمت:

گیدڑ، لومڑی، ہرن، خرگوش، چکور، تیتر اور بٹیر ہم رنگ زمین، یعنی خاکستری ہوتے ہیں اور ان کا یہ رنگ انہیں اعداء سے محفوظ رکھتا ہے اگر ایک خرگوش سبز، زرد یا سرخ ہوتا تو شکاری

جانوروں کو بہت دور سے نظر آ جاتا اور بہت جلد نہنگ اجل کا لقمہ بن جاتا۔ جو خرگوش ہمارے گھروں میں رہتے ہیں اور ان کی نگرانی انسان کے سپرد ہوتی ہے، وہ سفید ہوتے ہیں۔ بعض شکاری جانور مثلاً: باز، بھیڑیا وغیرہ بھی خاکی رنگ کے ہیں تاکہ شکار انہیں دور ہی سے دیکھ کر بھاگ نہ جائے اور یہ بھوکے نہ مرجائیں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. (هود. ٦) تمام جانداروں کے رزق کا کفیل اللہ ہے۔

افریقہ کے جنگلوں میں شیر بہت زیادہ ہیں اور ابلق گدھے بھی کافی ہوتے ہیں۔ ان غیر مفید گدھوں کو شیر کافی دور سے دیکھ پاتے ہیں اور فوراً پیچھا شروع کر دیتے ہیں۔

گائے بیل، گھوڑے، کتے اور بلی کے رنگ میں اس لیے تنوع ہوتا ہے کہ یہ جانور انسانی پناہ میں رہتے ہیں اور انہیں ہم رنگِ زمین بننے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ انسان ان کی حفاظت کرتا ہے اور یہ اپنے مختلف رنگوں کے باعث انسان کے تنوع پسند ذوق کے لیے سامانِ فرحت بہم پہنچاتے ہیں۔

ماحصل یہ کہ جو حیوانات انسانی پناہ میں رہتے ہیں، اللہ نے انہیں قدرتی اسباب حفاظت سے محروم کر دیا ہے۔ دوسری طرف ہرن کو خاکی رنگ دیا کہ دور سے نظر نہ آسکے تیز ٹانگیں دیں کہ آندھی کو بھی پیچھے چھوڑ جائے۔ دبلا پن دیا کہ دوڑ میں ہانپ نہ جائے۔ سچ ہے اللہ انہی کا ہوتا ہے جن کا کوئی نہیں ہوتا اور جو اپنی حفاظت کی خود فکر کرتے ہیں انسانی پناہ (غلامی) میں رہنے والی قوم اونٹ کی طرح بے ڈول، بھینسے کی طرح بھدی، بیل کی طرح ست، گدھے کی طرح ذلیل اور بلی کی طرح حریص بن جاتی ہے۔ دوسری طرف ایک آزاد قوم شیر کی طرح مہیب، ہرن کی طرح چست، چیتے کی طرح حسین اور عقاب کی طرح تیز رفتار ہوتی ہے۔

قہاری و جباری و قدوسی و جبروت — یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں
(اقبالؔ)

کالا رنگ:

گرم ممالک میں رنگ کی سیاہی ایک رحمت ہے۔جس طرح سبز عینک آنکھوں کو تیز روشنی سے محفوظ رکھتی ہے۔اسی طرح کالی چمڑی جسم کے خلیوں کو جلنے سے بچاتی ہے، اس لیے کہ یہ سورج کی گرم اور تیز شعاعوں کو جلد جذب کر کے جلد ہی باہر نکال دیتی ہے اور اس طرح جسم کو نقصان نہیں پہنچتا۔قدرت دھوپ میں کام کرنے والے کسانوں کا رنگ حسب ضرورت سیاہ کر دیتی ہے تا کہ انہیں نقصان نہ پہنچے۔یوں سمجھئے کہ کالا رنگ ایک زرہ ہے جو جسم کو آفتاب کے آتشیں تیروں سے بچاتا ہے۔

علمائے فطرت کا خیال ہے کہ تمام کالے جانور (کوئل، کوا اور کالی بکری وغیرہ) خطِ استوا کے اردگرد پیدا ہوئے تھے اور ان کی یہ رنگت تیز دھوپ سے بچنے کی خاطر تھی۔یہیں سے ان کی نسلیں دیگر خطوں میں پہنچیں، اور وہاں بھی ان کا رنگ کالا ہی رہا، اس لیے کہ ایک حبشی کی نسل یورپ میں بھی سیاہ ہی رہتی ہے۔

بالوں کا رنگ:

بالوں کی جڑوں میں ایک رنگ دہ مادہ ہوتا ہے جو بڑھاپے میں ختم ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ ہوا لے لیتی ہے۔اس لیے باقی بال سفید ہو جاتے ہیں۔بوڑھا ضعف کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتا اور سائے میں پڑا رہتا ہے اور جوان کو دھوپ میں کام کرنا پڑتا ہے۔اس لیے اللہ نے اس کو کالے رنگ کے بال عنایت کیے تا کہ سر کو دھوپ سے نقصان نہ پہنچے۔دفتر میں کام کرنے والے کلرکوں اور دیگر سایہ نشینوں کے بال جلدی سفید ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ قدرت ان کے بالوں کو سیاہ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔

رنگ کے لحاظ سے انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔سفید و غیر سفید۔سفید اقوام کی جلد میں سرخ رنگ دینے والا مادہ ہوتا ہے جسے کرا موجن (CHROMOGEN) اور دیگر اقوام میں سیاہ رنگ دینے والا مادہ ہوتا ہے جسے فرمنٹ (FERMENT) کہا جاتا ہے۔زبرا کے بعض حصوں میں فرمنٹ ہوتا ہے اور بعض میں صرف ہوا، اس لیے وہ ابلق بن جاتا ہے۔فرمنٹ میں ہائیڈروجن پیرا کسائیڈ ملانے سے اسے سرخ، زرد اور براؤن بنایا جاسکتا ہے۔یہ کیمیائی عمل نباتات و

حیوانات میں سدا جاری رہتا ہے، اسی لیے بعض حیوانات کے رنگ میں حسب عمر تغیر ہوتا رہتا ہے۔

رنگ دہ مادہ صرف روشنی میں پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ پروٹیس (ایک فٹ بھر لمبا جانور) ایسے غاروں میں رہتا ہے جہاں روشنی وآفتاب کا گزر نہیں ہوسکتا، اس لیے اس کا رنگ سفید رہتا ہے۔

ہمیں سمندر کی گہرائیوں میں بعض رنگین جانور ملے ہیں حالانکہ وہاں روشنی آفتاب کا گزر تک نہیں ہوتا۔ مزید تلاش وفکر کے بعد معلوم ہوا کہ سمندر کے نیچے بعض ایسی مچھلیاں رہتی ہیں جن کے سروں پر بجلی کے مشعل ہوتے ہیں، نیز لولو ومرجان کی روشنی بھی سمندر کی تہوں میں موجود ہوتی ہے اور یہ روشنی رنگ دہ مادہ تیار کرنے کے لیے کافی ہے۔

گرگٹ کا رنگ:

گرگٹ کے علاوہ چند ایسے حشرات اور مچھلیاں بھی دریافت ہوئی ہیں جن کا رنگ عموماً بدلتا رہتا ہے، جس کی وجہ کوئی خاص واقعہ یا حادثہ ہوتا ہے مثلاً: ڈر، شرم، غم اور مسرت وغیرہ۔ یہ کیفیات رنگ دینے والے مادے میں ایک ہیجان اٹھا دیتی ہیں۔ رنگ کا ایک سیلاب جلد پر امنڈ آتا ہے اور پہلے رنگ کو بدل دیتا ہے۔

الغرض فطرت کے جس پہلو پر نگاہ ڈالو
کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا ایں جا است

یہ کائنات معجزات تخلیق کا ایک عظیم الشان نگار خانہ ہے جس کا ہر منظر عقل انسانی کو حیرت میں ڈال دیتا ہے یا ایک ادبستان ہے جہاں آیات الٰہی کا عملی درس دیا جاتا ہے یہ کوہ و دریا، یہ ابر باراں، یہ لیل ونہار، صحیفۂ فطرت کے وہ اوراق ہیں جن پر عظمت انسانی کے اسرار درج ہیں وہ اقوام آج کس قدر ذلیل ہیں جو ان اسرار وآیات سے آشنا نہیں۔ سورۂ جاثیہ کی اس تنبیہ پر ذرا غور فرمایئے۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ○ وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ○ اس میں کوئی کلام نہیں کہ زمین وآسمان میں مومنوں کے لیے بیشمار آیات موجود ہیں، تمہاری تخلیق، حیوانات کی فراوانی، لیل ونہار کے اختلاف، زمین کو زندہ کر دینے والے کریں

وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيَاحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ط فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ○ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ج فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○ (آیت. ۳ تا ۸)	قطرات باراں اور ہواؤں کے رخ بدل کر چلنے میں عقلمندوں کے لیے آیات موجود ہیں۔ یہ اللہ کی وہ آیات ہیں جو ہم تمہیں صحیح صحیح سنا رہے ہیں اگر یہ لوگ ان آیات کی پروا نہیں کرتے تو پھر اور کون سے دلائل ہیں جن کی بنا پر وہ اللہ پر ایمان لائیں گے؟ اس بدکار کذاب پر لعنت جو ہماری ان آیات کو سننے کے بعد جہالتوں پر یوں جما رہتا ہے کہ کچھ سنا ہی نہیں (آج کل کے مسلمان کا صحیح نقشہ ہے) ایسے کذاب کو خوفناک عذاب کی بشارت دے دے۔ (اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا اسی عذاب میں آج ہم گرفتار ہیں)۔

غور فرمایا آپ نے کہ خزائن ارض و سماء سے متمتع ہونے والوں کو ارباب عقل و ایمان کہا گیا ہے اور ان آیات قوت و ہیبت سے اعراض کرنے والوں کو عذاب الیم کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ دونوں منظر آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ اقوام یورپ نے آیات ارض و سماء پر دھیان دیا اور تمام عالم ان کی دانش پر شاہد ہے۔ دوسری طرف ہم نے کائنات سے منہ پھیر لیا اور سارا جہاں ہماری ذلت، جہالت، حماقت اور نامرادی پر شہادت دے رہا ہے۔

اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اٹھی، لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

(اقبالؒ)

لے حالات کواکب کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ کا ایک دن ہزار، پچاس ہزار، پچاس لاکھ بلکہ پچاس کروڑ سال کا ہو سکتا ہے۔ تفصیل وہیں دیکھیے۔ (برق)

لے میرا مقصد یہ ہے کہ بائبل کے سال کو ۳۶۵ دن کے برابر سمجھنا درست نہیں۔ اللہ کے دن اور سال بہت لمبے ہوتے ہیں، ورنہ حاشا وکلا کلام الٰہی کی تکذیب منظور نہیں۔ (برق)

باب ۹

معجزاتِ جبال

اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ ۝ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ ۝ وَاِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ وَاِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ ۝ فَذَکِّرۡ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ.

کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ اونٹ کی تخلیق کیسے ہوئی، آسمان کیونکر مرتفع کیا گیا، پہاڑ کیسے نصب کئے گئے اور زمین کیونکر بچھ گئی۔ اے رسول! اعمال الٰہی کی ایمان افروز داستان کو سنا کہ یہ تیرا فرض ہے۔ (غاشیۃ. ۱۷. ۲۱)

پہاڑوں کی قدر و قیمت:

پہاڑ ہماری دولت، ہتھیار، وجہ قیام اور وسیلہ حیات ہیں۔ ان سے مختلف معدنی چشمے نکل کر کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ ان کی بلندیوں پر چیل اور دیودار جیسے مفید درخت اگتے ہیں۔ یہی پہاڑ آگ اگل کر بطن زمین کے خزائن ہمارے استعمال کے لیے باہر پھینکتے ہیں۔ کوئلہ، چاک، چونا، تانبا، سونا، لوہا اور دیگر معادن پہاڑوں کی آغوش سے دستیاب ہوتے ہیں۔ پہاڑوں کی قدر و قیمت انہی معادن کی وجہ سے ہے جس طرح انسان علم کے بغیر مردہ خیال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح پہاڑ معادن کے بغیر قالب بے جان سمجھے جاتے ہیں۔ یہ پہاڑ کروڑوں سال تک سمندر کے نیچے رہے اور جوان ہونے کے بعد معادن کی ایک دنیا پہلو میں لیے باہر آ گئے۔ حقیقتاً پہاڑ پانی کے بار احسان کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔

وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ. ہم نے ہر چیز کو پانی کی بدولت زندگی بخشی۔

(انبیاء. ۳۰)

طبقات جبال:

دلکانی لاوے کے ذریعے جو فلزات و احجار بطن زمین سے برآمد ہوئے ہیں ان کے علاوہ ... سے پتا چلتا ہے کہ زمین کی تہہ میں مختلف قسم کے پتھر موجود ہیں، مثلاً:

ا۔ گرانیٹ:

اس بلورین پتھر میں سفید، سبز، سیاہ اور بھورے رنگ کا ابرک ہوتا ہے۔

۲۔ فلسیٹ:

یہ پتھر صاف، چمکیلا اور ہلکے خاکستری یا سبز رنگ کا ہوتا ہے لیکن ہوا کے اثر سے اس کی بیرونی سطح سفید ہو جاتی ہے۔ خوردبین سے دیکھنے پر یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ ایک غیر مکمل بلورین پتھر ہے۔

۳۔ ٹرا کیٹ:

یہ ایک کھردرا سا بلورین پتھر ہے جس کا رنگ عموماً ہلکا خاکستری، سبزی مائل اور بعض اوقات گہرا خاکستری، سیاہ یا سفید ہوتا ہے۔

۴۔ انڈی سیٹ:

اس کا رنگ بھورا، سبزی مائل یا خاکستری ہوتا ہے اور سیپ کی طرح معمولی صدمے سے ٹوٹ جاتا ہے۔

۵۔ ڈیالیج:

یہ مختلف رنگ کے دانے دار پتھر چٹانوں کی گہرائی میں دھنسا ہوا ملتا ہے۔

۶۔ ڈالریٹ:

اس کی ساخت ستونی و شش پہلو سے ہوتی ہے، اس میں لوہا زیادہ ہوتا ہے اور اسی لیے سیاہ نظر آتا ہے۔

۷۔ گرافیٹ:

خالص حجری کاربن، جس سے پنسل بنائی جاتی ہے۔

۸۔کاربونیٹ آف لائم:

چاک، ولایتی چونا اور سنگ مرمر اسی کاربونیٹ سے تیار ہوتے ہیں۔اگر پانی میں کاربونیٹ ایسڈ موجود ہو اور وہ پتھر پر ٹپک رہا ہو تو یہ پتھر تحلیل ہوکر بہہ نکلے گا۔یہی وجہ ہے جہاں چونا بکثرت ہو وہاں غار بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

آہکی علاقوں میں بعض غاروں کی چھت سے پانی ٹپکتا ہے، کچھ حصہ بخار بن کر اڑ جاتا ہے۔اور حل شدہ کاربونیٹ فرش پر ستون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔یہ منظر کشمیر کے ایک مقام امرناتھ میں نظر آتا ہے۔

۹۔چقماق:

اگر چونے کے پتھر سے بلورین مادہ علیحدہ ہو جائے تو پیچھے چقماق رہ جاتا ہے۔پتھر وہیں ملتا ہے، جہاں آہکی احجار کی کثرت ہو۔

۱۰۔کوئلہ:

کوئلہ نباتات سے تیار ہوتا ہے۔اگر ہم آئرلینڈ کی دلدلوں یا شمالی انگلستان کی کائیوں کا معائنہ کریں تو زندہ نباتات کوئلے میں تبدیل ہوتی نظر آئیں گی۔وہاں سطح زمین پر کائی زمین دوز بیلوں کے ساتھ لپٹی ہوئی ہے۔دو تین انچ نیچے بھورے رنگ کا ایک سخنجی مواد نظر آتا ہے، جو گلی سڑی گھاس کے ریشوں اور جڑوں سے تیار ہو رہا ہے ذرا اور نیچے یہی مواد سیاہ بن رہا ہے۔ قدرے اور نیچے دیکھئے تو یہ مادہ کالے رنگ کا گوند بنا ہوا ہوگا جسے پنیر کی طرح کاٹا جا سکتا ہے۔اگر اس گوند کو کسی عمل سے خشک کیا جا سکے تو کوئلہ تیار ہو جائے گا۔

ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ جو درخت ٹیلوں کے نیچے دب جاتے ہیں وہ چند صدیوں کے بعد سیاہ ہوکر کوئلہ نما بن جاتے ہیں۔کوئلے کی کانوں میں زغالی طبقات پر نباتی شاخوں اور ساقوں کا ایک جال سا نظر آتا ہے۔اگر کوئلہ کا خوردبینی معائنہ کیا جائے تو نباتی بافتیں صاف صاف دکھائی دیں گی۔

ہیرا اسی کوئلے کا حقیقی بھائی ہے۔ ہر دو کاربن سے تیار ہوئے ہیں۔ ان کے رنگ میں تفاوت اس لیے ہے کہ کوئلہ درختوں سے اور ہیرا درختوں کے گوند سے تیار ہوتا ہے۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ..... إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ. پہاڑوں کے سفید، سرخ، سیاہ اور دیگر مختلف اللون طبقات پر غور کرو ۔۔۔۔۔ اور یاد رکھو کہ اللہ سے صرف علمائے فطرت ہی ڈرا کرتے ہیں۔

(فاطر . ۲۷ تا ۲۸)

سمندر کے بیٹے:

ہمیں پہاڑوں سے مندرجہ ذیل چیزیں ملی ہیں:

۱۔ ایسی سیپیاں جو سمندر ہی میں ہو سکتی ہیں۔

۲۔ حیواناتِ آبی کے بے شمار ڈھانچے۔

۳۔ دلدلوں پر رینگنے والے کیڑوں کے نشانات آج سے لاکھوں برس پہلے ساحلی دلدل پر سے رینگنے والا کوئی جانور گزرا۔ چکنی مٹی پر ایک لکیر سی بن گئی اور آج جب پہاڑوں کو کھودا تو کئی ایسے نشانات برآمد ہوئے۔

ان حقائق سے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ یہ پہاڑ لاکھوں سال تک سمندر کے نیچے رہے اور یہ دراصل سمندر ہی کے بیٹے ہیں۔

تدوین جبال:

سمندر میں پہاڑ دو طرح سے تیار ہوتے ہیں۔

اول: زلزلوں کی وجہ سے بطنِ زمین کا مواد باہر آ جاتا ہے اور سمندر کی گہرائی میں پہاڑ کی طرح جمع ہو جاتا ہے۔

دوم: ندیاں، نالے اور دریا، پتھروں کی بہت بڑی مقدار بہا کر سمندر میں لے آتے ہیں اور خود سمندر بھی ساحلی چٹانوں کو تلاطمہائے امواج سے توڑتا رہتا ہے۔ پانی میں چند

معادن محلولہ موجود ہوتی ہیں مثلاً: چونا، لوہا اور سیلکا وغیرہ جو گوند بن کر ان پتھروں کو جوڑ دیتی ہیں اور اس طرح سمندر میں کئی سو میل لمبی اور کئی ہزار فٹ اونچی چٹانیں تیار ہو جاتی ہیں۔ ان حجری تہوں کو جمانے کے لیے پانی کا دباؤ بہت مؤثر ثابت ہوتا ہے اور دریاؤں کی لائی ہوئی چکنی مٹی بھی گارے کا کام دیتی ہے۔ یہ عمل ان گنت صدیوں تک جاری رہتا ہے اور جب وہ حکیم علی الاطلاق دیکھتا ہے کہ خشکی کے اکثر پہاڑ اخراج معادن کی وجہ سے تہی دست بے نوا و بیکار ہو چکے ہیں اور پانی کے اندر زر و جواہر سے لبریز پہاڑوں کی ایک دنیا تیار ہو چکی ہے تو اس کی رحمت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے وہ زمین کو یوں جھنجوڑتا ہے کہ بلندیاں پست اور پستیاں بلند ہو جاتی ہیں۔ پانی ادھر ادھر بہہ نکلتا ہے اور نیچے سے نوجوان پہاڑ دفائن وخزائن کی دنیا ہمراہ لیے باہر آ جاتے ہیں۔ مجھے سمندر کی حیثیت یوں نظر آتی ہے کہ یہ ایک مرغی ہے جو انڈوں پر بیٹھی ہوئی ہے۔ جب بچے تیار ہو جائیں گے تو مرغی اوپر سے اٹھ جائے گی اور بچے (پہاڑ) باہر آ جائیں گے۔ وہ حکیم مطلق کوئی کام بلا ضرورت نہیں کیا کرتا جب تک کہ موجودہ پہاڑوں میں معادن کے ذخائر موجود ہیں، ایسا شدید زلزلہ کبھی نہیں آئے گا اور جب موجودہ پہاڑوں کی دولت ختم ہو جائے گی تو نسل انسانی کی خاطر نئے پہاڑ باہر آ جائیں گے۔ سچ ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ط (بقرۃ۔ ۱۰۶) جب ہم کائنات کے بعض مناظر مٹا دیتے ہیں تو ان سے بہتر یا ویسے ہی اور پیدا کر دیتے ہیں۔

جس زمین پر آج ہم چل رہے ہیں، یہ کسی وقت سمندر کے نیچے تھی اور میری نگاہ مستقبل کی تاریکیوں میں وہ زمانہ بھی دیکھ رہی ہے جب یہ زمین پھر سمندر کے نیچے چلی جائے گی۔

خالق فطرت کا ہر عمل ایک عظیم الشان حکمت کا حامل ہے۔ یہ دنیا کیا ہے؟ ایک پر عظمت کیمیا خانہ، پہاڑ بن اور بگڑ رہے ہیں، ہوائیں چل رہی ہیں، صحرا تپ رہے ہیں اور کائنات کا وہ کیمیاگر اس معمل میں بیٹھ کر نئے تجربے کر رہا ہے، رنگا رنگ پھول، میوے اور پودے بنا رہا

ہے۔اس کارگاہ جلیل کے ہیبت انگیز تنوع پر غور کیجئے اور انصافاً فرمایئے کہ اس صناع بے چوں کی حیرت افگن تخلیق وتکوین کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟

اے رب! تو ہی بتا کہ ہم اس حیرت و ہیبت کا کیا علاج کریں جو تیرے اس مہیب کارخانے پر ایک چھلتی سی نگاہ ڈالنے کے بعد ہمارے قلوب پر طاری ہو جاتی ہے۔اس خشیت کو بے شمار سجدے، لاتعداد نمازیں اوران گنت تسبیحیں کم نہیں کرسکتیں۔یہ ایک کیف انگیز اضطراب ہے۔روح افزا بے چینی ہے۔ہاں ہاں تجھے عریاں دیکھنے کا ایک نا قابل تسخیر ہیجان ہے، تیری روشنی مجھے ٹمٹمائے ہوئے ستاروں میں نظر آئی، تیری ایک نیم عریاں سی جھلک مسکراتے ہوئے پھول میں دیکھی، تیری عظمت بلند پہاڑوں سے ترانے گاتی ہوئی اتر رہی ہے میں گھبرا رہا ہوں، پسینہ چھوٹ رہا ہے،نبض تیز ہورہی ہے اور سینے میں تجھ سے لپٹ جانے کی بے پناہ تمنائیں کروٹ لے رہی ہیں۔اے میرے حسین آقا میں اب سمجھا کہ موسیٰ کیوں بے ہوش ہوا تھا۔جب مجھ جیسا بے بصیرت انسان کوہساروں کو دیکھ کر تیرے جلال وشکوہ کے تصور سے تھرا اٹھتا ہے تو موسیٰ جیسا رازدانِ قدس طور سینا کے دامن میں تیری لرزہ فگن سطوت کو دیکھ کر کیوں مدہوش نہ ہوتا۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ط (اعراف. ۱۴۳) الٰہی تجلیوں سے کوہ طور کے پرخچے اڑ گئے اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر گیا۔

عالم آب و خاک میں تیری نگار سے شباب
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے فروغ آفتاب

(اقبالؒ)

دوزلزلے:

زلزلے دوقسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو بطن زمین سے اٹھتے اور دوسرے وہ جن کا مرکز انسانی دل ودماغ ہوتا ہے۔زمینی زلزلے دفائن کو باہر پھینک دیتے ہیں اور انسانی زلزلے انسانی جوہر کو عریاں کر دیتے ہیں۔عربی میں کاشت کاری کے لیے لفظ ''فلاحۃ'' ہے جس کا مادہ ''فلح'' ہے۔یعنی زمین کی تہوں کو قلبہ رانی سے باہر لے آنا،جس طرح دہقان زمین کی زندہ قوتوں

کو بے نقاب کر دیتا ہے، اسی طرح محنت (انسانی زلزلہ) انسان کی تمام قلبی و دماغی طاقتوں کو بروئے کار لے آتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے محنتی، جفاکش اور کامران افراد و اقوام کو "مفلح" کہا ہے۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ اور ان کی خفیہ طاقتیں عیاں ہو رہی ہیں۔

جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کش مکش انقلاب
صورت شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں روح عمل کا حساب
(اقبالؒ)

خدا کی تعزیرات میں سب سے بڑا جرم کاہلی ہے اور آج اسی کاہلی کی پاداش میں مسلم پٹ رہا ہے۔ دنیا کی تمام بداخلاقیوں اور ذلتوں کی وجہ جہالت ہے اور جہالت کی وجہ سستی عموماً یہ شکایت سننے میں آتی ہے کہ "اجی کیا کریں، بیگانوں کی حکومت ہے۔ اگر اپنی حکومت ہوتی تو سب کچھ ہو جاتا"؟ یہ عذر ہائے لنگ قطعاً قابل سماعت نہیں۔ اول اس لیے کہ حکومت نے تلاش علم کے لیے کچھ آسانیاں ہی مہیا کی ہیں کہیں کوئی خاص رکاوٹ کھڑی نہیں کی۔ دوم جن ممالک (عرب، ایران اور افغانستان وغیرہ) میں آپ کی سلطنت قائم ہے۔ وہاں آپ کون سا کمال دکھا رہے ہیں۔ جہالت کی تاریخ گھٹائیں وہاں بھی اسی طرح محیط ہیں۔ احتیاج سیاسی و اقتصادی کا وہاں بھی یہی عالم ہے۔ قلم، پنسلیں اور چاقو تک وہاں بھی یورپ سے منگوائے جاتے ہیں۔ کیا آپ نے کسی چیز پر میڈ ان ٹرکی، ایران یا عرب لکھا ہوا دیکھا ہے؟ کبھی نہ دیکھا ہوگا اور ابھی شاید اس کے لیے دو چار سو سال اور انتظار کرنا پڑے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں علم کا تصور قطعاً بگڑ چکا ہے ہم نے فقہی مسائل اور غلط سلط منطقی قضایا کو معراج علم قرار دے دیا ہے۔ ہر جمعہ کو لاکھوں مساجد سے اس موضوع پر تقاریر کے دریا بہائے جاتے ہیں اور اب ہماری رگ رگ میں یہ تخیل اتر چکا ہے کہ خانقاہوں سے اللہ کے نعرے بلند کرنا معراج تقدس اور دیوبند سے چند کتابیں پڑھ آنا انتہائے علم ہے اور یہ پہاڑوں، دریاؤں، دھاتوں، پلوں، ریلوں، توپوں، جہازوں، طیاروں اور ٹینکوں کا علم محض مادہ پرستی و دنیا طلبی ہے یا للعجب۔

دین و دنیا کی اس مہلک تفریق اور علم کے متعلق اس غیر اسلامی، غیر قرآنی، غیر فطری

اور غیر خدائی تخیل نے مسلم کا ستیاناس کر دیا۔ اس کی دین و دنیا ہر دو تباہ ہو گئے، اس کی کشتی آمریت و جمہوریت کی امواج ذخائر میں گرفتار ہے اور یہ جہالت کا پیکر ضعف و اضمحلال کے مہیب نتائج میں الجھا ہوا، کبھی سٹالین کی پناہ ڈھونڈتا ہے، کبھی صدر امریکہ کی آغوش میں گھستا ہے اور کبھی فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ کی لمبی لمبی دعائیں مانگتا ہے جب تم گزشتہ دو سو برس سے دیکھ رہے ہو کہ اللہ کاہلوں کی دعائیں نہیں سنتا تو پھر اس فریب کاری اور فریب خوردگی سے کیوں باز نہیں آتے؟ کیوں دل و دماغ، سمع و بصر اور دست و پا کو استعمال نہیں کرتے اور کیوں کاہلوں کے عبرت ناک انجام اور باعمل اقوام کی کامرانیوں پر درس طلب نگاہ نہیں ڈالتے؟

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ وہی اقوام طاقتور کہلاتی ہیں جو اپنی محنت کے زلزلے سے دل و دماغ کی مخفی طاقتوں کو بروئے کار لے آتی ہیں اور پھر دفائن ارضی سے (جو زلزلے سے باہر آتے ہیں) مستفید ہو کر اللہ سے انعام سلطنت پاتی ہیں۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (زلزال)

جب زمین میں زلزلہ آئے گا اور اس کے خزائن دفائن باہر آجائیں گے تو انسان حیرت سے پوچھے گا کہ یہ کیا ہو گیا اس وقت زمین (گزشتہ ہزارہا صدیوں کی) حکایت سنا رہی ہو گی اور یہ سب کچھ الٰہی حکم سے ہو رہا ہو گا۔ تب انسان مختلف گروہوں میں بٹ جائیں گے (بعض ان معادن سے فائدہ اٹھائیں گے اور بعض نہیں اٹھائیں گے) اور یہ تمام گروہ اپنے اعمال کے مطابق اجر پائیں گے اور ہر شخص کو نیکی و بدی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

قلندراں کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند ‌ ‌ ‌ ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بہ جلوت اندو کمندے بہ مہر و مہ پیچند ‌ ‌ ‌ بہ خلوت اندو زماں و مکاں در آغوش اند

(اقبالؒ)

وجہ زلازل:

صفحات گزشتہ میں عرض کیا جا چکا ہے کہ زمین کا پیٹ ایک دہکتی ہوئی بھٹی کی طرح ہے۔ پھر بھٹی کے لیے ایک چمنی کا ہونا ضروری ہے یہ کوہ ہائے آتش فشاں اس بھٹی کی چمنیاں ہیں، جن کے ذریعے اندرون زمین کے بخارات باہر نکلتے ہیں اگر لاوے کی کثرت یا کسی اور وجہ سے برکان (کوہ آتش فشاں) کا منہ ہو جائے تو یہ بخارات کوئی اور راستہ تلاش کرتے ہیں اور جہاں کہیں زمین کی کوئی نرم تہ مل جاتی ہے تو اسے چیر کر اس زور سے نکلتے ہیں کہ زمین ہل جاتی ہے۔

جب کسی برکان سے دھواں نکلنا بند ہو جائے تو سمجھ لو کہ زلزلہ آیا۔ ۱۶۳۳ء میں کلمبیر یا کے چھوٹے برکان کا دھواں بند ہو گیا تھا اور معاً زبردست جھٹکے محسوس ہوئے ۱۷۹۹ء میں جزائر انڈیز کے لپسلو سے دھواں نکلنا موقوف ہو گیا تھا۔ نتیجہ ایک ایسا زلزلہ آیا کہ شہر ریوبمیا کے چالیس ہزار نفوس ہلاک ہو گئے۔

مسٹر مالٹ نے زلزلوں کی ایک فہرست مرتب کی ہے جس میں ۱۶۰۶ ق م سے ۱۸۴۲ء تک کے زلزلے درج ہیں۔ اس کے بعد ایک فرانسیسی محقق موسیو ڈیژان نے ۱۸۵۰ء تک کے زلزلوں کو گن ڈالا ہے۔ اس ۳۴۴۸ برس کے عرصے میں ۶۸۳۱ ایسے زلزلے آئے جن کا حال قلم بند ہو چکا ہے، لیکن ایک بہت بڑی تعداد انسانی ذہنوں سے اتر گئی ہے۔ یہ زلزلے اول تو تاریخ میں درج نہ ہو سکے اور جو درج ہوئے وہ محفوظ نہ رہ سکے۔ ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۰ء تک کے زلزلوں کو ذرا احتیاط سے قلم بند کیا گیا ہے۔ ان کی تعداد ۳۵۰۰ کے قریب ہے اگر صرف پچاس سال کے عرصے میں ساڑھے تین ہزار بھونچال آئے ہیں تو ۳۴۴۸ سال میں یہ تعداد ۲ لاکھ ۱۳ ہزار ہونی چاہیے تھی۔ لیکن افسوس کہ ان کا حال اوراق تاریخ میں نہیں ملتا۔

زلزلوں کی تقسیم:

مسٹر مالٹ نے زلزلوں کی مندرجہ ذیل تقسیم کی ہے:

۱۔ بڑے زلزلے، یعنی جن کا اثر ۱۰۰۰ میل سے ۲۰۰۰ میل تک محسوس کیا گیا۔

۲۔ متوسط درجے کے زلزلے جن کا اثر ۴۰۰ میل سے ۶۰۰ میل تک محسوس کیا گیا۔

۳ معمولی زلزلے جن کا اثر ۱۰۰ میل سے ۱۵۰ میل تک محسوس کیا گیا۔

مذکورہ بالا طویل عرصے، یعنی ۳۴۴۸ میں صرف ۲۱۶ بڑے زلزلوں کا حال ہمیں معلوم ہے اور دوسری طرف ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۰ء تک ان زلزلوں کی تعداد ۳۵۰۰ ہے ان اعداد سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں ہر سال ایک بڑا زلزلہ آیا اور اگر چھوٹے زلزلوں کو بھی ان میں شامل کرلیں تو یہ تعداد آٹھ فی ماہ تک پہنچ جاتی ہے۔

زلزلوں کی طاقت:

زلزلوں کا مرکز زمین کے اندر ۳۵ میل کی گہرائی میں ہے۔ اس مرکز میں زلزلے کی شدت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جب یہ روز مین کی تہوں کو چیرتی ہوئی اوپر کو اٹھتی ہے تو مقادمت کی وجہ سے راہ میں سست پڑ جاتی ہے اور اصل طاقت کی صرف ایک کسر باقی رہ جاتی ہے، تاہم یہ لہر اس قدر طاقتور ہوتی ہے کہ ریو بمبا کے زلزلے نے بعض آدمیوں کو اچھال کر سو فٹ کی بلندی پر پھینک دیا تھا اور پومپیائی (اٹلی) کے زلزلے نے آٹھ سو من کی چٹانیں ہزار ہزار گز اوپر ہوا میں اچھال دی تھیں۔ ان حقائق کے علم کے بعد حضرت امیر مینائی کے اس شعر میں کوئی مبالغہ نہیں معلوم ہوتا۔

میں وہ مردود ہوں کہ ڈرتا ہوں چرخ پر پھینک دے زمین نہ کہیں

سطح زمین کا مدوجزر:

زلزلوں کی وجہ سے سطح زمین کہیں بلند اور کہیں پست ہو جاتی ہے، مثلاً:

۱۔ جنوبی امریکہ میں ۱۸۳۵ء میں ایک شدید زلزلہ آیا جس کا اثر چھ لاکھ مربع میل تک محسوس کیا گیا۔ سطح زمین سے دوسو سات فٹ تک بلند ہوگئی اور بعض ندیوں کی رفتار ڈھلوان کی وجہ سے تیز ہوگئی۔

۲۔ ۱۸۲۲ء میں ایک زلزلہ امریکہ میں آیا جس کی وجہ سے جزیرہ سنٹا مرایہ کی سطح ۹/۸ فٹ بلند ہوگئی یہاں حیواناتِ بحری کے پنجر آج بھی ملتے ہیں۔

۳۔ ہندوستان میں دریائے اٹک کے دہانے سے کچھ دور ایک علاقہ کچھ کہلاتا ہے یہاں جون ۱۸۱۹ء میں ایک زلزلہ آیا جس کی وجہ سے شہر بھوج تباہ ہوگیا۔ خشکی کا دو ہزار مربع

میل ایک قطعہ پانی میں ڈوب گیا اور اس کے شمال میں ایک خطہ جو ۵۰ میل لمبا اور دس سے سولہ میل تک چوڑا تھا، دس فٹ بلند ہو گیا۔

۴۔ جزیرہ کنڈیا (۱۳۵ میل لمبا) کا کنارہ ۲۵ میل ابھر آیا ہے اور مشرقی گوشہ پانی میں ڈوب گیا ہے۔

۵۔ اس زلزلے کے متعلق جو ۱۸۳۵ء میں ولڈیویا میں آیا تھا، ڈارون لکھتا ہے:

''زلزلے کے دوران میں زمین کی حالت اس ہلکی کشتی کی طرح تھی جو سمندر کی خطرناک لہروں کے تھپیڑے کھا رہی ہو۔''

۶۔ یونان کے پاس ایک ساحلی مقام پر پہلے سمندر کی گہرائی ۱۴۰۰ فٹ تھی اور اب صرف دو سو فٹ رہ گئی ہے۔

۷۔ بحیرۂ روم پہلے ایک دریا تھا، جس کا بحرِ اوقیانوس سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن اب یہ سمندر بن چکا ہے۔

۸۔ پرانے زمانے میں افریقہ کا صحرائے اعظم پانی کے نیچے تھا، اس کے بعض حصے آج بھی سمندر کی سطح سے پست ہیں اور اوقیانوس سے نہر کاٹ کر انہیں سیراب کیا جا سکتا ہے لیکن یہ کام کون کرے؟ اہلِ افریقہ جہالت و وحشت میں ضرب المثل ہیں اور گدھوں کا شکار کر کے پیٹ پالتے ہیں۔ ان کی بلا جانے کہ نہر کس طرح کاٹی جاتی ہے۔

۹۔ قدیم زمانے میں افریقہ اور برازیل آپس میں ملے ہوئے تھے، اگر آج بھی انہیں کھینچ کر ملا دیا جائے تو یوں فٹ آ جائیں گے جس طرح کسی پیالے کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا اپنے مقام پر رکھ دیا جائے اسی طرح شمالی امریکہ گرین لینڈ سے اور گرین لینڈ یورپ سے متصل تھا۔ نیز آسٹریلیا ہندوستان سے اور ہندوستان افریقہ سے ملا ہوا تھا۔ ان ملکوں کے درمیان سمندر آج بھی بہت کم گہرا ہے۔

۱۰۔ قطبین پہلے گرم تھے ان میں سے ہمیں بعض ایسے جانوروں اور درختوں کے آثار باقیہ ملے ہیں جو گرم ممالک ہی میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ حصے پہلے خطِ استوا کے قریب تھے

اوراب ہٹ کر شمال وجنوب کی طرف چلے گئے ہیں۔قطب شمال سے پانچ پانچ ہزار فٹ اونچے برفانی تودے کھسک کراب یورپ کے قریب آ گئے ہیں اور تمام علاقے کی آب وہوا کو سرد بنا رہے ہیں۔

الغرض! اس زمین کا کوئی اعتبار نہیں رہا۔معلوم نہیں کہ کس وقت کھسک کر سمندر کے نیچے چلی جائے۔ہمیں ہر وقت دھمکاتی رہتی ہے۔

"سنبھل جا اے انسان! ورنہ اٹھا کر امواج سمندر کے حوالے کر دوں گی۔
یا کئی ہزار گز اوپر ہوا میں اچھال دوں گی۔"

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ (حج ۱) اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک مہیب حادثہ ہوگا۔

ل ہر چند یہ آیت یوم الحشر سے تعلق رکھتی ہے لیکن الفاظ کی لچک میری تفسیر کی بھی متحمل ہو سکتی ہے۔ (برقؔ)

البیان: خواجہ احوالدین مرحوم نے اسی لچک سے فائدہ اٹھا کر حسب ذیل ترجمہ کیا ہے:
جب زمین ہلائی جاتی ہے اپنا ہلایا جانا اور زمین نکال دیتی ہے اپنے (مدفون) بوجھوں کو (زمین اس وقت تہ و بالا ہو کر اور اپنے اندرونی طبقات کو دکھلا کر اپنی خبریں دیتی ہے (یہ خبریں بیچ والے یا پیچھے آ کر پسنے والے لوگ حاصل کرتے ہیں۔طبقات الارض سے زمین کی بہت سی تاریخ کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔یہ خبریں زمین دیتی ہے) اس لیے کہ تیرے رب نے اس (زمین) کے فائدہ اور آئندہ (کام دینے) کے لئے (اس میں) وحی کی ہوئی ہے اس دن وہ (مرنے والے) لوگ الگ الگ ہو کر (آخرت میں نکل جاتے ہیں تا کہ) انہیں ان کے عمل دکھائے جائیں۔انسان کا احساس بڑھ جانے سے سب اعمال سامنے آ جاتے ہیں سو جو شخص ذرہ برابر بھلائی کرتا ہے اسے دیکھ لیتا ہے اور جو شخص ذرہ برابر شرارت کرتا ہے اسے دیکھ لیتا ہے۔انسان خیر و شر کو پہچانتا ہے۔قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۳/۲۵۶ لوگوں نے فرضی اور خیالی خیر و شر پیدا کر لی ہے بعض لوگ پیر پرستی اور تعزیہ پرستی، قبر پرستی کو بھی خیر جانتے ہیں۔معاذ اللہ پناہ بخدا ۱۲۱۔ (تفسیر بیان اللناس منزل ہفتم ص ۴۶۵)

باب ۱۰

جسمِ انسانی کے معجزات

انسانی بدن الٰہی صنعت و تخلیق کا ایک حیرت انگیز اعجاز ہے جسے دیکھ کر عقل سر بہ سجود ہو جاتی ہے۔ ماہرین ارحام نے تکوین جنین کا ہر منزل اور ہر درجے پر تماشا دیکھنے کے بعد اس حقیقت سے نقاب اٹھایا ہے کہ بدنِ انسانی کی ترکیب خلیوں سے ہوتی ہے آغاز میں یہ خلیہ ایک ہوتا ہے، پھر دو، پھر چار اور آٹھ میں متضاعف ہو کر بدن کی تشکیل کرتا ہے۔ بعض خلیے کان، بعض آنکھ، بعض ناک اور بعض دیگر اعضا کی تشکیل پر لگ جاتے ہیں۔ یہ آج تک کبھی نہیں ہوا کہ چند خلیے سازش کر کے کان کی جگہ ناک اور ناک کی جگہ آنکھیں بنا ڈالیں یا پیچھے کوئی دم چسپاں کر دیں، یہ اس لیے کہ ایک ہمہ بین آنکھ ان کی نگرانی کر رہی ہے جس کی قہرمانیت کے سامنے تمام کائنات سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہے۔

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. ارض و سماء کی ہر چیز مشیت ایزدی کو بجا لانے پر (آل عمران. ۸۳) مجبور و مجبول ہے۔

آج علم ترقی کرتے کرتے خیام قدس کے اسرار تک بے نقاب کرنے پر تل چکا ہے۔ اور دوسری طرف تعلیم یافتوں میں ایک دو فی صدی آدمی بدستور ایسے موجود ہیں جو اللہ کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، جن کے نقطۂ خیال سے تکوین و تدوین کی یہ کارگاہِ جلیل کسی ناظم و آمر کے بغیر چل رہی ہے اور تخلیق کے یہ روح افروز خوارق خود بخود سرزد ہو رہے ہیں۔ ان کج فہمی کے مجسموں سے صرف اتنا پوچھنا ہے کہ اگر یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے اور کوئی نگران آنکھ پیچھے موجود نہیں تو پھر رحم مادر میں خلیوں نے تمہیں انسانی شکل کیوں دی، گدھا کیوں نہ بنا دیا؟ سر گدھے کا اور دم بندر کی کیوں نہ لگا دی؟ ایک اچھا خاصا پروں والا گدھ کیوں نہ بنا دیا؟ مینڈک اور کچھوے کی شکل کیوں نہ دے دی؟ انسانی پیٹ سے آج تک کوئی بکری پیدا نہ ہوئی؟ بکری کے پیٹ سے مرغی نے کیوں نہ جنم لیا؟ اور کبوتر کے انڈوں سے تیتر کیوں نہ نکلا؟ ہے کوئی جواب ان منکرینِ خدا کے پاس؟ اگر

ہے تو لاؤ، اور اگر نہیں تو آؤ اور ہمارے ہم نوا بن کر کہو:

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ. (آل عمران. ٦) وہ صرف اللہ ہی ہے جو اپنی مشیتِ قاہرہ کے مطابق ماؤں کے ارحام میں تمہاری صورتیں بناتا ہے۔

کیا ہے تجھ کو کتابوں نے کور ذوق اتنا
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوئے گل کا سراغ

(اقبالؒ)

جسم انسانی کے مختلف عناصر:

۱۔چار طبائع	حرارت، برودت، یبوست، اور ور طوبت۔
۲۔چار ارکان جسم	آگ، ہوا، مٹی اور پانی۔
۳۔چار اخلاط	صفرا، خون، بلغم اور سودا۔
۴۔نو طبقات	سر، منہ، گردن، سینہ، پیٹھ، کمر، ران، ساق، پاؤں۔
۵۔ستون	۲۴۸ ہڈیاں۔
۶۔رسیاں	۷۵۰ پٹھے۔
۷۔خزانے	دماغ، نخاع، پھیپھڑے، دل، جگر، تلّی، معدہ، انتڑیاں اور گردے۔
۸۔مسالک وشوارع	۳۶۰ عروق۔
۹۔نہریں	۳۹۰ وریدیں۔
۱۰۔دروازے	آنکھیں، کان، ناک، پستان، منہ اور شرم گاہیں۔

انوکھا شہر:

جسم انسانی کو ایک شہر سمجھئے، جس میں مختلف اعمال ہو رہے ہیں۔ مثلاً:

۱۔باورچی	معدہ ایک باورچی کی طرح غذا پکا رہا ہے۔
۲۔عطار	کوئی عطار غذا کا جوہر نکال کر جزوِ بدن بنا رہا ہے۔

۳۔ حکیم	جگر ایک طبیب کی طرح غذا میں تیزاب ملا رہا ہے۔
۴۔ جاروب کش	انتڑیاں، جلد، گردے اور پھیپھڑے غلاظت کو جسم سے باہر پھینک رہے ہیں۔
۵۔ شعبدہ باز	کوئی صناع، خون کو گوشت میں تبدیل کر رہا ہے۔
۶۔ بھٹہ	ہڈیاں اینٹوں کی طرح پک کر مضبوط بن رہی ہیں۔
۷۔ جولاہا	کوئی بافندہ اعصاب اور جھلیاں بن رہا ہے۔
۸۔ درزی	کوئی درزی زخموں کو سی رہا ہے۔
۹۔ کاشت کار	کسی کاشت کار کی قلبہ رانی کی وجہ سے جسم کے کھیت میں گھاس کی طرح بال اگ رہے ہیں۔
۱۰۔ رنگ ساز	کوئی سباغ دانتوں کو سفید، بالوں کو سیاہ اور خون کو سرخ بنا رہا ہے۔
۱۱۔ بت تراش	کوئی بت تراش ماں کے پیٹ میں ایک خوبصورت بچہ تراش رہا ہے۔

ایک چھوٹی سی کائنات

۱۔ زمین	جسم انسانی	۱۱۔ صبح کی روشنی	مسکراہٹ
۲۔ پہاڑ	ہڈیاں	۱۲۔ بارش	رونا
۳۔ معادن	مخ	۱۳۔ ظلمت	غم
۴۔ ستارے	عقل، قوت، متفکرہ و متخیلہ وغیرہ	۱۴۔ موت	نیند یا جہالت
۵۔ سمندر	پیٹ	۱۵۔ حیات	بیداری یا علم
۶۔ نہریں	رگیں	۱۶۔ بہار	بچپن
۷۔ بدررَوئیں	انتڑیاں	۱۷۔ گرما	جوانی
۸۔ نباتات	بال	۱۸۔ برف باری	سفید بال
۹۔ میدان	ماتھا یا پیٹھ	۱۹۔ رعد و برق	غصہ
۱۰۔ ہوا	تنفس		

انسان میں حیوانیت

۱۔شیر کی طرح	بہادر	۱۲۔شترمرغ	گم راہ
۲۔خرگوش	بزدل	۱۳۔بلبل	گویا
۳۔کوے	ہوشیار	۱۴۔گدھے	بدآواز
۴۔الو	خودفراموش	۱۵۔مرغی	مفید
۵۔لومڑی	پرکار	۱۶۔چوہے	مضر
۶۔بھیڑ	سادہ لوح	۱۷۔گھوڑے	وفادار
۷۔ہرن	تیزخرام	۱۸۔سانپ	بیوفا
۸۔کچھوے	سست رو	۱۹۔مور	حسین
۹۔اونٹ کی طرح	مطیع	۲۰۔گدھ	بدوضع
۱۰۔چیتے	سرکش	۲۱۔ہدہد	مسعود
۱۱۔قطاۃ	رہبر	۲۲۔اُلو	منحوس

چھوٹی سی کائنات:

کسی بڑے کارخانے میں تشریف لے جایئے انجن کسی ایک طرف کمرے میں ہوگا اور ہر طرف مختلف پرزے مختلف اعمال سرانجام دے رہے ہوں گے کہیں تلواریں بن رہی ہوں گی، کہیں تیل نکالا جارہا ہوگا۔ایک طرف ٹین کے ڈبے تیار ہورہے ہوں گے اور دوسری طرف لوہا پگھل رہا ہوگا۔پس یہی حال کائنات کا ہے اس کارگاہِ عظیم کے مختلف اعمال پر ذرا نگاہ ڈالو۔دریا بہہ رہے ہیں، ہوائیں چل رہی ہیں۔آفتاب روشنی کے طوفان اٹھا رہا ہے، درخت اگ رہے ہیں اور بادل برس رہے ہیں گو اس کارگہ حیات کا ہر منظر مختلف فرائض کی بجا آوری میں مصروف ہے، لیکن انجن صرف ایک ہی ہے، یعنی اللہ۔

ادھر جسم انسانی کو دیکھو، بال اگ رہے ہیں، آنسو بہہ رہے ہیں، دل دھڑک رہا ہے،

سانس چل رہی ہے، کان سن رہے ہیں، آنکھیں دیکھ رہی ہیں اور دماغ سوچ رہا ہے۔ اس کارخانے کے انجن کا نام روح ہے۔ روح جسم کے کس حصے میں رہتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر بال، ہر رنگ اور ہر قطرہ خون میں، لیکن اگر آپ چاقو سے کسی حصہ جسم کو کرید کر روح کو دیکھنا چاہیں تو آپ کو کامیابی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کائنات کے ہر ذرے میں جلوہ گر ہے لیکن روح کی طرح دکھائی نہیں دیتا۔ انسانی جسم حقیقتاً ایک چھوٹی سی کائنات ہے جس میں روح اسی طرح کام کر رہی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کائنات ارض و سماء میں۔

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

(اقبالؒ)

خَلَقْتُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِیْ۔ (حدیث) میں نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

حفاظت:

ہمیں گہری نیند سے کوئی شور بیدار نہیں کر سکتا، لیکن ماں کو بچے کی معمولی سی آواز جگا دیتی ہے، کتا گھر والوں کے شور اور موٹروں وغیرہ کی گڑگڑاہٹ سے نہیں جاگتا لیکن اجنبی پاؤں کی ہلکی سی آہٹ اسے چونکا دیتی ہے۔ ہم جہاز میں آرام سے سورہتے ہیں اور جونہی جہاز کا انجن بگڑ جاتا ہے یک لخت تمام مسافر جاگ اٹھتے ہیں، یہ کیوں؟ اس لیے کہ انسانی دماغ کا ایک حصہ بیدار رہ کر تمام واقعات و خطرات کا مطالعہ کرتا رہتا ہے یا یوں سمجھئے کہ قدرت نے چند محافظ ہم پر مقرر کر رکھے ہیں کہ جونہی کوئی خطرہ ہماری زندگی پر حملہ کرنے لگتا ہے۔ یہ محافظ ہمیں فوراً جگا دیتے ہیں۔

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ. (حدید۔ ۴) ہر حالت اور ہر مقام میں اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔

جماہی:

آدمی بیدار ہو کر جماہیاں اور انگڑائیاں لیتا ہے۔ سانس چند لمحوں کے لیے اندر کھینچ کر پھر باہر نکال دیتا ہے۔ اسی کا نام جماہی ہے۔ یہ اس لیے کہ رات کے وقت خون کی ایک کثیر مقدار دل کا عمل جاری رکھنے کے لیے پھیپھڑوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ بیداری کے بعد چونکہ باقی اعضاء کو بھی کام کرنا ہوتا ہے اور خون کی تمام جسم میں ضرورت پڑتی ہے، اس لیے جماہی سے پھیپھڑے سکڑتے ہیں۔ جمع شدہ خون یہاں سے نکل کر تمام جسم میں پھیل جاتا ہے اور چہرے کی رنگت شگفتہ سی ہو جاتی ہے انگڑائی خون کو پھیلانے میں مدد دیتی ہے۔

آنکھ:

آنکھ کی پتلی ایک سوراخ ہے، جس سے روشنی گزرتی ہے۔ اگر روشنی زیادہ ہو تو پتلی سمٹ جاتی ہے اور اگر کم ہو تو پھیل جاتی ہے تا کہ زیادہ روشنی اندر جا سکے۔ کیمرہ آنکھ کی نقل ہے اگر ہمیں شام کے وقت کوئی تصویر لینا منظور ہو تو روشنی کا سوراخ زیادہ دیر تک کھلا رکھتے ہیں اور زیادہ روشنی میں صرف ۱۰/۱ سیکنڈ۔

آنسو ان گلٹیوں میں تیار ہوتے ہیں جو آنکھوں کے متصل کانوں کی طرف واقع ہیں چونکہ بعض چھوٹے چھوٹے راستے آنکھ اور ناک کو ملاتے ہیں اس لیے ہجوم گریہ میں عموماً
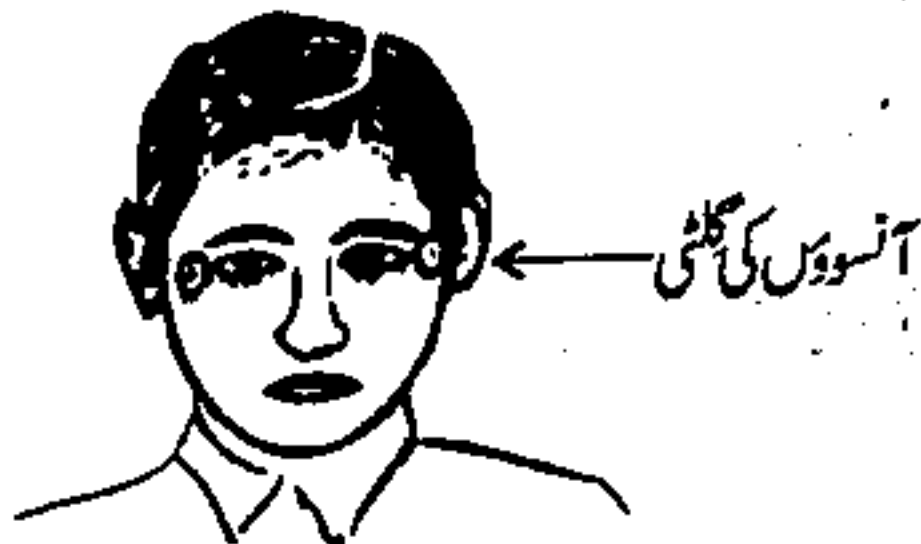
آنسوؤں کی کچھ مقدار ناک میں چلی جاتی ہے اور روتے وقت ناک سے بھی پانی نکلتا ہے۔

آنسو آنکھوں کو صاف رکھتے ہیں، آنکھ اسی لیے بار بار جھپکتی ہے تا کہ آنسو یا معمولی نمی آنکھ کے ہر حصے تک پہنچ سکے، آنکھ کا ہر حصہ کیمرے کی پلیٹ کی طرح ہے، جسے محفوظ رکھنے کے لیے

ایک سخت جلد ارد گرد لگا دی گئی ہے۔ یہیں سے تار دماغ کو جاتے ہیں۔

جب کوئی چیز اس حصے پر منعکس ہوتی ہے تو ان تاروں کے ذریعے دماغ میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور وہ دیکھتا ہے۔ دیکھنے کا کام دماغ کرتا ہے اور آنکھ صرف آلۂ بصارت ہے۔ اگر کسی صدمے سے یہ تار بے کار ہو جائیں تو آنکھ بصارت سے محروم ہو جاتی ہے۔

آنکھ میں سات پردے ہیں، قرنیہ، عنبیہ، عنکبوتیہ، شبکیہ، مشیمیہ، صلبہ اور ملتحمہ۔ مشیمیہ و صلبہ وریدوں کے ذریعے آنکھ کو غذا بہم پہنچاتے ہیں۔ عنکبوتیہ رطوبت کی حفاظت کرتا ہے۔ عنبیہ صورِ مرسومہ کو محفوظ رکھتا ہے۔ ملتحمہ آنکھ کو اصلی ہیئت میں قائم رکھتا ہے اور وہ عصب جن میں تلغرافی تاروں کا جال بچھا ہوا ہے، محسوسات کو دماغ تک پہنچاتا ہے پلکیں غبار اور تیز روشنی کو روکتی ہیں اور پپوٹا رومال اور برش کا کام دیتا ہے۔

آنکھوں کے لینز شیشے کی طرح شفاف ہیں۔ ان سے روشنی گزر کر اسی طرح ٹیڑھی ہو جاتی ہے جس طرح پانی میں لاٹھی کج نظر آتی ہے۔ اگر آنکھ سے گزرنے والی شعاعیں ٹھیک مرکبات بصارت پر مل جائیں تو آدمی کی نظر ٹھیک رہتی ہے اور اگر کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے آنکھ کے شیشے اچھی طرح کام نہ کریں تو شعاعیں مرکزِ بصارت سے آگے نکل جاتی ہیں یا درے پر پڑتی ہیں اور آنکھ کو دور بینی یا نزدیک بینی کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ شکل یہ ہے۔
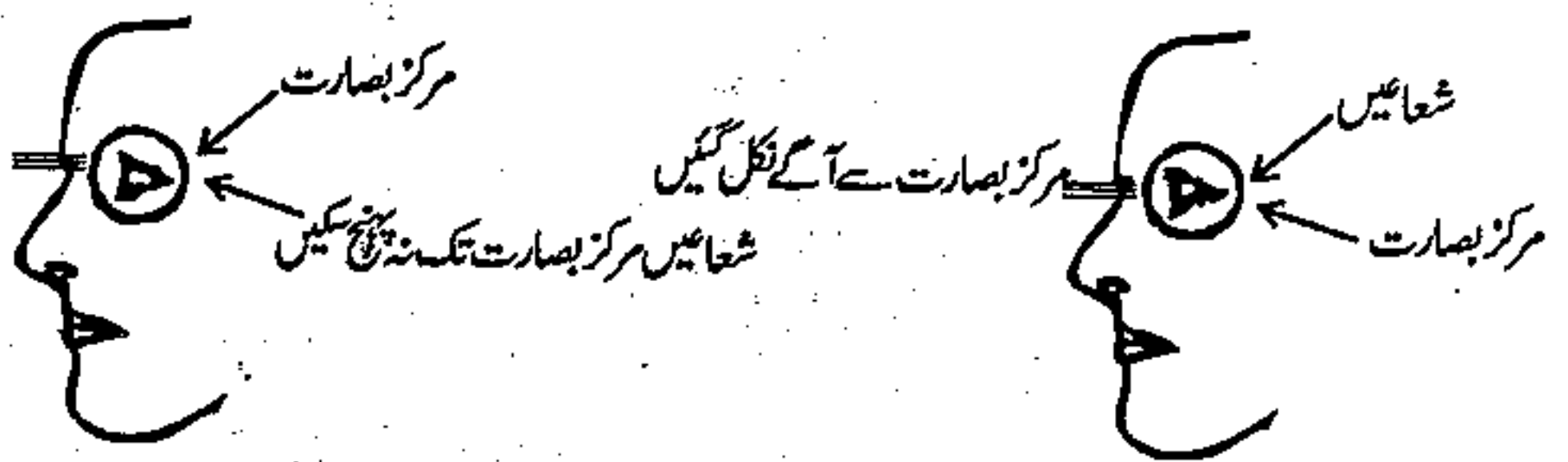
یہ آدمی دور کی ہر چیز اچھی طرح دیکھتا ہے   اس آدمی کو نزدیک بینی کا مرض ہے

ان بیماروں کو ایسی عینکیں دی جاتی ہیں جن کے شیشے شعاعوں کو مرکزِ بصارت سے نہ تو آگے نکلنے دیتے ہیں اور نہ درے رہنے دیتے ہیں۔ مثلاً:

نزدیک میں عینک کے شیشے شعاعوں کو پھیلا کر
مرکزِ بصارت تک پہنچاتے ہیں۔
دور بین عینک کے شیشے شعاعوں کوسمیٹ کر مرکزِ
بصارت پہ ڈال دیتے ہیں۔
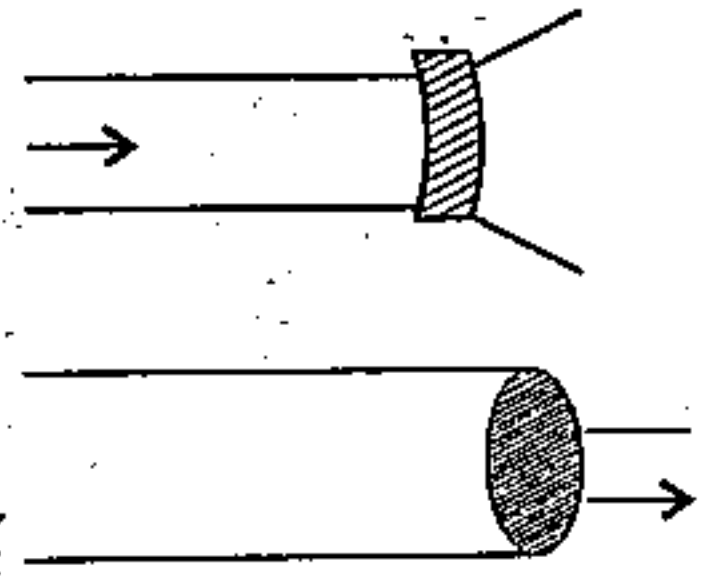
آنکھ کے آخری طبقے میں تیں لاکھ تہیں اور تین کروڑ ستون ہیں۔ دیکھا آپ نے کہ آنکھ کی مشینری کس قدر پیچیدہ اوراس کا نظام کتنا دقیق ہے۔اسی لیے تو قرآن حکیم میں جابجا انسانی سمع وبصر کوالٰہی صناعی پر بطور شہادت پیش کیا گیا ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ق نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا. (دھر. ۲) ہم نے انسان کومردوزن کے مخلوط نطفے سے پیدا کر کے سمع و بصر کی نعمت سے سرفراز فرمایا کہ یہ دیکھیں کہ انسان ان قواء کو کیسے استعمال کرتا ہے۔

کان:

کان کی اندرونی دیواریں ایک بدبودار اور کڑوا گوند خارج کرتی ہے تاکہ گردوغبار اور کیڑے مکوڑے یہیں پھنس کر رہ جائیں۔ اگر حالت خواب میں کوئی چیونٹی وغیرہ گھس جائے تو انسان کی زندگی وبال جان بن جائے۔ اللہ نے لاڈلے انسان کے لیے یہ کڑوا رس تیار کیا تاکہ چیونٹی کان میں داخل ہوتے ہی ہلاک ہو جائے۔

اس گوند سے ذرا آگے ایک پردہ ہے، اس کے آگے تین ہڈیاں زنجیر کی طرح ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں، جس طرح موٹر کے سپرنگ ہچکولوں کو جذب کر لیتے ہیں، اسی طرح یہ بلند اور کرخت آواز کو نرم کر کے پہنچاتی ہیں۔ ان ہڈیوں سے آگے طبلِ گوش ہے جس کے پیچھے پانی ہے۔ پانی چھوٹے چھوٹے بال یا تار ہیں۔ آواز طبلِ گوش سے ٹکرا کر ان تاروں میں لرزش پیدا کرتی ہے اور دماغ سننے کا فرض انجام دیتا ہے۔ ریڈیو سیٹ کان کی ایک عمدہ نقل ہے۔ شکل یہ ہے۔

طبلِ گوش کے پیچھے ان تاروں کی تعداد تین ہزار ہے۔ ہر تار ایک خاص آواز سن کر دماغ تک ایک نئی راہ سے پہنچاتا ہے اور ہم بہ یک وقت تین ہزار آوازیں سن سکتے ہیں۔

ناک:

سونگھنے اور سانس لینے کے علاوہ ناک جاسوس کا کام بھی کرتی ہے۔ جو جراثیم ہوا میں موجود ہوں اور کسی دوسرے طریقے سے معلوم نہ ہو سکیں تو ناک ان کے وجود سے دماغ کو اطلاع دیتی ہے اور دماغ فوراً ہاتھ کو حکم دیتا ہے کہ ناک کے آگے رومال رکھ لو تاکہ مضر جراثیم اندر نہ جانے پائیں۔

ناک اور منہ کے درمیان ایک سقفی ہڈی کا حجاب موجود ہے۔ یہ ہڈی حلق میں گوشت کا ایک لوتھڑا گھنڈی (ٹینٹوا) بن جاتی ہے۔ جب ہم کوئی چیز حلق سے اتارتے ہیں، تو یہ ''گھنڈی'' ناک کی راہ کو روک لیتی ہے تاکہ غذا وغیرہ کا کوئی ذرہ ناک میں نہ جائے۔

ناک کے اندر اور آس پاس چند جگہیں موجود ہیں جنہیں ڈھول کہنا زیادہ موزوں ہوگا، بولتے وقت آواز ان ڈھولوں سے ہو کر گزرتی ہے اور اسی لیے گونج پیدا ہوتی ہے۔ زکام میں کثرتِ بلغم، نیز ماؤف ہونے کی وجہ سے یہ ڈھول بند ہو جاتے ہیں۔ اس لیے آواز بھدی ہو جاتی ہے۔ شکل یہ ہے۔

لکیروں (III) سے ڈھول کے مقامات ظاہر کیے گئے ہیں

سانس لیتے وقت غذائی نالی ایک پٹھے کی وجہ سے بند ہو جاتی ہے اور حلق سے غذا اتارتے وقت سانس کی نالی بند ہو جاتی ہے۔ یہ اس لیے کہ غذا سانس کی نالی میں اور ہوا غذا کی نالی

میں نہ جا سکے کہ اس سے بہت تکلیف پیدا ہوتی ہے، سانس کی نالی ٹھوڑی کے نیچے ہے اور غذا کی نالی کچھ پیچھے۔

آواز:

ہوائی نالی کے منہ پر دو تار لگے ہوئے ہیں جن کے ارد گرد ایک جالی ہے۔ جب ہم بولتے ہیں تو پھیپھڑوں کی ہوا ان تاروں سے ٹکرا کر آواز میں تبدیل ہو جاتی ہے، ان کی بناوٹ اس طرح کی ہے کہ معمولی تنفس سے آواز پیدا نہیں ہوتی۔ مثلاً: ایک سیٹی منہ میں لے کر آہستہ آہستہ اوپر نیچے ہوا کھینچیں تو آواز نہیں نکلے گی اور اگر زور سے پھونکیں تو آواز پیدا ہو گی۔ یہی حال گلے کے تاروں کا ہے۔

اگر رباب کے تار ڈھیلے ہوں تو آواز موٹی اور بھدی نکلتی ہے اور اگر کھچے ہوئے ہوں تو آواز صاف ہوتی ہے۔ اسی طرح موٹی آواز نکالتے وقت یہ تار ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور صاف آواز کے وقت تن جاتے ہیں۔ اگر کوئی گویا گا رہا ہو تو اس کا گلا چھو کر دیکھئے گلے کا یہ حصہ گاتے وقت تنا ہوا ہوگا۔ شکل یہ ہے۔

جلد:
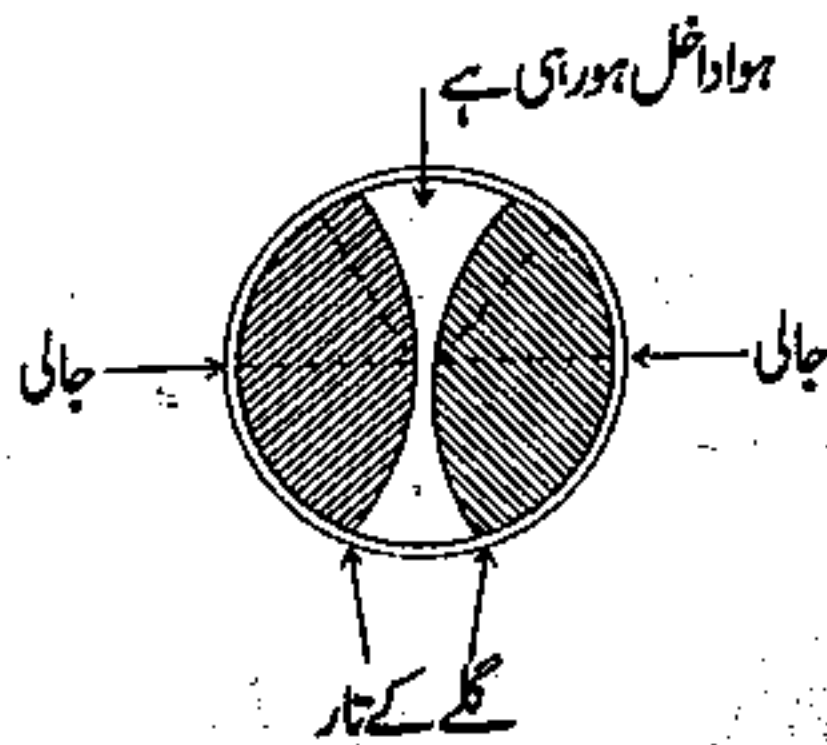
قوت لامسہ جلد میں ہوتی ہے۔ جلد کا ہر حصہ تلغرانی تاروں کے ذریعے دماغ کو پیغام بھیجتا ہے اور دماغ احکام نافذ کرتا ہے۔

گرمیوں میں خون اور پسینے کی نالیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ جسم کو تپش آفتاب سے محفوظ رکھنے کے لیے پانی کی ضرورت ہوتی ہے، تا کہ جسم کے ارد گرد کی حرارت

پانی کو بخارات میں تبدیل کرنے پر صرف ہو جائے اور جسم ٹھنڈا رہے۔ موٹر کے انجن کے اردگرد پانی کی نالیاں اسی مقصد کے لیے ہوتی ہیں کہ ہوا ریڈی ایٹر سے گزر کر انجن کو ٹھنڈا رکھ سکے۔ گرمیوں میں پسینہ بکثرت آتا ہے جس سے جسم کی حرارت تبخیر میں صرف ہو جاتی ہے۔ جلد ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ جس سے خون ٹھنڈا ہو کر رگوں میں چلا جاتا ہے اور اس طرح جسم معتدل رہتا ہے۔

سردیوں میں پسینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے پسینے اور خون کی نالیوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سردیوں میں چہرہ مقابلتاً پھیکا پڑ جاتا ہے اور بہار میں چمک اٹھتا ہے۔

دانت:

دانتوں کا اینمل دانتوں کی حفاظت کے لیے ضروری ہے اس اینمل کی وجہ سے دانتوں کی بیرونی سطح بہت سخت ہوتی ہے اور اندر سے نرم۔ اگر کوئی جرثومہ ایک دفعہ کسی دانت میں راہ بنا ڈالے تو اندرونی حصے کو فوراً تباہ کر دیتا ہے۔ یہ جرثومہ سیاہ رنگ کے بے شمار بچے نکالتا ہے۔ ان سے ایک قسم کا زہر خارج ہوتا ہے جو غذا یا تھوک کے ہمراہ اندر جا کر سارے خون کو خراب کر دیتا ہے۔

پیدائش:

انسان خلیوں سے بنا ہے۔ ہر خلیہ تقسیم ہو کر بھی مکمل رہتا ہے۔ یہ خلیہ دراصل ایک چھوٹا سا دانہ ہے جس میں ایک سیاہ دھبہ ہوتا ہے۔ تقسیم ہونے کے بعد بھی ہر حصے میں یہ دھبہ موجود رہتا ہے۔
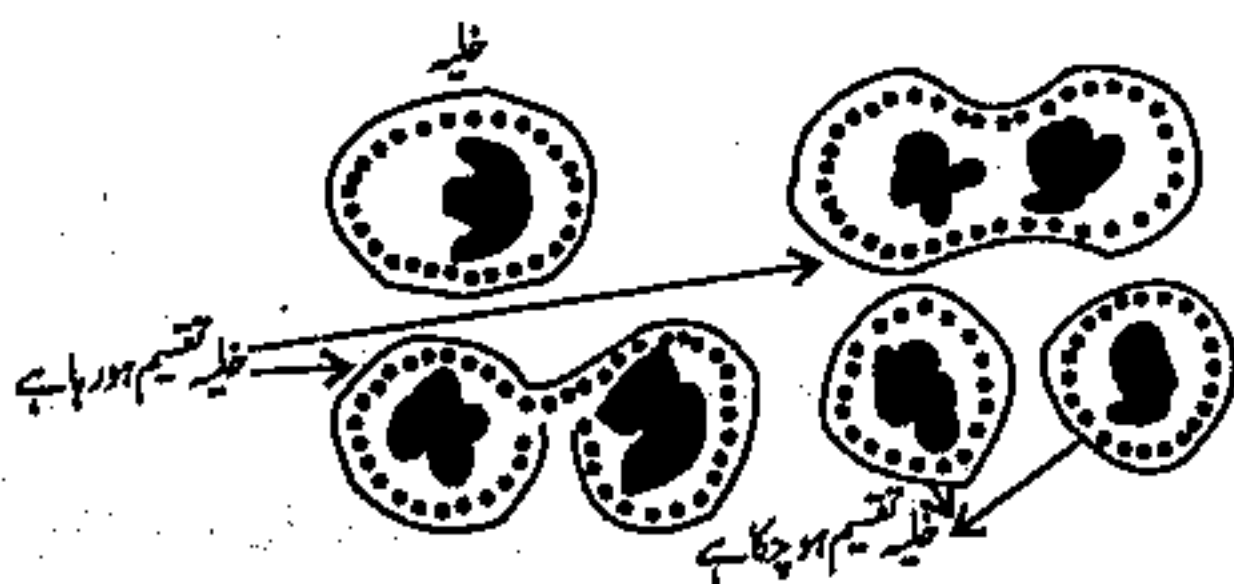
یہ خلیہ ماں کے رحم میں موجود ہوتا ہے لیکن اس میں منقسم و متضاعف ہونے کی استعداد نطفۂ پدری کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ جونہی کہ نطفۂ پدری کا اس خلیہ سے اتصال ہوتا ہے، یہ

تقسیم در تقسیم ہو کر تعمیرِ جنین میں مصروف ہو جاتا ہے۔ بعض خلیے کان بناتے ہیں اور بعض دیگر دل، وعلیٰ ہذا القیاس۔ چونکہ ایک بینائے کل آنکھ اوپر موجود ہے اس لیے یہ کبھی نہیں ہوا کہ دل کی جگہ ناک اور آنکھ کی جگہ منہ تیار ہو جائے۔

انسانی نطفہ دس عناصر سے مرکب ہوتا ہے، آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن، اوزوت، کبریت، فاسفورس، پوٹاش، میگنیشیم، چونا اور فولاد، ان عناصر میں عقل وحواس موجود نہیں ہوتے لیکن اللہ کی صناعی دیکھئے کہ جو کل ان اجزاء سے تیار ہوتا ہے، اس میں عقل وحواس موجود ہوتے ہیں۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ق نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا۔ (دھر۔ ۲) ہم نے انسان کو مرکب نطفے سے بنا کر اسے سمع و بصر کی نعمت عطا فرمائی، تاکہ ہم اسے آزمائیں۔

غذا:

ایک آدمی جب کمرے میں آرام سے بیٹھا ہوا ہو تو وہ ایک گھنٹے میں تقریباً پچیس ہزار مکعب سنٹی میٹر آکسیجن استعمال کرتا ہے۔ کھانے کے بعد ۳۶ ہزار اور ورزش کے دوران میں یہ مقدار ۸۰ ہزار مکعب سنٹی میٹر تک پہنچ جاتی ہے۔ سردیوں میں جسم کو گرم رکھنے کے لیے آکسیجن کی زیادہ مقدار درکار ہوتی ہے، اسی لیے بھوک زیادہ ستاتی ہے۔

ہمیں اپنی غذا میں پانچ چیزیں ملتی ہیں ۱۔ پانی ۲۔ چربی ۳۔ نمک ۴۔ ہائیڈروجنی آکسیجن اور کاربنی مرکبات ۵۔ نائٹروجنی مرکبات۔ مرکب نمبر ۴ کو کاربوہائیڈریٹ اور مرکب نمبر ۵ کو لحمیات پر پروٹینز بھی کہتے ہیں۔ بعض اغذیہ کے اجزاء یہ ہیں:

غذا کا نام	پانی فی صدی	لحمیات فی صدی	نشاستہ فی صدی	چربی فی صدی
۱۔ گوشت	۹۹	۳۱/۹	×	۳۔۷
۲۔ مرغی کا سینہ	۷۴	۲۴/۶	×	۲۔۰
۳۔ مچھلی	۶۵	۱۸/۶	×	۱۰تا۱۷

۴۔ مکھن	۱۴	×	×	۱۸٫۶
۵۔ دودھ	۸۸	۳٫۳	۴٫۸	۳٫۶
۶۔ سیب	۸۴	۰٫۳	۱۲٫۵	۰٫۶
۷۔ لیموں	۹۱	۰٫۵	۳٫۱	۰٫۵
۸۔ ابلے ہوئے آلو	۸۱	۱٫۹	۱۶	×
۹۔ سرخ آٹے کی روٹی	۴۴	۷٫۵	۴۵٫۸	۰٫۱
۱۰۔ سفید ٫ ٫	۴۳	۶٫۶	۴۸٫۷	۰٫۱
۱۱۔ شہد	۱۸	۰٫۴	۱۷٫۴	×
۱۲۔ چکولیٹ	۱۰	۴٫۸	۵۹٫۹	۳۱٫۱
۱۳۔ کھانڈ	×	×	۱۰۰	×

چربی دار غذاؤں کی کاربن اور ہائیڈروجن، آکسیجن سے مل کر زیادہ حرارت پیدا کرتی ہے۔ لحمیات کثرتِ آب کی وجہ سے کم گرم ہوتی ہیں۔ دودھ ہر لحاظ سے بہترین غذا ہے۔ ہماری اغذیہ معمولہ میں کاربن آکسیجن وغیرہ کی مقدار حسبِ ذیل ہوتی ہے:

نام	کاربن	ہائیڈروجن	آکسیجن	نائٹروجن	سلفر
۱۔ چربی	۷۷	۱۱٫۵	۱۱٫۵	×	×
۲۔ نشاستہ	۴۴٫۴	۶٫۲	۴۹٫۴	×	×
۳۔ شکر	۴۲٫۱	۶٫۵	۵۱٫۴	×	×
۴۔ لحمیات	۵۱٫۵	۷	۲۰٫۳۰	۱۵٫۹	۴٫۵

ایک آدمی کو روزانہ تین پونڈ غذا درکار ہوتی ہے۔ تمام دنیا کے انسان ہر روز چھ ارب پونڈ، یعنی سات کروڑ پچاس لاکھ من غذا کھاتے ہیں۔

ہمارے جسم میں نائٹروجن کا کچھ حصہ ناخن اور بال اگانے پر صرف ہوتا ہے اور باقی

پسینے اور پیشاب وغیرہ میں مل کر خارج ہو جاتی ہے۔ بالوں پر روزانہ ۰۲۹۔۰ گرام اور ناخنوں پر ۷۔۰ گرام نائٹروجن خرچ ہوتی ہے۔ سانس کے ذریعے جس قدر نائٹروجن روزانہ خرچ ہوتی ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ بے کار آدمی ایک گھنٹے میں ۰۷۔۰ گرام نائٹروجن خارج کرتا ہے۔

۲۔ معمولی کام کرنے والا ،، ،، ۰۱۳۔۰ ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،،

۳۔ سخت ،، ،، ،، ،، ،، ۰۲۲۔۰ ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،،

۴۔ سائیکل چلانے والا چار گھنٹوں میں ۵۵۔۲ کیلوگرام پسینہ خارج کرتا ہے، جس میں ۰۶۵۔۰ گرام نائٹروجن اور ۶۷۔۱ گرام نمک ہوتا ہے۔

۵۔ ایک عورت ایام حیض میں روزانہ ۸۴۔۰ گرام تک نائٹروجن خارج کرتی ہے۔ بھوک کی حالت میں نائٹروجن اور چربی ہر دو جلتی ہیں۔ کام کے وقت صرف چربی پگھلتی ہے۔ نشاستہ آرام و محنت ہر دو صورت میں جلتا ہے اور چربی کو جلنے سے بچاتا ہے۔ نشاستہ باہر نہیں جلتا لیکن جسم میں بہت جلد جل جاتا ہے۔ چربی باہر بہت جلد پگھلتی ہے لیکن جزو جسم بننے کے بعد بڑی مشکل سے حل ہوتی ہے۔

جسم میں حرارت رقبۂ جسم کے مطابق ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ لمبے آدمی کو چھوٹے آدمی کی نسبت زیادہ بھوک لگتی ہے۔

حیاتیات یا وٹیمن:

حیاتیات نظامِ جسمانی کے اہم عناصر ہیں۔ اس وقت تک ہمیں حیاتیات کی آٹھ اقسام معلوم ہو چکی ہیں یعنی۔

۱۔ حیاتیہ اے ۲۔ حیاتیہ بی (ا) ۳۔ حیاتیہ بی (ب) ۴۔ حیاتیہ بی (ج)
۵۔ حیاتیہ بی (د) ۶۔ حیاتیہ سی ۷۔ حیاتیہ ڈی ۸۔ حیاتیہ ای

اے اے حیاتیہ کی غیر موجودگی میں جسمانی نشوونما رک جاتی ہے۔ نیز آنکھ کے پپوٹوں کو

ایک بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ یہ حیاتیہ مچھلی کے تیل، مکھن اور انڈوں میں بکثرت ہوتا ہے۔

۲۔ بی (ا) اس حیاتیہ کی غیر موجودگی ٹانگوں کو کمزور کر دیتی ہے۔

۳۔ بی۔ (ب) اس حیاتیہ کی غیر موجودگی میں ناسور کی عام شکایت رہتی ہے۔

۴۔ حیاتیہ بی کے باقی اقسام بھی جسمانی نشو و نما کے لیے ضروری ہیں۔ یہ حیاتیے انڈوں پھلوں کے بیج اور غلوں میں ملتے ہیں۔

۵۔ سی حیاتیہ پھلوں اور سبزیوں میں بکثرت ہوتا ہے۔ تازگی دماغ صفائی خون اور شادابی رنگ کے لیے ازبس مفید ہے۔

۶۔ ای۔ اس کی غیر موجودگی میں قوت رجولیت جواب دے جاتی ہے۔ یہ حیاتیہ سبزی کے تیلوں اور پتوں میں ملتا ہے۔

تحلیلِ غذا:

حلق سے اترنے کے بعد غذا ایک تھیلی (معدہ) میں پہنچتی ہے، جس کی دیواروں سے ایک رس نکل کر پہلے ہی وہاں موجود رہتا ہے اور کچھ بعد میں آ جاتا ہے۔ یہ رس ترش ہوتا ہے اور غذا کو حل کر کے جزوِ بدن بناتا ہے۔ تھوک بھی عملِ ہضم میں مدد دیتا ہے۔

سوال: یہ رس معدے میں کھانے سے پہلے کیسے جمع ہو جاتا ہے؟

جواب: فرض کرو کھانا پک رہا ہے اور سالن پکنے کی خوشبو ہم تک پہنچتی ہے۔ ناک فوراً دماغ کو اطلاع دے گی اور دماغ معدے اور منہ ہر دو کی طرف حکم نافذ کرے گا کہ ہاضمے کے رس تیار کرو۔ چنانچہ منہ پانی سے اور معدہ اس رس سے بھر جائے گا، کبھی صرف پلیٹوں کی آواز یا کسی لذیذ کھانے کے ذکر سے بھی منہ میں پانی بھر آتا ہے۔

لطیفہ:

ایک انگریز لڑکے نے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو وہ فوج کا ایک دستہ اس طرف آ رہا

ہے۔ میں ایک ایسا کرشمہ دکھاؤں گا کہ ان کے بین باجے رک جائیں گے۔ جب وہ دستہ قریب پہنچا تو لڑکے نے ایک دو قدم آگے بڑھ کر لیموں چوسنا شروع کر دیا۔ ترشی کے تصور سے سپاہیوں کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ بین وغیرہ بجانے کے قابل نہ رہے۔

جگر:

جگر صفرا و شکر ہر دو کا خزانہ ہے۔ جب اعضاء و اعصاب کام کر رہے ہوں تو انہیں شکر کی ضرورت پڑتی ہے، جو جگر سے نکل کر بذریعہ خون مقام ضرورت تک جاتی ہے۔

جب غذا معدے میں پہنچتی ہے تو اس میں تین رس شامل ہو جاتے ہیں۔ ایک معدے کی دیواروں سے خارج ہوتا ہے۔ دوسرا جگر سے آتا ہے اور تیسرا بائیں طرف کی ایک گلٹی (PANCREAS) سے نکلتا ہے۔

اگر کسی آدمی کو زیادہ سردی لگ جائے تو جسم کو گرمانے کے لیے جگر اس قدر صفرا خارج کرتا ہے کہ جسم، آنکھیں اور چہرہ زرد ہو جاتا ہے اس مرض کا نام ''یرقان'' ہے۔

گردوں والی گلٹی کا رس:

گردوں کے پاس ایک گلٹی ایک ایسا رس خارج کرتی ہے جس سے خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ دوران خون میں کوئی رکاوٹ نہیں آنے پاتی اور نبض کی رفتار نہایت عمدہ ہو جاتی ہے۔ اس رس کے اجزاء یہ ہوتے ہیں۔

کاربن۔۵۹، ہائیڈروجن ۱۔۷، آکسیجن ۲۔۲۶، نائٹروجن ۷۔۷۔ خوف کی حالت میں یہ گلٹی زیادہ رس خارج کرتی ہے، جس سے دورانِ خون زیادہ تیز ہو جاتا ہے۔

گردن والی گلٹی:

یہ گلٹی (THYROID GLAND) ایک نہایت مفید رس خارج کرتی ہے اگر کسی وجہ سے یہ رس جسم کے تمام حصوں تک نہ پہنچ سکے تو یہ گلٹی پھول کر زیادہ رس نکالنے کی کوشش کرتی ہے اور گردن کے نیچے بڑے بڑے گلٹر بن جاتے ہیں۔ یہ بیماری ان علاقوں میں ہوتی ہے جہاں پانی

میں آیوڈین نہ ہو۔ آیوڈین ہماری جسمانی نظام کا ایک ضروری جز ہے۔ اگر یہ عنصر پانی میں موجود نہ ہو تو یہ کمی اس گلٹی کو پوری کرنی پڑتی ہے اور اسی لیے پھول جاتی ہے ؎

کاربن	ہائیڈروجن	نائٹروجن	آیوڈین
۲۳۔۴	۱۔۴	۱۔۸	۶۵۔۴

اگر پانی کے ایک کروڑ قطروں میں اس رس کا ایک قطرہ ٹپکا دیا جائے اور اس پانی میں مینڈک کے بچے موجود ہوں تو وہ بہت جلد جوان ہو جاتے ہیں۔

غور فرمایئے کہ اللہ نے انسانی جسم میں نشوونما، انہضام غذا اور دفع امراض کے لیے کیا عجیب شفاخانہ کھول رکھا ہے جس میں تریاق کی بوتلیں نہایت قرینے سے ہر طرف لگی ہوئی ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

جوہر غذا:

غذا ہضم ہونے کے بعد ایک لمبی سی نالی سے ہو کر بڑی آنت میں پہنچتی ہے اور راہ میں ہر مقام پر چربی، شکر، نشاستہ و دیگر اجزائے غذا چھوڑتی آتی ہے، یہ اجزاء انتڑیوں کی دیواروں میں جذب ہو کر خون میں چلے جاتے ہیں اور فضلہ باہر نکل جاتا ہے۔

نشاستہ جسمانی انجن کا کوئلہ ہے اور لحمیات اس انجن کے خراب شدہ پرزوں کی مرمت کرتے ہیں۔ صرف لحمیات کھانے والا انسان کمزور ہو جاتا ہے اور صرف نشاستے پر گزارہ کرنے والا انسان دبلا پتلا رہ جاتا ہے۔

تنفس:

جب ہم سانس لیتے ہیں تو ہوا بڑی نالی سے گزر کر دو چھوٹی چھوٹی نالیوں میں داخل ہوتی ہے جو سیدھی پھیپھڑوں میں جاتی ہے۔ پھیپھڑوں اور معدے کے درمیان ایک ایسا پٹھا ہے جس پر تنفس کے وقت دباؤ پڑتا ہے اور اس دباؤ سے معدہ بار بار پھولتا ہے۔ پھیپھڑوں میں ہوا بھی موجود ہے اور خون بھی لیکن ہر دو کے خانے جدا جدا ہیں۔ پھیپھڑوں میں ہوا کے دو فائدے ہیں،

اول یہیں سے تازہ ہوا خون میں جاتی ہے۔ دوم جب جماہی یا انگڑائی لیتے ہیں تو پھیپھڑوں پر دباؤ پڑتا ہے۔ یہ ہوا اس دباؤ کو اسی طرح غیر محسوس بنا دیتی ہے جس طرح گدیوں کے سپرنگ ہچکولوں کو جذب کر لیتے ہیں، ہمیں دن میں کئی بار پھیپھڑوں کو سکیڑ کر خون کو دیگر اعضا کی طرف بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً: اندھیری رات میں ہم کوئی آہٹ سن پاتے ہیں فوراً سانس روک کر پھیپھڑوں کا خون دماغ اور کانوں کی طرف بھیجتے ہیں تاکہ آہٹ کی حقیقت معلوم کر سکیں۔ دوڑ دھوپ میں جسم کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ غلاظت زیادہ پیدا ہوتی ہے جسے خارج کرنے کے لیے پھیپھڑے جلدی جلدی تازہ ہوا کھینچتے ہیں اور اسی کا نام ہانپنا ہے۔

دل کے دو حصے ہوتے ہیں، دایاں اور بایاں۔ دایاں حصہ خون کو پھیپھڑوں میں بھیجتا ہے جہاں سے صاف ہو کر بائیں حصے میں داخل ہوتا ہے اور پھر باقی جسم میں جاتا ہے۔

تمام رگوں کے منہ پر چند پٹھے ہوتے ہیں جو بوقتِ ضرورت رسی کی طرح ان رگوں کا منہ بند کر لیتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ ایک لڑکا پڑھ رہا ہے، اس وقت اس کے دماغ کو خون کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور پیٹ کو کم۔ اس لیے پیٹ والی رگوں کے منہ بند ہو جائیں گے اور خون دماغ کی طرف چلا جائے گا۔ کھانا کھانے کے بعد خون معدے کی طرف آ جائے گا اور دماغی عروق کا منہ بند ہو جائے گا۔

دورانِ خون:

دل کا پمپ ہوا کے دباؤ سے خون کو تمام جسم میں بھیجتا ہے اور دو چیزیں خون کو

پھیپھڑوں میں بھیجتی ہیں۔ اول پھیپھڑوں سے آئے ہوئے خون کا ریلا جو سست رفتار خون کو تیز گام بنا دیتا ہے۔ دوم جب ہم اینٹھتے یا اکڑتے ہیں تو تمام رگیں تن کر سمٹتی ہیں جس سے خون آگے کو سرک جاتا ہے۔

جسم کے ہر حصے کا خون سیدھا دل میں جاتا ہے لیکن انتڑیوں کا خون شکر کا ذخیرہ ہمراہ لئے جگر میں داخل ہوتا ہے اور پھر وہاں سے دل میں۔

باریک شریانوں میں خون کی رفتار اس لیے سست ہو جاتی ہے کہ غلاظت کو ہر کونے سے سمیٹ سکے اور غذا کو وہاں باطمینان پہنچا سکے۔

کاربن اور تنفس:

کاربن نظام تنفس کے لیے ضروری ہے۔ پھیپھڑوں کے نیچے ۶ء۵ فی صدی کاربن کا ہونا ضروری ہے ورنہ نظامِ تنفس درہم برہم ہو جائے۔ تنفس سے کاربن زیادہ خارج ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مریض آہستہ آہستہ سانس لیتا ہے تاکہ کاربن کی ضروری مقدار جسم میں باقی رہے اگر کاربن کی زیادہ مقدار پھیپھڑوں میں جمع ہو جائے تو اس کے اخراج کے لیے مریض تیز تیز سانس لیتا ہے۔

جنگ اور تنفس:

قدیم زمانے میں وحشی لوگ دشمن کو دھواں دے کر غاروں سے باہر نکالا کرتے تھے۔ اہل یونان گندھک کے دھوئیں سے حملہ کیا کرتے تھے۔ جنگ کریمیا میں لارڈن ڈانلڈ نے دشمن کے خلاف گندھک استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن جذباتِ رحم آڑے آئے۔ اپریل ۱۹۱۵ء میں جرمن مورچوں سے کلورین گیس کا ایک سفید بادل اٹھا اور فرانسیسیوں کی طرف بڑھا۔ ان غریبوں کے گلے بند ہو گئے، نظر جاتی رہی اور سانس رک گئی۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں برطانیہ نے گیس کا جواب گیس سے دیا جس سے جرمنوں کے پھیپھڑے متورم ہو گئے۔

گزشتہ جنگِ عظیم (۱۹۱۴ء۔ ۱۹۱۸ء) میں پچیس قسم کی گیسیں استعمال ہوئیں جن

سے اسی (۸۰) ہزار آدمی متاثر ہوئے۔ سولہ ہزار تو ہلاک ہو گئے اور باقی عمر بھر دکھ سہتے رہے۔

خون:

خون میں دو قسم کے ذرات ہوتے ہیں۔ سرخ و سفید۔ سرخ ذروں کو انگریزی میں (HAEMOGLOBIN) کہتے ہیں۔ ان میں فولاد زیادہ ہوتا ہے اور آکسیجن جذب کرتے ہیں۔ اگر ان سرخ ذرّوں پر ہوا کا دباؤ ڈالا جائے تو یہ فوراً آکسیجن جذب کر لیتے ہیں اور اگر یہ دباؤ ہٹا لیا جائے تو آکسیجن علیحدہ ہو جاتی ہے۔

جب خون پھیپھڑوں میں آتا ہے تو ہوائی دباؤ سے آکسیجن قبول کر لیتا ہے اور جب ایسے حصوں میں پہنچتا ہے جہاں آکسیجن نہیں ہوتی تو ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے اور آکسیجن علیحدہ ہو جاتی ہے۔

جب خون جسم سے پھیپھڑوں کی طرف واپس جاتا ہے تو راستے میں سوڈے کی ایک خاصی مقدار خون میں شامل ہو جاتی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ سرخ ذرات اور سوڈا مل کر کاربن جذب کرتے ہیں۔ چنانچہ واپسی پر خون کاربن کو سمیٹ کر پھیپھڑوں میں لے آتا ہے۔ جہاں ایک کیمیائی عمل سے کاربن علیحدہ ہو کر سانس کے ذریعے باہر نکل جاتی ہے اور خون آکسیجن لے کر سوڈے سمیت واپس چلا جاتا ہے۔ سوڈا راہ میں رہ جاتا ہے اور آکسیجن عروق و اعصاب میں چلی جاتی ہے۔

خون کے سرخ ذرات بڑی بڑی ہڈیوں کے مخ میں تیار ہوتے ہیں۔ ہر ذرہ صرف دس دن تک کے لیے کام دیتا ہے اور اس کے بعد بے کار ہو کر تلی میں گر جاتا ہے۔ تلی دراصل بے کار سرخ دانوں کا گندا ٹین ہے۔

سردی میں خون کی رفتار سست ہو جاتی ہے اور اسی لیے جسم کا رنگ نیلگوں سا ہو جاتا ہے، یہ دراصل وہ غلیظ مواد ہوتا ہے جو خون میں واپسی پر شامل ہو جاتا ہے، خون کے سفید ذرات مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ یعنی گول لمبے چپٹے وغیرہ۔ وجہ یہ کہ جسم کو مختلف شکل کے زخم آتے رہتے ہیں۔ یہ ذرات مقام مجروح پر پہنچ کر شریانوں کے منہ پر پھنس جاتے ہیں اور اینٹوں کی طرح تہیں

جما دیتے ہیں یہاں تک کہ زخم بھر جاتا ہے۔

یہ ذرات جراثیم امراض سے باقاعدہ جنگ کرتے ہیں اور پھوڑے سے جو پیپ نکلتی ہے وہ دراصل انہی ذرات کی لاشیں ہوتی ہیں۔

دماغ:

ہمارا دماغ کھوپڑی کے مضبوط قلعے میں پانی کے اندر تیر رہا ہے۔ پانی کا فائدہ یہ ہے کہ اچھل کود میں دماغ دیواروں سے نہیں ٹکراتا۔ ریڑھ کی ہڈی دماغ سے نکل کر کمر تک جاتی ہے۔ اس کی سینکڑوں رگیں الگ ہو کر جسم میں پھیلی ہوئی ہیں جس طرح ٹیلیفون میں دو تار ہوتے ہیں، ایک پیغام دینے اور دوسرا لینے کے لیے اسی طرح جسم کے ہر حصے میں پیغام بھیجنے اور لینے کے لیے علیحدہ علیحدہ تار ہیں۔ مثلاً: اگر پاؤں پر کوئی مکوڑا چڑھ آئے تو فوراً ایک تار سے دماغ کو اطلاع جاتی ہے اور دوسرے تار سے ہاتھ کو حکم ملتا ہے کہ مکوڑے کو مار بھگاؤ۔

چونکہ بعض اوقات بعض اعضاء کو خون کی زیادہ مقدار درکار ہوتی ہے، اس لیے دماغ اعصاب وعضلات کو خون لینے یا روکنے کا حکم بھی نافذ کیا کرتا ہے۔ فرض کرو ایک آدمی ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو فوراً دماغ سے مختلف اعضاء کو مختلف احکام جاری ہوں گے بھنویں تن جائیں گی، نتھنے پھول جائیں گے، آنکھیں سرخ ہو جائیں گی۔ ہاتھ مکے کی شکل اختیار کر لے گا اور دل جلدی جلدی حرکت کرنے لگے گا تاکہ خون کی مناسب مقدار ان تمام اعضاء تک پہنچائی جاسکے، جن سے کام لیا جارہا ہے۔

جسمانی دکھ اللہ کی ایک رحمت ہے۔ یہ دراصل دماغ کے لیے ایک پیغام ہوتا ہے ہوشیار ہو جائیے خطرہ سر پر آگیا ہے۔ اگر جسمانی اذیت نہ ہوتی، تو ہر روز لاکھوں انسان بن آئی مر جاتے۔ فرض کیجئے کہ دماغ میں پھوڑا نکل آتا ہے یا نیند کی حالت میں کوئی شخص ہمارے سینے میں چاقو داخل کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر دکھ کی وجہ سے دماغ کو خبر نہ ہونے پائے تو ہم بلا علاج رہ کر ہلاک ہو جائیں۔

ہم اندھیرے میں جا رہے ہیں۔ اچانک سانپ کی پھنکار کانوں تک پہنچتی ہے کان

دماغ کو اطلاع دیتے ہیں۔ دماغ فوراً کودنے کا حکم نافذ کرتا ہے اور ہم اچھل کر خطرے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

جب ہم کوئی نہایت وحشت ناک خبر سن پاتے ہیں تو دل کا تمام خون دماغ کی طرف چلا جاتا ہے، تاکہ دماغ کوئی حفاظتی تجویز سوچ سکے اور اس طرح بعض اوقات ہماری موت واقع ہو جاتی ہے۔ بعض چھوٹے چھوٹے پرندے سانپ کو دیکھ کر اس لیے سن ہو جاتے ہیں کہ ان کے دل کا سارا خون دماغ کی طرف چلا جاتا ہے اور وہ بیچارے لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔

یورک ایسڈ نیز بعض دیگر زہروں کی وجہ سے احکام لینے والے تار تباہ ہو جاتے ہیں خطرہ کے وقت دماغ کے احکام بعض اعضاء تک نہیں پہنچ سکتے اور اسی لیے ایسے لوگ بدحواس ہو جاتے ہیں۔

چونکہ دماغ سے تمام حصص جسم تک تلغرانی تار جاتے ہیں، اسی لیے اگر میدان جنگ میں گولی سے یہ تار کمر کے پاس سے کٹ جائیں تو نچلا دھڑ بے حرکت ہو جائے گا اور اگر ان تاروں کو نقصان پہنچ جائے جن کا تعلق چشم و گوش سے ہے تو انسان اندھا اور بہرہ ہو کر رہ جائے۔

دماغ کے دو حصے ہوتے ہیں:۔ ۱۔ اندرونی جو سفید ہے اور ۲۔ بیرونی خاکستری رنگ کا ہوتا ہے۔ ہر دو آپس میں وابستہ ہیں۔ بیرونی دماغ میں بہت ابھار نظر آتے ہیں جو درحقیقت محسوسات مشمومات و معقولات وغیرہ کے مرکز ہیں، بعض ابھار احساس بعض شم، بعض تخیل، بعض کتابت اور بعض ریاضی و منطق سے تعلق رکھتے ہیں۔

اگر کسی صدمے سے کسی ابھار کو نقصان پہنچ جائے تو وہ طاقت کم یا مفقود ہو جائے گی، یہی وجہ ہے کہ بعض طلباء ریاضی میں اور بعض دیگر انگریزی وغیرہ میں کمزور ہوتے ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا دماغ ۱۶ اونس اور بڑے سے بڑا ۶۴ اونس یعنی دو سیر کا ہوتا ہے۔ شکل ملاحظہ ہو۔

دست و پا:

ہمارے ہاتھ پاؤں میں ۱۰۶ ہڈیاں اور صرف انگلیوں میں ۵۸۔ انگلیوں کے نظام پر ذرا غور فرمایئے کہ پہلے ۵۸ ہڈیاں بنائی گئیں، پھر انہیں ایک ترتیب میں رکھ کر اندر عروق کا ایک جال بچھایا گیا۔۔۔۔۔اور اوپر ایک جلد چڑھا دی گئی۔ انصافاً فرمایئے کہ یہ کام زیادہ مشکل ہے یا بنی بنائی ہڈیوں میں دوبارہ روح پھونکنا۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ بَلٰی قَادِرِیْنَ عَلٰی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ۝ (قیامة. ۳. ۴)

کیا انسان کا خیال یہ ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکیں گے حالانکہ ہم اس کی انگلیوں کی پوریں بنا رہے ہیں (جو مشکل تر کام ہے)

الغرض! جسم انسانی ایک حیرت ناک مشین ہے، جس کا ہر پرزہ اس خالق جلیل کی پر شکوہ صناعی و خلاقی کی ایک روح افزاء داستان ہے۔ آؤ ہم اس صناع بے چوں کی رفعت کے گیت گائیں، جس نے:

اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ (انفطار. ۷. ۸)

تمہیں پیدا کیا، تمہارے نظام جسمانی میں توازن پیدا کر کے اسے ہر طرح مکمل بنا دیا اور پھر تمہیں ایک ایسی ہیئت و صورت عطا کی جو اسے پسند تھی۔

باب ۱۱

متفرق آیاتِ طبیعی کی تفسیر

اس کتاب کے آغاز میں ذکر ہو چکا ہے کہ قرآنِ حکیم میں آیات کونیہ کی تعداد ۷۵۶ تک جا پہنچتی ہے جن میں سے بعض کی تفسیر گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے اور بعض باقی ہیں۔ اوراقِ آئندہ میں چند ایسی آیات کے معارف بیان ہوں گے اور عمداً اختصار سے کام لیا جائے گا تا کہ ضخامت نہ بڑھ جائے۔

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

اس آیت کی تفسیر مختلف مقامات پر ہو چکی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ عرب میں قبائل کے باہمی تعلقات پر مدح و ذم کا بہت گہرا اثر پڑا کرتا تھا۔

شعرائے عرب نے بعض قبائل کی تعریف کی تو وہ صدیوں اینٹھتے رہے اور بعض دیگر کی مذمت کی تو وہ ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو گئے۔ ایک شاعر ایک قوم کے متعلق کہتا ہے:

ولو انی بلیت بهاشمی　　خوؤلته بنو عبدالمدان

لهان علیٰ ما القیٰ ولٰكن　　تعالوا فانظروا یمن ابتلانی

(اگر میرا مقابلہ کسی ایسے ہاشمی سے ہوتا جس کے ماموں عبدالمدان کے بیٹے ہوتے تو مجھے یہ مصیبت سہل معلوم ہوتی، لیکن آؤ دیکھو کہ میرا مقابلہ کیسے ذلیل انسانوں سے آ پڑا ہے)

ایک شاعر بنی انف کے متعلق کہتا ہے۔

قومهم الانف والاذناب غیرهم　　ومن یسوی بانف الناقة الذنبا

(یہ قوم دنیا کی ناک ہے اور باقی قبائل پونچھ　　بھلا پونچھ کو ناک سے کیا نسبت ہو سکتی ہے)

مدح و ذم کے علاوہ بعض شعراء طلب زر کے لیے امراء کے دربار میں مبالغہ آمیز قصائد پڑھا کرتے تھے۔ جب مغیرہ بن شعبہ ایران کے رئیس الافواج رستم کے دربار میں جاتا ہے تو کیا

دیکھتا ہے کہ لوگ جھک جھک کر کورنش بجالا رہے ہیں۔ سجدے ہو رہے ہیں۔ آستانوں کو چوما جا رہا ہے، اور قبلۂ عالم، اعلیٰ حضرت اعلیٰ ورب الناس وغیرہ کے القاب معمولی امراء کو دیئے جا رہے ہیں تو مغیرہ حیران ہو کر کہتا ہے۔

ماأری قوما اسفه احلاما منکم انا — میں نے کوئی قوم تم سے زیادہ احمق نہیں دیکھی ہم
معشر العرب لا یستعبد بعضنا بعضا — اہل عرب ایک دوسرے کو خدا نہیں سمجھتے اور تم میں
وانی رأیت ان بعضکم ارباب بعض — سے بعض بعض دیگر کی عبادت میں مصروف ہیں
وان هذا الامر لا یستقیم فیکم. — اور یہ حرکات تمہارے لیے باعثِ رسوائی ہیں۔

الغرض! شعرائے عرب کو باہمی فتنہ انگیزی سے روکنے اور ملتِ اسلامیہ کو خوشامد اور چاپلوسی کی لعنت سے آزاد کرنے کے لیے حکم دیا گیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ یعنی تمام ستائشوں کا مستحق صرف دنیا کا پروردگار ہے اور بس۔ غور فرمایئے کہ اس ایک جملے سے کس قدر مفاسد تھم گئے ہوں گے اور شعرائے عرب کا دماغ انسان پرستیوں کی الجھنوں سے آزاد ہو کر الٰہی حمد و ثنا کے ترانے کس وجد و مستی میں تصنیف کرتا ہوگا۔ نیز تمام قوم کو کس بلند اخلاق کا سبق دیا گیا کہ جو کچھ کسی کو ملا ہے۔ خواہ وہ بلا واسطہ ہو، مثلاً: روشنی، ہوا اور معادن وغیرہ یا بالواسطہ مثلاً: علم، ملازمت، انعام اور تحائف وغیرہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

گرچہ تیر از کماں ہے گزرد — از کماں دار بیند اہلِ خرد
(سعدیؒ)

یہ کمان دار اللہ ہے اور یہ وسائط و وسائل محض کمان کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے ہر رنگ میں صرف اللہ ہی قابلِ تعریف ہے۔

(۲)

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ . الخ (بقرۃ)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملائکہ کیا ہیں؟

جواب: انسان میں آب و ہوا اور خاک و آتش کی ترکیب سے عقل پیدا ہوئی تو پھر

کائنات کو جو انہی عناصر سے بنی ہے عقل سے کیوں محروم سمجھا جائے؟ فلاسفہ یونان نے کائنات میں عقولِ عشرہ تسلیم کئے تھے انہی عقول کا دوسرا نام ملائکہ ہے۔

ہم دنیا میں مختلف ذی حیات کی مختلف انواع دیکھتے ہیں، مثلاً کیچوا، مچھلی اور چوپائے چوپاؤں کے مختلف طبقے مثلاً چوہا، بلی، خرگوش، ہرن، بھیڑیا، ریچھ، چیتا اور شیر۔ ان سب کے بعد انسان کا درجہ آتا ہے۔ کیا زندگی کی آخری منزل انسان ہے اور بس؟ کیا ہم انسان کے بعد ایک غیر مرئی مخلوق، یعنی ملائکہ کا وجود فرض نہیں کر سکتے؟

پتھر میں شہوت، غضب اور عقل وغیرہ کچھ بھی موجود نہیں۔ حیوان میں شہوت و غضب تو ہیں لیکن عقل ندارد۔ انسانوں میں تینوں موجود ہیں۔ تو کیا ہم ایسی مخلوق فرض نہیں کر سکتے جس میں عقل تو موجود ہو لیکن شہوت و غضب نہ ہو۔

انسانی دنیا کے مختلف شعبوں پر مختلف انسان بطور نگران متعین ہیں۔ کوئی جج ہے کوئی کمان دار اور کوئی گورنر۔ کیا کائنات کے مختلف شعبوں مثلاً: ابر و باد وغیرہ پر چھوٹے چھوٹے نگران متعین نہیں۔ جنہیں وید کی زبان میں دیوتا اور قرآن کی اصطلاح میں فرشتہ کہا جاتا ہے۔

(۳)

محکمات و متشابہات

قرآن حکیم میں آیات کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں۔ محکمات و متشابہات۔ آیئے دیکھیں کہ ان اصلاحات کا مفہوم کیا ہے؟

محکمات:

اس کا ماخذ ''حکم'' ہے۔ ''حکم'' کے مختلف مشتقات یہ ہیں:

۱۔ حکم حکما. قضی و فضل۔ یعنی اس نے فیصلہ کیا یا تفصیل پیش کی۔

۲۔ احکم: اتقن یعنی دلائل سے ثابت کیا یا مضبوط بنایا۔

۳۔ تحکم: تصرف و فق مشیئته۔ اپنی خواہش کے مطابق رد و بدل کر دیا۔

۴۔ الحمکة:عدل۔علم۔فلسفہ۔

۵۔ الحکومة. الریاسة.

(اَلْمُنْجِدُ)

اس لغوی تحقیق کی روشنی میں ''محکمات'' سے مراد وہ آیات ہوں گی جو دلائل سے ثابت شدہ ہوں۔ مفصل ہوں جن میں اللہ نے اپنی مشیت کی تفصیل پیش کی ہو جن میں علم فلسفہ اور عدل ہو اور جن پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ تَمَكُّنْ فِی الْاَرْضِ ہو۔

مثالیں:

اللہ نے بار بار فرمایا ہے کہ قانون شکن اور مجرم اقوام دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتیں اور اس سلسلے میں فرعون ونمرود، عاد وثمود اور چند دیگر تباہ شدہ اقوام کا متعدد مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ حکومت ارضی نیابت الٰہیہ کا دوسرا نام ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ ایک بداخلاق قوم کو کبھی اپنا نائب نہیں بناتا۔

علمائے مغرب نے صدیوں کی تلاش وتحقیق کے بعد یہ اعلان کیا ہے کہ ارض وسماء کی آفرینش سے پہلے فضا میں صرف دھواں تھا۔ یعنی مختلف عناصر غبار ودخان کی صورت میں ہر سو اڑ رہے تھے۔ پھر اللہ نے چاہا کہ یہ ذرات شمس وقمر اور ارض ومشتری کی صورت اختیار کرلیں۔ چنانچہ وہ ستارے بن کر اپنی اپنی مداروں پر گھومنے لگے۔ صاحب القرآن علمائے مغرب کے ان نتائج پر یوں مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ.

(پھر اللہ نے تخلیق سماء کا ارادہ کیا۔ اس وقت کائنات میں صرف دھواں ہی دھواں تھا۔ اللہ نے ارض وسماء سے کہا کہ آؤ طوعاً یا کرہاً اپنا کام شروع کرو ہر دو نے جواب دیا کہ ہم فرمانبردار غلاموں کی طرح حاضر ہیں)

یہ اور اس قسم کی سینکڑوں دیگر آیات کو علوم جدیدہ نے آج محکم مفصل اور مبرہن بنا دیا ہے۔

متشابہات:

متشابہات کے متعلق ایک حدیث ملتی ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ متشابہات کی تفصیل اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں، اس لیے کہ انکشافاتِ جدیدہ سینکڑوں ایسی آیات کو محکم بنا چکے ہیں جو کل تک متشابہ تھیں مثلاً: فرعون غرق ہوا تو اللہ نے فرمایا:

اَلْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً.

(آج ہم تیرے بدن کو بچا کر رکھیں گے تا کہ تو آنے والی نسلوں کے لیے ایک سبق بن جائے)

تیرہ سو برس تک ہمارے مفسرین حیران رہے کہ یہ "بدن کو بچانے" کا مطلب کیا ہے۔ اس صدی کے ربع اول میں جب فرعون کی لاش برآمد ہوئی تو یہ متشابہ آیت بھی محکمات میں داخل ہو گئی۔

لغوی لحاظ سے متشابہ کے معنی ہیں:

اِشْتَبَهَ: خَفِيَ، وَالتَبَسَ۔ شَكَّ (مخفی، مشکوک اور غیر یقینی ہونا)

شَبَّهَه: اَشْكَلَ (مشکل ہونا)

نہ صرف قرآن میں بلکہ اس کائنات میں بھی لاکھوں حقائق ہماری نگاہوں سے مخفی (متشابہ) ہیں۔ آج سے سو سال پہلے کسے معلوم تھا کہ ایثر کیا ہے۔ رنگ کی حقیقت کیا ہے۔ عناصر کی تعداد کتنی ہے۔ ستارے کتنے ہیں اور ان کی گزرگاہوں کی کیفیت کیا ہے یہ سب سربستہ راز تھے۔ بہ دیگر الفاظ یہ متشابہات تھے جنہیں انسانی تحقیق و جستجو نے محکم بنا دیا۔

علمائے مغرب نے کہا، فضا میں کروڑوں شاہراہیں موجود ہیں جن پر یہ کروڑوں آفتاب و مہتاب سرگرم سفر ہیں۔ اللہ نے فرمایا:

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ. ان بلندیوں کی قسم جن میں شاہراہوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔

حکمائے فرنگ نے کہا، اس زمین پر ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے جب اس میں پہاڑوں

کا سلسلہ موجود نہ تھا۔ یہ کم وبیش دس ہزار فٹ گہرے پانی میں از سرتا پا ڈوبی ہوئی تھی اور ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ. ایک ایسا وقت گزر چکا ہے کہ اللہ کا تخت صرف پانی پر بچھا ہوا تھا۔

طبیعین یورپ نے کہا کہ پودوں میں بعض نر ہوتے ہیں اور بعض مادہ۔ نر و مادہ میں سے کسی ایک کو ختم کر دیا جائے تو نباتات کی نشو ونما رک جائے اور ساتھ ہی زندگی کا بھی خاتمہ ہو جائے اور اللہ نے اعلان کیا:

وَاَنۡبَتَتۡ مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ كَرِيۡمٍ. زمین نر و مادہ کے مکمل جوڑے پیدا کرتی ہے۔

سر جیمز جینز فرماتے ہیں کہ فلکیات میں مکمل چالیس برس تک غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جس طرح ایک مصنف کو سمجھنے کے لیے اس کی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے، اسی طرح اللہ کو سمجھنے کے لیے اس کی کتاب یعنی صحیفۂ فطرت میں غور کرنا لازمی ہے۔ ہم اللہ کی محیر العقول صناعیوں میں جوں جوں غور کرتے ہیں اس کی عظمت و حکمت سے پردے اٹھتے جاتے ہیں۔ وہ افق نگاہ کے قریب آتا معلوم ہوتا ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى۔ اور جب قریب آجاتا ہے تو قلب و نظر اس کی بے کراں عظمتوں کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔ ہمالہ دور سے ایک ٹیلہ معلوم ہوتا ہے لیکن وہ قریب سے شیروں سے کلیجے دھڑکا دیتا ہے۔ جہالت وہ مسافت ہے جو خدا و انسان میں حائل ہو تو خدا چھوٹا دکھائی دیتا ہے۔ اور علم وہ نردبان ہے جو ہمیں جوار قدس میں پہنچا دیتا ہے۔ قریب پہنچ کر ہم اللہ کی عظمت و جلال سے سہم جاتے ہیں، بہ دیگر الفاظ اللہ سے ڈرنے کا امتیاز ایک صاحب علم کو ہو سکتا ہے یہ تو تھا سر جیمز کا خیال۔ اب ذرا اللہ کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّحُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَغَرَابِيۡبُ سُوۡدٌ اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا.

(وہ دیکھو پہاڑوں کے سینے میں سرخ و سفید اور سیاہ معادن کے طبقات ــــ یاد رکھو کہ اللہ سے صرف اہل علم ہی ڈر سکتے ہیں)

ان تفاصیل کا ملخص یہ ہے کہ قرآن کی سینکڑوں آیات آج سے سو سال پہلے متشابہ تھیں لیکن اب وہ محکم بن چکی ہیں۔ متشابہات دراصل وہ سربستہ حقائق ہیں جن کو صرف علم بے حجاب کر سکتا ہے۔ علم سے مراد ملا کا علم نہیں کہ وہ صرف ڈھیلے حلوے اور مرغے تک محدود ہے بلکہ فطرت کا وہ بے پناہ علم ہے جس کے انتہائی ادارے صرف زمینِ فرنگ میں ملتے ہیں۔

ہر چند کہ انکشافاتِ تازہ نے بعض آیات کو حل کر دیا ہے لیکن اس قرآنِ عظیم میں سینکڑوں ایسی آیات موجود ہیں جو ہنوز راز ہیں اور نہ جانے کب تک رہیں گی، مثلاً:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِکُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ.

(اللہ نے تمہیں ماؤں کے بطن سے پیدا کیا، یہ ایک تخلیق تھی۔ ایک اور تخلیق کے بعد تین اندھیروں میں)

تکوینِ جنین پر مشرق و مغرب کا سارا لٹریچر پڑھ جائیے۔ خط کشیدہ حصص کی تفسیر کہیں نہیں ملے گی۔ امریکہ سے حال ہی میں میرے ایک دوست واپس آئے ہیں جنہیں حیاتیات سے بہت دلچسپی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ امریکہ میں ایک ماہر حیات نے اس حقیقت کو پا لیا ہے کہ جو خلیے جنین کی تعمیر کرتے ہیں وہ تین حصوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک حصہ کمر تک۔ دوسرا کمر سے گردن تک اور تیسرا سر تیار کرتا ہے۔ ان تینوں گروہوں کے درمیان دیواریں (LAYERS) حائل کر دی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ تین اندھیروں سے مراد یہ تین دیواریں ہوں۔ اسی طرح ''سبع سموات'' ایک راز ہے۔ محققینِ مغرب نے تاحال خلا میں صرف تین ایسی شفاف دیواریں دریافت کی ہیں جن میں سے ایک بجلی کی لہروں کو، دوسری آواز کو اور تیسری وائلٹ شعاعوں کے اس زہریلے سیلاب کو روکتی ہے جو یہاں سے چند سو میل اوپر آتش فشاں پہاڑوں کے لاوے کی طرح کھول رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس شفاف دیوار میں کوئی شگاف کر دے تو سطحِ زمین سے زندگی صرف ایک لمحے میں ختم ہو جائے۔

یہ راز کب حل ہوں گے۔ کوئی نہیں جانتا، علم بڑھ رہا ہے۔ ہر روز تازہ انکشافات

ہورہے ہیں اور ایک ایسا زمانہ آ کر رہے گا۔ جب قرآنِ عظیم کی تمام متشابہات محکمات میں بدل جائیں گی۔

جو آیات ہمیں اس وقت متشابہات معلوم ہوتی ہیں۔ وہ ہماری کم علمی کی وجہ سے راز بنی ہوئی ہیں۔ جس طرح ایک ادیب کے لیے ریاضی کے انتہائی فارمولے اور ایک ملا کے لیے موسیقی کا زیر و بم متشابہات میں سے ہیں اور ایک ریاضی دان یا مغنی کے لیے وہ محکمات ہیں، اسی طرح قرآن عظیم کے بعض حقائق ہمارے لیے متشابہات ہیں۔ ورنہ دراصل وہ ایسے محکمات ہیں جنہیں علم کی نگہ رسا کسی نہ کسی وقت دیکھ ہی لے گی۔

كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ.

(دراصل قرآن کی آیات وہ حقائقِ ثانیہ (محکمات) ہیں جن کی تفصیل ربِ حکمت و دانش کے پاس موجود ہے)

ام الکتاب کی تشریح:

بطلیموس کا نظام فلکی غلط تھا یا صحیح ہم نہیں جانتے۔ البتہ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان تمام نظاموں کی ماں تھا، جو بعد میں مرتب ہوئے۔ آج ڈارون کے نظریہ ارتقاء میں کافی ردوبدل کیا جا چکا ہے لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ اس کا نظریہ دیگر تمام نظریاتِ ارتقاء کا باوا آدم تھا۔ اگر ڈارون یہ اچھوتا خیال پیش نہ کرتا تو شاید دیگر محققین کی توجہ ابھی تک اس مسئلے کی طرف مبذول ہی نہ ہوتی۔ حکیم ہپری ہس نظریہ سال و ماہ، دیمقراطیس نظریہ اجزائے لاتجزیٰ اور ہرکلائیس نظریہ گردشِ ارض کا مفسر اول تھا اور ان کے نظریات ان اصناف علوم میں امہات المسائل تھے۔

علمی دنیا سے ذرا اخلاقی دنیا میں آیئے اور اردگرد کے لوگوں سے پوچھئے کہ کیا واقعی جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے اقوام تباہ ہو جاتی ہیں؟ ہر شخص یہی جواب دے گا کہ اجی حضرت! عقل کے ناخن لیجئے۔ بھلا حرام اور جھوٹ کا قومی بقا سے کیا تعلق؟ انہیں کون سمجھائے کہ آدم سے لے کر اب تک دنیا کی ہزار ہا اقوام صرف انہیں دو رزائل کی وجہ سے تباہ ہوئی ہیں۔ یہ دو رزائل امہات القبائح ہیں اور اپنے جلو میں بیسیوں دیگر خبائث لاتی ہیں۔ یا یہ تصور کہ ایمان و عمل

سے دنیا کی سلطنت حاصل ہوتی ہے نہایت انوکھا تصور ہے۔ ان تمام نظریات وتصورات کو اللہ نے قرآن میں تفصیلاً پیش فرمایا ہے اور یہ نظریات نہایت بنیادی، قومی بقا کے لیے لازمی اور بالفاظِ قرآن ام الکتاب ہیں۔

قرآن حکیم میں مندرجہ ذیل نظریاتِ جدیدہ کے متعلق مفصل یا مجمل اشارات ملتے ہیں:

۱۔ نظریۂ ارتقاء
۲۔ نظریۂ ذرات (الیکٹرون، ایٹم، مالیکیول)
۳۔ نظریۂ گردشِ ارض
۴۔ نظریۂ گردشِ آفتاب
۵۔ نظریۂ ازواج نباتات
۶۔ نظریۂ بقائے اصلح
۷۔ نظریۂ ایثر
۸۔ نظریۂ حیات بعد الموت
۹۔ نظریۂ موت در حیات (یعنی خواب)
۱۰۔ نظریۂ مسرت والم

اور بیسیوں دیگر نظریے۔ اگر آج ہرشل نے سورج کو متحرک ثابت کیا ہے تو اس نے کوئی خاص تیر نہیں چلایا۔ اس لیے کہ اس نظریہ کا ذکر قرآن میں موجود تھا۔ یہی حال دیگر محققین کا ہے۔ الہامی صحائف یا قرآن کے ذکر کردہ مسائل وتصورات ہی وہ بنیادیں تھیں جن پر بعد میں علم نے سربفلک تعمیریں اٹھائیں۔

تاویل:

قرآن میں ایمانیات وما بعد الطبیعیات کے متعلق بعض ایسی آیات ملتی ہیں جن کی مختلف تاویلیں ہو سکتی ہیں اور اگر ماول کی نیت بخیر نہ ہو تو بڑے بڑے فتنے اٹھائے جا سکتے ہیں۔

''خاتم النبیین'' کی غلط تاویل نے آج تک نوے جھوٹے نبی پیدا کیے ہیں۔..... آیۃ لِّاُولِی الْاَلْبَاب ..... کی غیر قرآنی تفسیر سے معتزلوں نے جنم لیا۔ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا سے مرجۂ ____ وَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی سے معلومیہ ____ وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ سے جبریہ ____ وَ مَنْ شَاءَ فَلْیُؤْمِنْ کی غلط تاویل سے قدریہ پیدا ہوئے اور ان فرقوں نے ہماری ملی بنیان مرصوص میں کتنے بڑے بڑے شگاف ڈالے۔ مورخ سے پوچھیے۔

ماحصل:

سطورِ بالا کا ماحصل یہ ہوا:

۱۔ کہ ارتقائے علم کے ساتھ متشابہات محکمات میں تبدیل ہو رہے ہیں۔

۲۔ کہ قرآن کے بیان کردہ حقائق وہ بنیادیں (ام الکتاب) ہیں جن پر علم نے سر بفلک محل اٹھائے۔

۳۔ متشابہات میں غلط تاویل کی بھی گنجائش ہوتی ہے اور اس سے بڑے بڑے فتنے اٹھائے جاسکتے ہیں۔

ان تفاصیل کے بعد آیۂ ذیل ملاحظہ فرمایئے:

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ . وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ.

(اللہ نے تمہیں ایک ایسی کتاب دی جس کی بعض آیات محکم ہیں اور وہ ام الکتاب ہیں۔ کچھ متشابہات بھی ہیں جن کی غلط تاویل سے بدنیت فتنے اٹھاتے ہیں۔ ان متشابہات کی صحیح تفسیر یا تو اللہ جانتا ہے اور یا وہ لوگ (جانیں گے یعلم مضارع ہے اور حال و مستقبل دونوں کے لیے استعمال ہوسکتا ہے۔ برق) جو عظیم علم (راسخون فی العلم) کے مالک ہیں۔ یہ لوگ حقائق پر یقین رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سچائیوں کا سرچشمہ خدا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ محکمات ہوں یا

متشابہات ان سے فائدہ صرف اہل دانش ہی اٹھا سکتے ہیں)

(۴)

اختلاف لیل ونہار:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ ..... وَتَصْرِیْفِ الرِّیَاحِ .... لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝
(بقرۃ۔ ۱۶۴)

زمین وآسمان کی تخلیق، لیل ونہار کے اختلاف اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں عقل مندوں کے لیے اسباق موجود ہیں۔

اختلاف لیل ونہار بہت بڑی رحمت ہے۔ سورج کے قرب و بعد سے ایک ہی وقت میں کہیں سردی، کہیں گرمی، کہیں بہار اور کہیں برسات ہوتی ہے۔ اگر آپ گرمیوں میں افریقہ کی گرمی سے گھبرا اٹھیں تو یورپ کے کسی حصے میں چلے جائیں اور اگر سردیوں میں روس کی برف ستائے تو ہندوستان یا آسٹریلیا میں آجایئے۔

اگر دنیا میں ہمیشہ ایک جیسا موسم رہتا تو تنوع پسند انسان یک رنگی سے گھبرا اٹھتا اور اگر سورج ایک مقام پر ٹھہر جاتا تو بعض ممالک شدت سرما اور بعض دیگر شدت گرما سے ہلاک ہو جاتے۔

وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ. (مزمل۔ ۲۰)

اللہ نے شب وروز کی آمد ورفت ایک خاص انداز سے مقرر کر رکھی ہے۔

سیب سردیوں میں اور خربوزہ گرمیوں میں پکتا ہے۔ اگر دنیا میں ہمیشہ سردی رہتی تو انسان تمام گرمائی غذاؤں اور میووں سے محروم رہ جاتے۔ حرکتِ آفتاب کی وجہ سے تقریباً ہر مقام پر گرمی و سردی کی برابر برابر تقسیم ہوتی رہتی ہے، اس لیے ہر جگہ ہر قسم کے میوے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ . (رحمٰن۔ ۵) سورج اور چاند ایک حساب سے چلتے ہیں۔

آفتاب غروب نہیں ہوتا بلکہ ایک حصہ ارضی سے مخفی ہو کر ایک اور حصے پر طلوع ہو جاتا ہے۔ اس لیے دنیا کے کسی نہ کسی حصے پر ہر وقت صبح کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ مدارس کی صبح چند

دیطول کے بعد دہلی، پھر پشاور، پھر ایران، پھر عرب، پھر افریقہ اور پھر اوقیانوس کو عبور کر کے امریکہ جا پہنچتی ہے۔ جب مدارس میں شام کے ۲۲۔۵ ہوں تو اس وقت میکسیکو میں صبح کے ۲۰۔۵ لندن میں دوپہر، سنگھائی میں شام کے ۶۔۷ اور مصر میں ۴۔۲ (بعد از دوپہر) کا وقت ہوتا ہے۔ آسٹریلیا میں لوگ محوِ خواب اور اہل برلن دوپہر کے کھانے کی تیاریاں کر رہے ہوتے ہیں۔ جب جزائر کالیفورنیا میں سورج ڈوب رہا ہو تو مصر میں نکل رہا ہوتا ہے۔ ایک گھنٹہ پہلے خلیج فارس، دو گھنٹے پہلے افغانستان، تین گھنٹے پہلے جنوبی بحر ہند، چار گھنٹے پہلے سرحد چین، پانچ گھنٹے پہلے وسطِ چین، چھ گھنٹے پہلے دریائے زرد، سات گھنٹے پہلے جاپان، آٹھ گھنٹے پہلے آسٹریلیا، نو گھنٹے پہلے لیڈونیا، دس گھنٹے پہلے جزائر ملاحین، گیارہ گھنٹے پہلے جزائر سند دلیش اور بارہ گھنٹے پہلے جزائر کالیفورنیا میں طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔

یہ موسموں کا تغیر و تبدل اور اختلاف لیل و نہار اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بس میں ہے کہ وہ ۲۱ جون کے گرم دن کو دو سال لمبا کر دے۔ یا ۲۱ دسمبر کی ٹھنڈی رات کو چھ سال کے برابر کر دے۔ جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ جون کا لمبا دن کائنات میں آگ لگا دے، اور ۲۱ دسمبر کی سرد رات حیوانات و نباتات کی عروق میں خونِ حیات کو منجمد کر دے گی اور ہر دو حالتوں میں زندگی کے آثار کلیتاً مٹ جائیں گے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (قصص ۔ ۷۱۔ ۷۳)	غور کرو کہ اگر رات کو قیامت تک لمبا کر دیں تو اللہ کے سوا اور کون تمہیں روشنی کی دولت عطا کر سکے گا۔ کیا تم سنتے نہیں؟ نیز سوچو اگر ہم دن کا دامن قیامت کے دامن سے باندھ دیں تو کوئی ہے جو تمہاری راحت کے لیے رات کا انتظام کر سکے؟ کیا تم دیکھتے نہیں؟ رات اور دن اللہ کی رحمت ہیں تا کہ تم رات کو آرام کرو۔ دن کے وقت اس کا فضل (علم و دولت) ڈھونڈو اور اللہ کا شکر کرو۔

(۵)

ہواؤں کا ہیر پھیر:

ہواؤں کا سمت بدل بدل کر چلنا بھی الٰہی رحمت ہے، تا کہ بادلوں کے قافلے دنیا کے ہر حصے تک پہنچائے جاسکیں۔ ہوا بادلوں کی سواری ہے اور اگر کسی وقت ہوائیں تھم جائیں تو بجلی بادلوں کو ہانکتی ہے۔

بعض اوقات ہواؤں کی رفتار ایک سو بیس میل فی گھنٹہ تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ آندھیاں درختوں سے پھل اور جوہڑوں سے مینڈک اڑا کر بعض دیگر خطوں پر جا برساتی ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ آسمان سے پھل اور مینڈک برس رہے ہیں۔

بادل زمین سے سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہوتا ہے۔ اگر زیادہ قریب ہوتا تو نمی کی وجہ سے ہماری ہر چیز بھیگی رہتی۔ اور اگر بہت دور ہوتا تو جب اولے برستے تو ہماری چھتوں کو چیر کر نکل جاتے۔ دروازوں اور کھڑکیوں کے پرخچے اڑ جاتے اور مویشی ہلاک ہو جاتے۔ (قانونِ افتاد کی تفصیل سورۂ فیل کے ضمن میں آئے گی)

علاوہ ازیں اگر بہت دوری کی وجہ سے بادل ہمیں نظر نہ آتے تو بارش، برف اور اولے ہمیں اچانک آ لیتے۔ زمیندار کی شش ماہہ محنت کھلیان ہی پر برباد ہو جاتی اور انسانی دنیا کو بہت نقصان پہنچتا۔

اگر تمام حصصِ عالم پر مساوی بارش ہوتی تو ہر جگہ جنگل اگ آتے۔ سانپ اور دیگر زہریلے جانوروں کی تعداد بڑھ جاتی۔ رات کو مینڈک کے شور سے لحہ بھر چین نصیب نہ ہوتا، بہت زیادہ سرسبزے کی وجہ سے انسان مناظرِ کائنات سے متنفر ہو جاتا۔ کاشت کی زمین ریگستان بن جاتی۔ ہر طرف ندی نالوں کی وجہ سے وسائل آمد و رفت مخدوش ہو جاتے۔ دنوں کا سفر مہینوں میں کٹتا اور یہ زمین نمونۂ جہنم بن جاتی۔ دراصل یہ ہواؤں کی گردش اور بادلوں کا ہرجائی پن اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے۔

... تَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (بقرۃ۔ ۱۶۴)

ہواؤں کے رخ بدلنے اور زمین و آسمان کے درمیان معلق بادلوں میں اربابِ دانش کے لیے کچھ اسباق موجود ہیں۔

(۲)

موت وحیات:

جانوروں کے مختلف اقسام ہیں۔ بعض رینگتے ہیں، بعض دوڑتے ہیں اور بعض اڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ انسان کا درجہ آجاتا ہے۔ پھر انسانوں میں ارزل الناس سے اشرف الرسل تک ہزار ہا مدارج ہیں۔ بہ دیگر الفاظ حیات ارتقاء کے ہزار ہا مدارج طے کرچکی ہے تو کیا ایک اور درجہ حیات، یعنی آخرت کی تخلیق اللہ کے لیے مشکل ہے؟ ہرگز نہیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ (الواقعہ. ۶۲) تم حیات کے ابتدائی مدارج دیکھ چکے ہو کیا اب بھی اللہ کی نیرنگی و تخلیق پر تمہیں یقین نہیں آتا؟

جس طرح بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپا افضل ہے اسی طرح موت، حیات کا ایک بلند درجہ ہے، جہاں زندگی ارتقاء کی انتہائی منازل پر جا پہنچے گی۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ط (بنی اسرائیل. ۲۱) غور کرو کہ ہم نے زندگی کے کس قدر مدارج بنا دیئے ہیں جو ایک دوسرے سے افضل ہیں پس اسی طرح آخرت بھی زندگی کا ایک بلند اور بہتر درجہ ہے۔

آخرت کیا ہے؟ وہاں زندگی کس رنگ میں جلوہ گر ہوگی اور حیات کون سا پیرہن بدلے گی؟ کوئی نہیں جانتا۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ○ عَلٰى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ. (الواقعہ. ۶۰. ۶۱) ہم نے تم پر موت مسلط کر دی اور ہمیں تمہاری صورتوں کے بدلنے اور تمہیں ایک مجہول الکیفیت دنیا میں پیدا کرنے سے کون روک سکتا ہے؟

موت کے بعد کیا ہوگا؟ کسی کو علم نہیں۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ایک انسان جس پہلوئے حیات کی تعمیر میں تمام عمر کوشاں رہا ہو، موت کے بعد اس کی تکمیل ہو جائے گی۔ مثلاً: ایک شخص عمر بھر تعمیر انسانیت میں مصروف رہا ہو تو مرنے کے بعد اس کی مساعی جامۂ تکمیل پہن لیں گی اور اگر کوئی فرد تخریب انسانیت میں سرگرم رہا ہو تو موت کے بعد اس تخریب کی تکمیل ہو جائے گی۔

واللہ اعلم!

کیا زندگی ایک خواب ہے؟

کبھی کبھی مجھے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ زندگی، زندگی نہیں بلکہ خواب زندگی ہے۔ ہماری اصلی زندگی ولادت سے پہلے کہیں سرگرم عمل تھی اور مرنے کے بعد پھر مصروف عمل ہو جائے گی جس طرح کہ ایک مسافر کو جاتے جاتے نیند آ جاتی ہے اور نیند میں وہ ایک سہانا خواب دیکھنا شروع کر دیتا ہے، اسی طرح چلتے چلتے ہمیں نیند نے آلیا اور ایک خواب شروع ہو گیا۔ اسی خواب میں بیدار ہوئے، تعلیم پائی، ملازم ہوئے، پنشن ملی، بڑھاپا آیا، مر گئے اور معاً آنکھ کھل گئی تو معلوم ہوا کہ

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

ہم ہر رات خواب میں دیکھتے ہیں کہ کھا پی رہے ہیں، کھیل رہے ہیں۔ امتحان دے رہے ہیں، پاس ہو کر خوش ہو رہے ہیں، تکالیف پر رو رہے ہیں اور اگر کوئی سانپ پیچھا کر رہا ہو تو شور مچا رہے ہیں لیکن جب صبح کو آنکھ کھلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ رات کا سارا افسانہ محض خیال و خواب تھا۔ اگر بالفرض ہم چالیس برس تک نہ جاگیں تو اسی خوابی زندگی ہی کو اصلی زندگی سمجھتے رہیں گے۔ یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا زندگی حقیقت ہے یا خواب؟ غالب کہتا ہے:

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ نِیَامٌ وَاِذَا مَاتُوْا اِنْتَبِهُوْا۔ لوگ سو رہے ہیں اور مرتے ہی جاگ اٹھیں گے۔

ہر شب خواب کا ڈرامہ اس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے کہ اللہ کے ہاں اجسام کی کمی نہیں۔ ہمارا یہ لحمی و شحمی جسم چار پائی پر پڑا رہتا ہے اور ہماری روح ایک خوابی جسم کے محمل میں بیٹھ کر سارے جہان کا چکر کاٹتی پھرتی ہے۔ وہ خوابی جسم بھی لذت والم کی تمام کیفیات سے اسی طرح متلذذ و متالم ہوتا ہے جس طرح یہ جسم۔ تو کیا ممکن نہیں کہ ہماری روح مرنے کے بعد فوراً اسی طرح کے ایک خوابی جسم میں داخل ہو جائے؟ اور ہمارے اعزہ واحباب خوابی جسموں میں ہمارے ساتھ اسی طرح موجود ہوں جس طرح ہر شب خواب میں یہاں ساتھ ہوتے ہیں۔ نیند کیا ہے؟ موت و حشر کا ایک ہلکا سا تجربہ۔ اسی لیے تو ارشاد ہوتا ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا. اللہ موت کے وقت انسانوں کی روحیں پوری طرح قبض کر لیتا ہے اور زندوں کو ہر شب نیند (زمر۔ ۴۲) میں موت کا نقشہ دکھاتا ہے۔

اس مضمون پر کسی صاحب دل کا شعر ملاحظہ ہو:

جینے تک ہیں ہوش کے جلوے آگے ہوش کی مستی ہے۔
موت سے ڈرنا کیا معنی، جب موت بھی جزو ہستی ہے

ایک اور بزرگ کا تخیل دیکھئے:

زندگی ایک دم کا وقفہ ہے یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ دوامِ حیات پر چند انوکھے دلائل دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

۱۔ جب ہر شام کے بعد صبح آتی ہے تو کیا شامِ موت کی کوئی صبح نہیں؟

۲۔ دانہ زمین میں گرتا ہے تو درخت بن کر نکلتا ہے، تو کیا انسان پیوندِ زمین ہونے کے بعد کچھ بھی نہیں بنے گا۔

۳۔ نیلگوں آسمان کے یہ شرارے لاکھوں صدیوں سے دمک رہے ہیں انسان بزمِ کائنات میں آفتاب کی طرح ہے، تو پھر

آفتاب اپنا ہے کمتران ستاروں سے بھی کیا؟

۴۔ پرندہ اڑنے سے پہلے پر سمیٹتا ہے۔ موت پروں کا سمیٹنا ہے تو کیا اس کے بعد پرواز نہیں ہوگی؟

۵۔ غنچے کی موت پھول کے لیے پیام شگفتگی ہے تو کیا انسان کی موت اس کی روح کے لیے پیام بالیدگی نہیں؟

۶۔ تم ساحلِ دریا پر محوِ تماشا ہو، مشرق کی طرف سے ایک جہاز آتا ہے اور مغرب کی طرف دو نیلگوں پانی کی وسعتوں میں اوجھل ہو جاتا ہے۔ بس یہی حال انسان کا ہے موت اسے آنکھوں سے چھپا دیتی ہے لیکن مٹا نہیں سکتی۔

۷۔ وہ دیکھو دامنِ کوہ سے ایک چشمہ نیچے گر رہا ہے۔ مقام افتاد کے پاس قطروں کی ایک

دنیا آباد ہو وہی ہے اور یہی قطرے بہہ کر پھر بڑی ندی میں مل رہے ہیں۔ بس اسی آبشار کی طرح زندگی ازلی بلندیوں سے نیچے گری۔ قطروں کی طرح ہزاروں انواع حیات منصہ شہود پر آ گئیں جو کچھ دیر بعد زندگی کی بڑی ندی میں مل گئیں۔ اس ملاپ کا اصطلاحی نام موت ہے لیکن دراصل یہ حقیقی زندگی ہے۔

۸۔ ایک موٹر ساز کی یہ پوری کوشش ہوتی ہے کہ اس کی موٹر مضبوط و پائیدار ہو۔ اللہ انسان ساز ہے تو کیا اس صناع کی یہ کوشش نہ ہوگی کہ اس کی مصنوعات بھی پائیدار ہوں۔

بارش و موت:

جب بارش برستی ہے تو زمین کے قوٰے نمو بیدار ہو کر کائنات کو نگارستان بنا دیتے ہیں۔ موت زمین اجسام پر ایک طرح کی بارش ہے جس سے زندگی زیادہ حسین، زیادہ جاذب نظر اور زیادہ دلکش بن جاتی ہے۔

جب بعض اقوام کاہل، عیاش، زر پرست اور حریص بن جاتی ہیں تو موت رحمت بن کر ان پر برستی ہے اور وہ اقوام زندہ ہو جاتی ہیں۔ بیمار ٹرکی کو اتحادیوں کی تلوار نے شفا دی بوڑھے روس کو جرمنی کی آتش باری نے جوان بنا دیا اور موجودہ مہیب جنگوں (۱۹۳۹ سے ۱۹۴۵ کی جنگ عظیم) کی تباہ کاریاں دنیا کو حسین تر بنا دیں گی۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ. (فاطر۔ ۹)	اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تاکہ وہ بادلوں کو ہانک کر تشنہ و مردہ بستیوں کی طرف لے جائیں تو جس طرح بارش سے مردہ زمینیں زندہ ہو جاتی ہیں اسی طرح موت بھی تم کو زندہ کر دے گی۔

موت کا ڈر:

موت سے تقریباً تمام لوگ ڈرتے ہیں بعض اس لیے کہ وہ فطرتاً بزدل ہیں اور وہ اندھیرے سے خواہ وہ رات کا ہو یا قبر کا، ڈرتے ہیں، کاش انہیں معلوم ہوتا کہ موت ظلمت نہیں، بلکہ ایک منور دنیا ہے۔ جہاں چاند کی ہلکی ہلکی کرنیں بہارستانوں میں کھیلتی ہیں مستیاں ناچتی ہیں اور کیفیتیں مچلتی ہیں۔

بعض اس لیے موت سے ڈرتے ہیں کہ کہیں جہنم میں نہ ڈال دیے جائیں۔ اس ڈر کا علاج یہ ہے کہ نیک بنیں اور بعض اس لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں کہ موجودہ جنگ کا انجام دیکھ لیں یا ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ سن لیں۔ اس خیال پر کئی طرح سے قابو پایا جا سکتا ہے: اول یہ کہ بالکل ممکن ہے کہ مرنے کے بعد بھی ہماری طرح اس دنیا کے حوادث سے باخبر رہے۔ چند ایک احادیث اس موضوع پر موجود ہیں۔ دوم جب مر چکے تو پھر ما را چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت۔ سوم ہماری پیدائش سے پہلے دنیا میں بڑے بڑے سیاسی انقلاب آئے اور ہم موجود نہ تھے۔ ہندوستان پر چندر گپت، بکرماجیت، اشوک اور اکبر جیسے شہنشاہوں نے سلطنت کی اور ہم موجود نہ تھے۔ اسی سرزمین میں رام چندر جی اور کرشن جی نے جنم لیا اور ہم موجود نہ تھے۔ کسی وقت محمود غزنوی یہاں سے طوفان بن کر گزرا تھا اور ہم موجود نہ تھے۔ اگر یہ تمام انقلابات ہماری غیر موجودگی میں ہوئے اور آج ہمیں کوئی افسوس نہیں تو پھر اس غم میں گھلنا کیا معنی کہ ہائے کل جواہر لال نہرو یا محمد علی جناح جمہوریت ہند کے صدر ہوں گے اور ہم یہاں موجود نہ ہوں گے۔

بعض لوگ اس لیے موت سے ڈرتے ہیں کہ وہ بچوں، عزیزوں اور دوستوں کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ موت جدائی نہیں ڈال سکتی، ہم ہر رات خواب میں رشتہ داروں اور دوستوں سے ملتے ہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ موت کے بعد بھی احباب و اقارب کے خوابی اجسام ہمارے ساتھ رہیں، اگر یہاں خواب میں ملاقات ہو سکتی ہے تو کیا وہاں یہ سلسلہ نہیں ہو سکتا؟

اور بعض اس لیے موت سے گھبراتے ہیں کہ ان کے بچے چھوٹے اور بے آسرا ہیں اور ان کا ذریعۂ معاش صرف والد کی کمائی ہے وہ ڈرتے ہیں کہ اگر موت واقع ہو گئی تو بچے تباہ ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کو یقین ہونا چاہیے کہ اللہ کا ہر عمل انسانی بہتری کے لیے ہوتا ہے۔ اگر اللہ یہ دیکھتے ہوئے کہ بچے بے آسرا ہیں، والد کو اٹھا لیتا ہے تو یقیناً اس میں بھی کوئی بہتری ہوگی جسے ہماری عقل ناقص نہیں سمجھ سکتی۔

علاوہ ازیں ہم خواب میں نئے ملک دیکھتے ہیں اور نئے نئے انسانوں سے ملتے ہیں، ان میں سے بعض کے ساتھ تعلقات محبت بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب صبح کو جاگتے ہیں تو ان تعلقات کا شائبہ تک موجود نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ یہ زندگی ایک خواب ہو اور جب ہم موت کے بعد

جا گیں تو اس عالم کے تعلقات کا خیال تک وہاں باقی نہ ہو۔

خواب میں انسان اپنے اصلی رشتہ داروں کو بھول جاتا ہے، ممکن ہے ہم زندگی کے حقیقی رشتہ داروں کو اس وقت بھولے ہوئے ہوں اور جب موت کے بعد جاگ اٹھیں تو پھر ان اقربا سے ملاقات ہو جائے جنہیں ہم ولادت کے وقت چھوڑ آئے تھے۔

بہر حال زندگی مابعد الموت کے حقیقی خدوخال سے ہم نا آشنا ہیں اور قرآن حکیم نے بھی جہاں حیاتِ شہداء کا ذکر کیا ہے وہاں اس دنیا کی کیفیت ہم سے پنہاں رکھنے کی کوشش کی ہے۔

بَلْ اَحْيَاءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ — اللہ کی راہ میں جان دینے والے زندہ رہتے ہیں لیکن تم اس زندگی کی کیفیت سے نا آشنا ہو۔ (بقرۃ۔ ۱۵۴)

بہر حال موت رحمت ہے:

اس لیے کہ:

ا۔ اس سے اقوام زندہ ہوتی ہیں۔

ب۔ گرفتار مصائب کو نجات مل جاتی ہے۔

ج۔ موت ایک نئی دنیا ہے اور ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے۔

د۔ موت اسرارِ حیات کو بے حجاب کر دے گی۔

ہ۔ موت ایک سواری ہے جو ہمیں اللہ کے جوار میں پہنچا دے گی۔

ثُمَّ رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ ۝ — موت کے بعد انسان اپنے مالک کے جوار میں جا پہنچیں گے کائنات کا حکمران وہی ہے اور وہ بہت بڑا احساب دان ہے۔ (انعام۔ ۶۲)

(۷)

اللہ حساب داں ہے:

صفحاتِ گزشتہ میں عرض ہو چکا ہے کہ کائنات کی ترکیب عناصر سے ہوئی۔ اس ترکیب کی حفاظت بہت بڑا معجزہ ہے۔ ہائیڈروجن اور آکسیجن سے پانی کی ترکیب اور پھر اس ترکیب کا تحفظ ایک نہایت دقت طلب فرض ہے جسے ایک قوت قاہرہ بطریق احسن سرانجام دے رہی ہے۔

اگر آج یہ قوتِ قاہرہ اپنی نگرانی اٹھا لے تو کائنات کا شیرازہ دفعتاً بکھر جائے۔ عناصر تحلیل ہو کر اپنے مراکز کی طرف بھاگ جائیں اور دنیا میں صرف دخان ہی دخان باقی رہ جائے۔ زندگی ترکیب عناصر اور موت تحلیل عناصر کا دوسرا نام ہے اور یہ ترکیب و تحلیل اللہ کی مشیت کے مطابق وقوع پذیر ہو رہی ہے۔

زندگی کیا ہے ، عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے ، انہی اجزاء کا پریشاں ہونا

(چکبست)

ان عناصر سے معین و موزوں تناسب کے ساتھ مختلف اشیاء کو پیدا کرنا ایک عالم گیر و تہ رس علم کے بغیر ناممکن ہے۔ کائنات کے مختلف مظاہر کا ظہور عناصر کی کس قدر دقیق، صحیح اور احسن آمیزش سے ہوا۔ اسے صرف علم الکیمیا کا ایک بہت بڑا ماہر سمجھ سکتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ تمام نباتات و حیوانات کی ترکیب آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن، نائٹروجن اور چند نمکوں سے ہوئی ہے۔ اجزاء صرف اتنے ہی ہیں لیکن اختلافات مقادیر سے جس قدر مرکبات تیار ہوئے ہیں، ان کا اندازہ صرف اس امر سے ہو سکتا ہے کہ آج تک نباتات کی تقریباً ۱۴ لاکھ اور حیوانات کی تین لاکھ انواع دریافت ہو چکی ہیں۔ ان چند عناصر سے اس رنگ برنگی دنیا کی تخلیق الٰہی خلق و صناعی کا حیرت انگیز معجزہ اور اس کی حساب دانی کا ایمان افروز ثبوت ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ط حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ o ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ ط أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ o (انعام. ۶۱. ۶۲)

کائنات پر اس کی مشیت قاہرہ کی حکمرانی ہے اور اس نے تم پر محافظ مقرر کر رکھے ہیں جو ترکیب عناصر کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ حفاظت بغیر کسی کوتاہی کے موت یعنی تحلیلِ عناصر تک جاری رہتی ہے اور اس کے بعد لوگ اللہ تک پہنچ جاتے ہیں کائنات پر اسی کی حکمرانی ہے اور وہ بہت بڑا احسابی ہے۔

(۸)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	قابل ستائش ہے وہ رب جس نے زمین و آسمان
وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ ؕ ثُمَّ	میں نور و ظلمت کا نظام قائم کیا لیکن کفار اللہ کے
الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ۝ هُوَ الَّذِیۡ	سوا دوسرے خداؤں کی پرستش میں مصروف
خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ	ہیں۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کر کے موت کا

(انعام. ۱. ۲) ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔

انسان تاریک مٹی سے بنا لیکن اللہ نے اس میں جا بجا نور کے مرکز قائم کر دیے ہیں۔ ہڈیوں میں فاسفورس، آنکھوں میں زجاج اور دماغ میں نورِ حواس بھر دیا ہے:

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ

انسان میں غضب و شہوت، اخلاقی ظلمتیں ہیں، اور عقل نور

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ

کوئلہ سراپا ظلمت اور قاتل حیات ہے لیکن اس کی وجہ سے اقوام زندہ ہو رہی ہیں۔ پٹرول اس کا پسینہ ہے جس سے قومیں طاقت حاصل کر رہی ہیں۔ یہ شہروں میں بجلی کی بہار کوئلے کی دم سے قائم ہے۔ غور فرمایئے کہ کوئلے میں نور و ظلمت کا امتزاج کس دقیق صناعی سے کیا گیا۔

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ

کائنات میں کئی طرح سے تنوع ہے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ (۱) ٹھوس اجسام مثلاً: لوہا پتھر وغیرہ (۲) مائع (۳) مائع سے لطیف یعنی دھواں (۴) دھوئیں سے لطیف یعنی گیس (۵) گیس سے لطیف یعنی نور (۶) نور سے زیادہ لطیف یعنی ایثر (۷) اور ایثر سے زیادہ لطیف یعنی روح، روح ایک نور ہے اور جسم کثیف۔ ہر دو کے اختلاط سے کائنات کی رونق قائم ہے۔

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ

علم ایک ایسی طاقت ہے جو ظلمت سے نور پیدا کر سکتی ہے۔ آج یورپ کے اربابِ علم فولاد، کوئلے اور ربڑ وغیرہ سے نورِ زندگی حاصل کر رہے ہیں۔ مسلمانوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔ اس لیے انہیں موت کی نیند سلا دیا گیا۔

ثُمَّ قَضٰىٓ اَجَلًا

انسان دورِ ناتوانی، عصر طفولیت، عہد شباب اور زمانہ کہولت سے گزر کر منزل عقل و حکمت یعنی پیری تک آ پہنچا۔ اسی طرح نسلِ انسانی وحشت و بربریت کے صدہا مدارج سے گزر کر علم و عرفان کی بلندیوں تک جا پہنچی۔ اندازہ فرمائیے کہ نسلِ انسانی کو تکمیل کے لیے ظلمت کے کن مدارج سے گزرنا پڑا۔ اگر ظلمت نہ ہوتی تو نور کی قطعاً کوئی قدر نہ ہوتی، اگر انسان دورِ ظلمت سے نہ گزرتا تو ہم اس کے کمالات علمی و عملی کی قدر نہ کر سکتے:

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ

ہم عرض کر چکے ہیں کہ زندگی ترکیب عناصر اور موت انتشار عناصر کا نام ہے۔

اسی لیے تو ارشاد ہے:

خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰىٓ اَجَلًا ط (انعام. ۲) — تمہاری ترکیب خاکی ذرات سے ہوئی جس کے انتشار کا وقت بھی مقرر ہو چکا ہے۔

حضرت مسیحؑ نے کیچڑ سے پرندہ بنایا تو تمام عالم انگشت بدنداں ہو گیا۔ اللہ ہر روز کیچڑ سے لاکھوں حیوانات و نباتات پیدا کر رہا ہے اور کسی کے جذبۂ حیرت میں کوئی جنبش پیدا نہیں ہوتی:

خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ

(۹)

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ. (حج. ۳۱) — مشرک اس انسان کی طرح ہے جو آسمان سے گرے اور اسے راہ میں پرندے اچک لیں یا آندھیاں اسے کسی دور دراز گوشہ زمین میں پھینک دیں۔

جو لوگ کاہلی و تن آسانی، خود غرضی و نفس پرستی کو شعارِ حیات (یا اپنا رب) بنا لیتے ہیں، انہیں باعمل جفاجو اور مشقت کش اقوام تختِ سلطنت سے اٹھا کر فرشِ زمین پر دے پٹخنی دیتی ہیں کہ ان کی حیاتِ نامراد کا ہر پہلو چکنا چور ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ ان واقعات سے بھری پڑی ہے۔

اس آیت میں طیر سے طیارے اور ریح سے گیس بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ آج ہر ضعیف

(مشرک) قوم کی موت ان ہی دو حربوں سے واقع ہو رہی ہے۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

(۱۰)

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّلَا غَرۡبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ

اللہ زمین و آسمان کا نور ہے، یہ نور اس چراغ داں کی طرح ہے جس میں چراغ رکھا ہو اور چراغ ایک ایسے شیشے میں بند ہو جو روشن ستارے کی طرح زیتون کے مبارک درخت سے چمک رہا ہو۔ یہ درخت نہ تو شرقی ہے اور نہ غربی۔ اس کا تیل دیا سلائی دکھائے بغیر جلنے کے لیے بے تاب ہے۔ اللہ نور در نور ہے۔

(نور. ۳۵)

اللہ ایک نور ہے جو ظہور کے لیے بے تاب ہے اور یہ کائنات بھی سراپا نور ہے تو گویا اللہ ایک نور ہے نور کے اوپر۔ (نور علیٰ نور)

اس زمین کی تخلیق آفتاب سے ہوئی اور آفتاب کی کہکشاں سے۔ نور کی اولاد بھی نور ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ ذرہ صحرا سے عرش کے تارے تک ہر چیز نوری ہے۔ کوئی بظاہر سیاہ ہے لیکن نور کی ایک دنیا دامن میں لیے بیٹھا ہے۔ پتھر کو پتھر سے ٹکراؤ تو آگ پیدا ہوگی۔ پٹرول اور تیل نور سے چھلک رہے ہیں۔ ساون کی کالی گھٹاؤں میں بجلیاں رقصاں ہیں۔ باغوں اور کھیتوں میں ازھار و اثمار کی دہکتی ہوئی دنیائیں یوں معلوم ہوتی ہیں گویا باغ دراغ میں آگ لگی ہوئی ہے۔ جو گندر نگر کے آبشار سے نور و ضیا کے وہ فوارے چھوٹ رہے ہیں کہ تقریباً سارا پنجاب قمقمہ زار بنا ہوا ہے۔ کیڑا ریشم جیسی حسین چیز تیار کر رہا ہے۔ پتھر مورتی بن کر اور لوہا تلوار میں تبدیل ہو کر آنکھوں کو خیرہ بنا رہا ہے۔

کائنات کا ہر منظر ایک مکمل انوارستان ہے کہیں نور عریاں ہے مثلاً: کرم شب تاب و مہتاب میں اور کہیں زیر حجاب۔ مثلاً: لوہے، کوئلے، تیل، لکڑی اور پانی میں۔ پانی کے اجزائے ترکیبی دو قابل اشتعال گیسیں ہیں۔ تمام عالم کی ترکیب برق پاروں سے ہوئی اور یہ برقیے کہیں

ذرات کہیں ستارے، کہیں پھول اور کہیں پھل بن کر جلوہ گر ہیں۔ الغرض! کائنات کی رگ رگ میں امواج نور رقصاں ہیں جو جلوہ وظہور کے لیے بے تاب ہیں۔ سچ ہے۔ یَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ط (نور۔ ۳۵)

(۱۱)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ج وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ط (نور۔ ۴۳)

میرے محترم دوست پیر غلام وارث پروفیسر طبیعیات (الکیمیا) گورنمنٹ کالج ہوشیار پور (ولادت ۱۹۰۰ء) نے اس آیت کی مندرجہ ذیل تفسیر کی ہے جو رسالہ ''ترجمان القرآن'' میں شائع ہو چکی ہے۔ یہاں قدرے لفظی و معنوی تغیر کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔

(۱) يُزْجِیْ سَحَابًا: زجیٰ کے معنی ہیں آہستہ آہستہ ہانکنا، برچھی سے ہانکنا، سیر ہونا یعنی اللہ بادلوں کو پانی سے سیر کر کے آہستہ آہستہ ہانکتا ہے۔ برچھی سے مراد بجلی بھی ہو سکتی ہے۔

(۲) يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ: الفت باہمی کشش کو کہتے ہیں۔ اگر پانی کے ایک قطرے میں مثبت بجلی پیدا کی جائے تو قریب والے ذرے میں منفی اور پھر اگلے ذرے میں مثبت بجلی پیدا ہو جائے گی۔ یہ متضاد بجلیوں والے قطرے ایک دوسرے کی طرف کھچیں گے اور جوں جوں ایک دوسرے کے قریب آئیں گے تو قانون مربعات معکوسہ (INVERSE SQUARES) کے ماتحت ان کا جذب باہمی بڑھتا جائے گا، اور اسی کا نام تالیف ہے بینہ کی ضمیر مفرد بتلاتی ہے کہ یہ کشش بادل کے ہر قطرے میں ہوتی ہے۔

(۳) رُكَامًا: انبار لگانا۔ پیوست کر کے مختصر کر دینا، کثیف ہونا، یہ لفظ ان تمام کیفیات کو بتلا رہا ہے جو آبی سالمات میں مبرق ہونے کے بعد پیدا ہو جاتی ہیں۔ بادل کا ہر قطرہ بے شمار ذرات آبی سے مرکب ہوتا ہے۔ مہندس جانتے ہیں کہ جب چھوٹے چھوٹے کروں سے ایک بڑا کرہ تیار کیا جائے تو اس کی بیرونی سطح چھوٹے کروں کی سطح سے کم ہوتی ہے اور اس طرح برقی چارج کی شدت (DENSITY) بڑھ جاتی ہے۔

(۴) وَدَقَ: رِس رِس کر نکلنا، پلپلا ہونا، گرم ہونا، ظاہر ہے کہ بوندیں رِس رِس کر نکلتی ہیں۔ ان کا پیٹ پانی سے پر ہونے کی وجہ سے پلپلا ہوتا ہے اور بجلی انہیں گرمایا برقا دیتی ہے۔

(۵) مِنْ خِلٰلِهٖ: خلل کے معنی ہیں، درمیان، ترشی، سائنس دان جانتے ہیں کہ اگر بجلی کی رو کسی موصل (CONDUCTOR) سے گزاری جائے تو بجلی اس کی سطح پر آجاتی ہے پانی غیر موصل (NON-CONDUCTOR) ہے لیکن اس تیزابی مادے کی وجہ سے جو ہوا میں سے قطرات کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے، موصل بن جاتا ہے اور اس لیے بجلی کی وجہ سے ان قطرات کی سطح مبرق ہو جاتی ہے۔ یہ تیزابی مواد زمین کے لیے کھاد کا کام دیتا ہے اور بجلی (جو ان قطرات میں موجود ہوتی ہے) مردہ زمین کی نس نس میں بجلی بھر دیتی ہے۔ اگر خــلله سے اس تیزابی مواد کی طرف اشارہ مقصود نہ ہوتا تو شاید بینه یا جوفه کا لفظ استعمال ہوتا۔

(۶) يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ. (نور۔۴۳)

مفسرین اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

''اور اللہ آسمان سے یعنی پہاڑوں سے بارش اتارتا ہے۔''

اس تفسیر پر کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں:

اول: ''آسمان سے یعنی پہاڑوں سے'' اس ''یعنی'' کے تکلف کی کیا ضرورت تھی، اللہ نے سیدھی طرح کیوں نہ کہہ دیا کہ آسمان سے یا پہاڑوں سے بارش اتارتا ہے۔ دوم: جب تمام قرآن میں بارش آسمان سے اتاری گئی ہے تو پھر اس آیت میں ''یعنی پہاڑ سے'' کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ سوم: ینزل: فعل متعدی ہے جس کے مفعول کا ذکر ضرور ہونا چاہیے اور اس آیت میں کوئی مفعول نظر نہیں آتا کہ خدا نے کیا چیز آسمان سے اتاری۔ چہارم: مفسرین یہاں ''بارش'' (من مـــاء) کا لفظ محذوف مانتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کو کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ ایک فعل متعدی کا مفعول تو حذف کر دے اور ''من جبال'' کے زائد الفاظ خواہ مخواہ بڑھا دے؟

اور حضرت ابن عباسؓ نے تو اور کمال کر دیا کہ آسمان میں پہاڑوں کا وجود تسلیم کر کے فرمایا کہ بادل ہمیشہ آسمانی پہاڑوں پر تیار ہو کر زمین پر برستے ہیں اور اس لیے آیت کے معنی ہوں گے۔ ''اللہ آسمانی پہاڑوں سے بارش برساتا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت آج تک ایک معما تھی۔ اب سائنس کے انکشافات نے اسے واضح کر دیا ہے۔ جبال جمع ہے جبل کی اور جبل کے معنی ہیں مٹی کو پانی سے ملانا۔ ماہرین باراں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ بوندوں کی تکوین خاکی ذرات کے بغیر ناممکن ہے۔ ہر قطرۂ آبی ذرات خاکی کے اردگرد تیار ہوتا ہے، تو آیت کے معنی یہ ہوں گے:

''اور اللہ آسمانی بلندیوں سے ایسے قطرے اتارتا ہے جس میں خاکی ذرات ملے ہوتے نہیں۔''

(۷) بجلی کی چمک اس قدر تیز ہوتی ہے کہ آنکھ کے اس ذکی الحس پردے کو جہاں محسوسات کی تصاویر بنتی ہیں، بے حس کر دیتی ہے، وہ اس طرح کہ بجلی کی تیز چمک سے اس پردے کی شریانوں میں تمام آنکھ کا خون جمع ہو جاتا ہے اور اگر ہم آنکھ کو فوراً بند نہ کر لیں تو خون کے دباؤ سے آنکھیں پھٹ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ بجلی کی چمک کے بعد کچھ دیر تک ہم بصارت سے محروم ہو جاتے ہیں، دنیا تاریک ہو جاتی ہے اور جب خون پھیل کر دوبارہ اپنے مقام پر چلا جاتا ہے تو بینائی لوٹ آتی ہے۔

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ — قریب ہے کہ بجلی کی چمک انسان کو بینائی سے محروم کر دے۔

(نور۔ ۴۳)

ان تفاصیل کی روشنی میں آیت کا ترجمہ یہ ہے:

(کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ بادلوں کو ہانک کر ایک دوسرے کے قریب لاتا ہے۔ برقی رو کی بدولت قطرات ایک دوسرے سے پیوست ہو جاتے ہیں دکاھا پھر تیزاب آمیز بوندیں بادلوں سے نکلتی ہیں اور اللہ فضائی بلندیوں سے ایسے قطرات زمین پر برساتا ہے جو خاکی ذرات کے سہارے بنتے ہیں، خدائی مرضی کے مطابق بعض مقامات پر بارش برستی ہے اور بعض جگہ نہیں برستی۔ قریب ہے کہ بجلی کی روشنی آنکھوں کو بصارت سے محروم کر دے)

پانی کو ابالنے کے لیے سو درجۂ حرارت کی ضرورت ہوتی ہے اور صرف سو گرام پانی کو گیس میں تبدیل کرنے کے لیے ۶۳۶ درجۂ حرارت درکار ہے۔ اس کی نوازش دیکھو کہ ہر روز

سمندر کا کروڑوں ٹن پانی ہماری کوشش کے بغیر گیس میں تبدیل ہو رہا ہے۔ حساب لگانے سے معلوم ہوا کہ صرف سو مربع میل رقبے کو سیراب کرنے کے لیے جس قدر بخارات کی ضرورت ہوتی ہے، وہ پانچ لاکھ ٹن کوئلہ جلانے سے پیدا ہو سکتے ہیں اور تمام ہندوستان پر صرف دس منٹ تک بارش برسانے کے لیے نوے کھرب ٹن کوئلہ درکار ہوگا جس کی قیمت چار سو پچاس کھرب روپیہ بنتی ہے اور یہ رقم حکومت کی سالانہ آمدنی سے تیس ہزار گنا زیادہ ہے۔

بارش کے متعلق یہ تمام انکشافات گزشتہ پچاس برس میں ہوئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کو آج سے ۱۳۶۲ برس پہلے معلوم تھے۔ انصافاً کہو کہ قرآن کے الہامی ہونے پر اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟

از دمِ سیراب آں اُمی لقب   لالہ رست از ریگ صحرائے عرب

او دلے در پیکر آدم نہاد   او نقاب از چہرۂ فطرت کشاد

(اقبالؒ)

(۱۲)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ (نور۔ ۳۹۔ ۴۰)

گرم ریت پر نچلی ہوا ہلکی ہو جاتی ہے اور اوپر کی بھاری۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر روشنی کی شعاع دو مختلف وسائط (MEDIUM) سے گزرے تو وہ ٹیڑھی ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ایک لاٹھی کا کچھ حصہ پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ ٹیڑھی نظر آئے گی۔ یہی قانون سراب میں بھی عمل کرتا ہے کہ نگاہ کثیف و لطیف ہوا سے گزر کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے درخت کی چوٹی نیچے اور جڑ اوپر نظر آتی ہے جس سے وہاں پانی ہونے کا دھوکا لگ جاتا ہے۔

اسیران سراب کی طرح کفار (جاہ پرست، نفس پرست، غدار، حاسد، غماز، جھوٹے کاہل اور بداخلاق) کی نگہ بصیرت کج ہو جاتی ہے۔وہ کسی ایسے مقصد کو جوان کے دشمن وقومی ارتقا کے لیے تباہ کن ہو مفید سمجھ کر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہیں نہایت تلخ نتائج کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

صرف الہامی ضابطہ ہی وہ نور ہے جو انسانی آنکھوں کو کج بینی سے بچاتا ہے آج اس دور میں کہ آزاد طمع کی تاریکیاں ہر سو محیط ہیں، نفس پرستی و جاہ طلبی کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور آفتاب ہدایت حجابات گناہ میں مستور ہے۔کج بینی کا مرض اس قدر جہاں گیر ہو چکا ہے کہ الامان والحذر جسے دیکھو غلط انگاری کا پیکر، اپنی رائے کو تمام مسائل پر، خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی، عمرانی ہوں یا اقتصادی، آخری سمجھتا ہے ایک غلام قوم کئی طرح کی ظلمتوں میں گرفتار ہوتی ہے۔(۱) تاریکی افکار (۲) تاریکی ماحول (۳) مذہبی و سیاسی رہنماؤں کی غلط تعلیم کی تاریکی۔

ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط

اگر مہذب دنیا کی اقوام حاضرہ یہ چاہتی ہیں کہ وہ ظلم وسفا کی بہیمانہ ظلمتوں سے نکل کر ایک ایسے مستقبل میں داخل ہوں جہاں ماہتاب الہام کی ملیح کرنیں پیام سکون دے رہی ہوں اور جہاں آسمانی شہنائی کی مست آواز کیف وسرور کا عالم رچا رہی ہو تو اس کی راہ، خانہ ساز فسطائیت و مشروطیت نہیں بلکہ وہی عرشی نظام ہے جو خالق فطرت نے انسانی فطرت کو عطا کیا تھا۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

(ترجمہ آیت) کفار کے اعمال سراب بیابان کی طرح ہیں جسے پیاسا پانی سمجھ کر آگے بڑھتا ہے اور وہاں اللہ کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، اللہ اسے فوراً مکافات عمل میں مبتلا کر دیتا ہے، یہ اس لیے کہ اللہ حساب میں دیر نہیں لگاتا یا ان کے اعمال ایک مواج سمندر کی ظلمتوں کی طرح ہیں جہاں لہروں پر لہریں اٹھتی ہوں، سیاہ گھٹائیں محیط ہوں، ظلمت در ظلمت کا سماں بندھا ہوا ہو اور اپنا ہاتھ تک نظر نہ آتا ہو۔سچ ہے جو شخص الٰہی نور کی روشنی میں راہ گرائے منزل نہیں ہوتا وہ بھٹک جاتا ہے۔

(۱۳)

گو رات کے وقت ہمارا آفتاب غروب ہو جاتا ہے لیکن اس سے ہزاروں گنا بڑے اور

زیادہ روشن سورج فضا میں موجود ہوتے ہیں ان کروڑوں آفتابوں کی موجودگی میں سطح زمین پر ظلمت کا چھا جانا الٰہی صناعی کا بہت بڑا معجزہ ہے اگر ظلمت نہ ہوتی تو جہاں تمازت آفتاب سے کائنات میں آگ بھڑک اٹھتی، وہیں بیداری و بے خوابی سے دماغ پھٹ جاتا۔ بہ دیگر الفاظ رات اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

جس طرح انجن گاڑیوں کو کھینچتا ہے، اسی طرح سورج کے پیچھے پیچھے اندھیرا آرہا ہوتا ہے گویا سورج ظلمتوں کا بھی قائد ہے۔ ہر نبی کائنات میں آفتاب بن کر آتا ہے اس کے ہمراہ تجلیاں ہوتی ہیں اور جونہی وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو دنیائے روح پر اسی طرح تاریکیاں محیط ہو جاتی ہیں جس طرح غروب آفتاب کے بعد سطح ارضی پر۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ط وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ج ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا۔ (فرقان. ۴۵)

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے غروب آفتاب کے بعد زمین کا سایہ کس طرح پھیلا دیا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو رات کو دوامی بنا دے۔ سورج اس سائے (رات) کا قائد ہے۔

(۱۴)

دنیا میں پانی کئی شکلیں بدلتا ہے۔ کہیں منجمد ہے، کہیں مائع، کہیں گیس، کہیں پھلوں کا رس، کہیں تیل، کہیں دودھ، کہیں خون اور کہیں پٹرول ہے۔ جب ہم پانی پیتے ہیں تو وہ خون بن کر رگوں میں چلا جاتا ہے۔ وہاں سے غلاظتوں کو سمیٹ کو کچھ پھیپھڑوں اور کچھ گردوں کے راستے باہر نکال دیتا ہے۔ اسی طرح کوہستانی چشمے معادن کے ذخائر ہمراہ لے کر ہم تک پہنچتے ہیں اور ہماری بستیوں کی غلاظتیں سمیٹ کر سمندر میں چلے جاتے ہیں۔ بہ دیگر الفاظ ''تصریف آب'' تکوین و تخلیق کا ایک معجزہ ہے۔ یہ پٹرول، یہ خون، یہ دودھ، یہ بادل، یہ دریا اور یہ چشمے سب تصریفِ آب کے کرشمے ہیں۔ یہ شہروں میں بجلی کا طوفانِ روشنی افتادِ آب (آبشار) کا نتیجہ ہے۔ یہ انجنوں کی گرم رفتاری، سٹیم (بخاراتِ آبی) کی بدولت ہے۔ بہ دیگر الفاظ پانی کی دنیا قوت و ہیبت کی دنیا ہے جس کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ پانی کا قومی و انفرادی زندگی سے کتنا گہرا ربط ہے؟ اس کی ترکیب کتنا بڑا معجزہ ہے؟ اور اس کی تصریف سے سٹیم، پٹرول اور بجلی بنا کر اپنی طاقت

اور دنیا کے وسائل سہولت میں کس قدر اضافہ کیا جا سکتا ہے؟ ان مسائل پر غور کرنا مسلم کا فرض ہے اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ قرآن کی اصطلاح میں مسلم نہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۙ لِنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّ نُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ (فرقان. ۴۸ تا ۵۰)

اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت (بارش) کی بشارت بنا کر بھیجتا ہے، وہ آسمان سے آبِ مصفا برسا کر مردہ بستیوں کو زندہ کر دیتا ہے یہ پانی تمام ذی حیات کے لیے مدارِ حیات ہے۔ ہم پانی کو مختلف صورتوں میں بدلتے ہیں (تصریف آب) تا کہ لوگ فائدہ اٹھائیں لیکن کفار (کاہل، جاہل و غلط اندیش) ہماری نہیں سنتے۔

اور روح بسیط۔ پانی کا ایک قطرہ تک فنا نہیں ہو سکتا۔ دریا سے اٹھا تو بادل بن گیا۔ وہاں سے ریگستان میں ٹپکا تو دوبارہ فضا میں اڑ گیا باغ میں برسا تو رس بن کر پھل میں جا پہنچا۔ وہاں سے ہمارے پیٹ میں آیا اور یہاں یا تو جزوِ جسم بن کر باقی رہا یا گردوں وغیرہ کے راستے پھر باہر نکل گیا اور اگر سمندر میں ٹپکا تو گویا وطن میں پہنچ گیا۔ الغرض! قطرۂ آب کسی نہ کسی رنگ میں موجود رہتا ہے۔ اگر پانی باوجود مرکب ہونے کے زندہ رہتا ہے تو روح کو جو بسیط ہے، بدرجۂ اولیٰ باقی رہنا چاہیے جس طرح آفتابی شعاعیں پیاسے ریگستان میں ٹپکے ہوئے قطروں کو ڈھونڈ کر آسمانی بلندیوں کی طرف واپس لے جاتی ہیں اسی طرح زندگی کے یہ تمام قطرے جو اجسامِ انسانی کے خاک دانوں میں ٹپک پڑے ہیں لامکانی سعتوں میں دوبارہ پہنچ جائیں گے۔ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ۔

(۱۵)

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ (النبا ۱ تا ۶)

کیا یہ لوگ قیامت کے متعلق سوال کر رہے ہیں اور اس حقیقت کبریٰ کے متعلق ان میں اختلاف پایا جاتا ہے؟ انہیں عنقریب یقین حاصل ہو جائے گا اور یقیناً ہو گا کیا ہم نے زمین کو گہوارہ نہیں بنایا؟

ایک پرندہ انڈے دے کر بچوں کو آشیانے میں پالتا ہے، ان کے لیے غذا مہیا کرتا ہے ۔اپنے پروں کے نیچے تھپکا تھپکا کر سلاتا ہے اور جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو گھونسلے کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں بس یہی حال زمین کا ہے۔اس مہد میں ہم پلتے ہیں۔سورج ہمیں روشنی دیتا ہے۔ بادل، پانی، درخت، پھل اور معادن قوت بخشتے ہیں اور کچھ عرصے کے بعد ہم اس گھوارے کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں چلے جاتے ہیں۔

جس طرح کہ پرندے کی اصلی دنیا آشیانے سے باہر ہے اسی طرح ہماری اصلی زندگی کہیں اور ہے۔یہاں ہم صرف چند سوگوار گھڑیاں بسر کرنے کے لیے آتے ہیں اور بس:

زندگی ایک دم کا وقفہ ہے　　　یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

(۱۶)

اَلرَّحْمٰنُ o عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ o　　"الٰہی رحمت کی لاانتہائیاں دیکھو کہ اللہ نے عروج

(الرحمٰن. ۱. ۲)　وارتقا کا مکمل آئین (قرآن) ہمیں عطا فرمایا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ o　　(الرحمٰن. ۳)　انسانی تخلیق الٰہی صناعی کا بہت بڑا اعجاز ہے۔

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ o　　(الرحمٰن. ۴)　انسان کو پیدا کر کے اسے قوتِ گویائی عطا کی (تا کہ وہ صحیفۂ فطرت کی تشریح کر سکے)۔

آؤ! دیوانِ فطرت میں سے چند اشعار آپ کو سنائیں:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ o　　آفتاب و ماہتاب ایک معین دستور العمل کے

(الرحمٰن. ۵)　مطابق سرگرم پرواز ہیں۔

یہ موسموں کا تغیر وتبدل اور یہ اشجار واثمار کا تنوع شمس وقمر کی گردشوں کا نتیجہ ہے جن پر غور کرنا اور پھر کھول کر بیان کرنا انسان کے فرائض میں شامل ہے۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ o　　درخت اور پودے ایک آئین کے پابند ہیں۔

(الرحمٰن. ۶)

کیا یہ ممکن ہے کہ انگور میں سیب کا ذائقہ آجائے یا سنگترہ آم کی ہیئت بدل لے؟ یہ ممکن

نہیں کیونکہ تمام کائنات اپنے دستور العمل کو نباہنے میں پوری طرح سرگرم ہے اور اسی اطاعت کا نتیجہ ہے کہ ہر طرف اعتدال، باقاعدگی اور نظام پایا جاتا ہے۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ اللہ نے آسمان کو مرتفع کر کے کائنات میں عدل و توازن پیدا کر دیا۔ خبردار توازن کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ (الرحمٰن. ۷۔۸)

افراد اعتدال سے اور اقوام عدل سے دور ہٹ کر پٹ جاتی ہیں۔

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝ عدل و توازن کا پورا خیال رکھو اور ترازو کو ایک طرف جھکنے نہ دو۔ (الرحمٰن. ۹)

آج سطح زمین پر کوئی ایک قوم بھی ایسی نظر نہیں آتی جو ابنائے آدم کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے تیار ہو۔ ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ دنیا کی حریص قومیں ایک دوسرے پر آگ برسا رہی ہیں، بستیاں اجڑ رہی ہیں۔ صدیوں کی تہذیبیں مٹ رہی ہیں اقوام ہفتوں اور دنوں میں تباہ ہو رہی ہیں اور انسان کا خون پانی سے زیادہ ارزاں ہو رہا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ اقوام میں عدل نہیں رہا۔

عدل و انصاف سے اقوام اسی طرح زندہ ہوتی ہیں جس طرح بارش سے زمین۔ یہ زمین بظاہر روکھی پھیکی سی ہے لیکن جب اس پر بہار کے بادل برستے ہیں تو ہر سو لالہ زار کھل جاتے ہیں۔ اسی طرح جب انصاف کی گھٹائیں کسی قوم کی کھیتی پر برستی ہیں تو حدِ نگاہ تک چمن ہی چمن نظر آتے ہیں۔ المیزان کے ذکر کے بعد سرسبز چراگاہوں کا ذکر کچھ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝ زمین کو مخلوق کے لیے تیار کیا اور اس میں پھل اور درخت اگائے۔ (الرحمٰن. ۱۰۔ ۱۱)

خود انسان کیا چیز ہے؟ ایک قطرۂ آب یا دھوپ سے جلی ہوئی مٹی، اس نے اپنے جذبات میں اعتدال پیدا کیا تو اس کی حیاتِ انفرادی میں چار چاند لگ گئے۔ کائناتِ انسانی میں

توازن قائم کرنے کی کوشش کی تو اس کی حیاتِ ملی چمک اٹھی۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ اللہ نے انسان کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو تمازت (الرحمٰن۔ ۱۴) آفتاب سے ٹھیکری بن چکی تھی۔

آج حکمتِ مغرب نے اعلان کیا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں سمندر کے ساحل پر لاکھوں سال تک سورج چمکتا رہا۔ اسی چمک کا نتیجہ تھا کہ ساحل سے زندگی کا آغاز ہوا۔

فخار کے معنی ہیں ٹھیکری، مٹی، پانی اور آگ سے تیار ہوتی ہے بہ دیگر الفاظ اللہ نے فخار کا لفظ استعمال فرما کر نظریہ مغرب کی تصدیق کردی۔

جس طرح کہ زمین، پتھر، کوئلے اور درخت کے پیٹ میں آگ چھپی ہوئی ہوتی ہے، اسی طرح انسان میں بھی غصے اور شہوت کی آگ پنہاں ہے۔ وہی لوگ صاحب کمال کہلاتے ہیں جو اس آگ کو بھڑکنے نہیں دیتے بلکہ اس میں اعتدال پیدا کر لیتے ہیں اور جو لوگ اس آگ پر قابو نہیں پاسکتے وہ سراپا آگ بن جاتے ہیں اور ان کو شیطان یا جن کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ۝ اور اللہ نے جنوں کو آتش مخلوط سے پیدا کیا۔
(الرحمٰن۔ ۱۵)

حکمائے مغرب نے سالہا سال کی تحقیق و تلاش کے بعد یہ اعلان افروز کیا ہے کہ موتی میٹھے پانی میں اور مونگا کھاری پانی میں تیار ہوتا ہے۔ قرآن حکیم اس انکشاف پر یوں مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ ان دونوں پانیوں (میٹھے اور کھاری) سے موتی (الرحمٰن۔ ۲۲) اور مونگے نکلتے ہیں۔

اگر اس آیت کی یہ تفسیر نہ کی جائے تو مِنْهُمَا کی ضمیر تثنیہ (ان دونوں) بے کار ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی اور تفسیر نہیں ہوسکتی ہے۔

آج سے بہت پہلے سمندروں میں بڑے بڑے جانور موجود تھے۔ جو غیر اصلح ہونے کی وجہ سے اسی طرح مٹ گئے جس طرح بے شمار گزشتہ اقوام صلاحیتِ حیات کھو بیٹھنے کے بعد تباہ

ہوگئیں۔ اللہ ازل سے موجود ہے اور موجود رہے گا، اس لیے کہ وہ اصلح واقویٰ ہے، صاحب جلال و اکرام ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ. (الرحمٰن. ۲۶. ۲۷) جاہ وجلال والے رب کی ذات کے سوا باقی تمام اشیاء فنا پذیر ہیں۔

زندگی کا سب سے بڑا خزانہ اللہ ہے جس سے ہر چیز زندگی کی بھیک مانگ رہی ہے زندگی کیا ہے؟ قرآن پر عمل اور صحیفۂ کائنات میں تدبر، کائنات ایک ایسا حسین نگارستان ہے جس میں ہر روز لاتعداد دل فریبیوں کا اضافہ ہوتا ہے اور یہ اضافہ خالق کی نیرنگی تخیل پر سب سے بڑی شہادت ہے۔

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ○ (الرحمٰن. ۲۹) ارض و سماء کی ہر چیز اللہ سے زندگی کی بھیک مانگ رہی ہے اور وہ صناع بے چوں ہر روز نئے نئے رنگ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

عدل حیات اقوام ہے اور ناانصافی موت۔ دنیا میں جہاں کہیں عدل ہو رہا ہے، وہاں زندگی شباب پر ہے۔ ہے کوئی فرد یا قوم جو قوانین حیات کو توڑنے کے بعد سزا سے بچ سکے؟ اس زمین سے بھاگ نکلے؟ یہ زمین ایک قلعہ ہے جس کے چار طرف گہرے سمندر، اوپر ہوا ندارد۔ قدرے اوپر طبقہ باردہ، کچھ اور اوپر زہریلی شعاعوں کے طوفان، برق زدہ فضائیں کہ ذرا زمینی کشش سے آزاد ہوئے اور معاً کسی ستارے نے کھینچ کر وہ جھٹکا دیا کہ ہر بن مُو سے آگ کی لپٹیں اٹھنے لگیں۔

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ○ (الرحمٰن. ۳۳) اے جنو اور انسانو! اگر زمین و آسمان کے اطراف سے بھاگ کر نکل سکتے ہو تو ذرا کر کے دکھاؤ، یاد رکھو کہ سلطان کے بغیر تم ایسا نہیں کر سکو گے۔

اگر سلطان کے معنی طاقت لیے جائیں اور مراد "علم" لی جائے تو تفسیر یوں ہوگی کہ علم

ایک ایسی طاقت ہے جس کی بدولت تم فضا کی سیر کر سکتے ہو۔

(۱۷)

عہد حاضر میں کوئلہ دنیا کی مہیب ترین طاقت ہے، اس کے استعمال سے اقوام ربع مسکون کو دہلا رہی ہے اور ہم مسلمان استعمال زغال سے نا آشنا ہونے کے باعث ننگ دوعالم بنے ہوئے ہیں۔ خدا جانے مسلم کو قرآن کی یہ آیت کیوں نہ نظر آئی؟

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ○ ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ○ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ○ (الواقعۃ. ۷۱. ۷۳)

کبھی اس آگ (کوئلے) پر بھی غور کیا جو تم جلاتے ہو اس کے درخت کو (جو زمین میں دب کر کوئلہ بنتا ہے) تم نے پیدا کیا تھا یا ہم نے؟ ہم نے اس کوئلہ کو تذکرۂ حیات اور مفلس اقوام کی سب سے قیمتی متاع قرار دیا ہے۔

کوئلے کے سینے میں سورج کی شعاعیں پنہاں ہیں اور انسان کے دل میں آفتاب ازل کی کرنیں مضمر ہیں۔ سیاہ کوئلہ انسان کو زندہ کر سکتا ہے اور انسان اگر انسان بن جائے تو تمام کائنات میں زندگی کے طوفان اٹھا سکتا ہے۔

(۱۸)

ستارے اسی لیے فضا میں طوفانِ نور اٹھا رہے ہیں کہ وہ ایک دستور العمل کے پابند ہیں۔ اگر آج وہ نافرمانی پر اتر آئیں تو ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں۔ جس طرح شموس و کواکب کی جلوہ آرائی ایک خاص نظام کی پابندی کا نتیجہ ہے، اسی طرح انسان کبھی چمک نہیں سکتا اگر وہ اپنے دستور العمل کو جس کی تفصیل الہامی کتابوں میں درج ہے نہ برتتا ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ○ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ○ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ. (الواقعۃ. ۷۵ تا ۷۷)

مشرق و مغرب کی طرف باقاعدگی کے ساتھ سفر کرنے والے ستاروں کی قسم! کاش تمہیں علم ہوتا کہ یہ کتنی بڑی شہادت پیش کی جا رہی ہے کہ پیغمبر عربی صلعم کی تعلیم انسانی موت و حیات کی مکمل دستور العمل ہے۔ جس کا نام قرآن کریم ہے۔

(۱۹)

قرآن حکیم پیامِ زندگی ہے اور رسول پیغمبرِ زندگی۔ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کوئلے اور فولاد سے اقوام زندہ ہو رہی ہیں۔ بہ دیگر الفاظ یہ اقوام قرآنِ حکیم کے بعض اصول پر عمل کر رہی ہیں اور پیروانِ اسلام جوان معاون کے استعمال سے نا آشنا ہیں، مر چکے ہیں۔ ایک مردہ قوم پیروِ رسول نہیں ہو سکتی۔ رسول اقوام کو زندہ کرنے کے لیے آتا ہے اور جو مر چکے ہیں یا مر رہے ہیں، وہ کسی صورت میں بھی پیروِ پیغمبرؐ نہیں کہلا سکتے۔

اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ‌ۚ — اللہ اور رسول کی دعوت پر لبیک کہو کہ وہ تمہیں زندگی کی طرف بلا رہا ہے۔ (انفال. ۲۴)

دنیائے امروزہ میں پیامِ الٰہی کو دنیا کے ہر کونے تک پہنچانے کے لیے رحم کے ساتھ ساتھ قہر و غلبہ کی بھی ضرورت ہے جو حدید و زغال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ایک بے دست و پا اور کمزور قوم کی آواز بابِ حدید کے ایوان بلند تک کبھی نہیں پہنچ سکتی۔

وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَـعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالۡغَيۡبِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيۡزٌ۝ — ہم نے فولاد اتارا جس میں زبردست ہیبت اور چند در چند فوائد موجود ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ کون سی اقوام اس دھات کے استعمال سے طاقتور بن کر خدا اور رسول کی مدد کرنا چاہتی ہیں اللہ خود طاقتور اور غالب ہے اور ایسی ہی اقوام کو پسند کرتا ہے جن میں یہ اوصاف موجود ہوں۔ (حدید. ۲۵)

اللہ کو معلوم تھا کہ حدید و زغال کا زمانہ سلسلۂ رسالت ختم ہونے کے بعد آئے گا۔ اسی لیے ''بالغیب'' کا اضافہ فرمایا۔

(۲۰)

زمین میں زلزلے اس لیے آتے ہیں کہ بطن الارض کے مخفی خزانے اور اعماق بحر کے سلاسل جبال باہر آ جائیں۔ یہ زلازل کوئی اتفاقی حوادث نہیں ہوتے بلکہ مشیتِ ایزدی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ایک خاص آئین ان انفجارات کی تہہ میں کارفرما ہوتا ہے۔

قرآنِ حکیم حیاتِ انسانی کا مکمل نظام ہے اور ہمیں اس لیے دیا گیا ہے کہ ہمارے دلوں میں بھی زلزلے آئیں۔ فضائل وفواضل کی معادن نکلیں اور علوم ومعادن کے چشمے پھوٹیں۔

انسان کی طرح کائنات کی باقی اشیاء کو بھی ایک ایک قرآن، یعنی نظامِ حیات دیا گیا تھا جس پر یہ نہایت تن دہی سے عمل کر رہی ہیں لیکن انسان قدم قدم پر اپنے نظام کو توڑ رہا ہے اور اسی لیے پٹ رہا ہے۔ اگر انسانی نظامِ حیات (قرآن) بجائے انسان کے کسی پہاڑ کو دیا جاتا تو پہاڑ برغبت تمام اس کی ہر دفعہ کو نباہتا۔ ہلتا، پھٹتا، چشمے بہاتا اور معادن کی ایک دنیا باہر پھینکتا۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط (حشر. ۲۱) اگر ہم یہی قرآن پہاڑ کو عطا کرتے تو وہ الٰہی خوف سے ہلتا اور پھٹتا۔

(۲۱)

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ o مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ o (قلم. ۱. ۲)

اس آیت میں ''بنعمة ربك'' کا جملہ تشریح طلب ہے اگر بنعمة کی با کو قسمیہ قرار دیں تو معنی ہوں گے۔ ''تمہارے رب کی نعمت (قرآن) کی قسم کہ تم مجنوں نہیں ہو'' اور اگر نعمة کے معنی ''فضل'' لیے جائیں تو معنی ہوں گے: ''قلم اور قلم نے جو کچھ لکھا (قرآن) وہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ آپ اللہ کے فضل سے دیوانہ نہیں ہیں۔''

مسلمانوں نے قرآن حکیم کی دفعات پر عمل کر کے ثابت کر دیا کہ اس کی ہر ہدایت زندگی کا لازوال پیام ہے، پھر اس کے ''شارحِ اعظم'' کو دیوانہ کہنا کہاں کا انصاف ہے؟ آں حضرت ﷺ کی حیرت انگیز ہستی اور آپ کے انقلاب انگیز پیام پر قلم و دوات نے اس قدر لیٹریچر مہیا کیا کہ دنیا کے کسی اور مصلح کے متعلق اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں لکھا گیا تو کیا تمام خدائی کی یہ آواز اس حقیقت کا اعلان نہیں کہ

مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ

اگر يَسْطُرُوْنَ کو مستقبل کے معنی میں لیا جائے تو یہ آیت ایک بشارت بن جاتی ہے کہ پیروانِ اسلام اس قدر علوم وفنون پیدا کریں گے کہ تمام دنیا کے معلم تسلیم کیے جائیں گے، اس

وقت دنیا پکار اٹھے گی کہ اتنے بڑے بڑے مورخوں، فلسفیوں، محدثوں، مفسروں، جغرافیہ دانوں، محاسبوں اور منجموں کا قائد دیوانہ نہیں ہو سکتا۔

اہل اسلام کے علاوہ علمائے مغرب مثلاً: کارلائل، نولڈکے، نکلسن، ولیم میور اور ڈریپر جیسے متعصب نصرانیوں کو بھی آں حضرت ﷺ کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا۔ ہر چند کہ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ پر نکتہ چینی کی ہے لیکن ساتھ ہی آپ کی بلند تعلیم، تدبیر، دانش، سیاست اور دیگر رہنمایانہ اوصاف پر وہ حسین مقالے لکھے ہیں کہ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ کی تفسیر معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۲)

رات کو چاند کی دھیمی روشنی کیف و بہار کا کیا مست پیام دے رہی تھی۔ صبح ہوئی تو کائنات اپنی تمام تر رنگینیوں کے ساتھ بے حجاب ہوگئی اور جب آفتاب طلوع ہوا تو فضا میں نور کے چشمے ابلنے لگے۔

یہ زندگی چاند کی روشنی ہے، بڑھاپا ظہورِ سحر اور موت طلوعِ آفتاب۔ اس کے بعد فضاؤں میں نور کے چشمے ابلتے نظر آئیں گے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۝ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۝ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۝ مہتاب کی روشنی کی قسم، ظہورِ سحر اور طلوعِ آفتاب کی قسم کہ آخرت حیاتِ انسانی کی ایک شاندار منزل ہے۔ (مدثر. ۳۲. ۳۵)

(۲۳)

انبیاء نے دنیا کو عدل و احسان کی تعلیم دی اور استیصال شر کے لیے زندگیاں وقف کر دیں۔ ان حضرات کی آمد پر دنیا دو حصوں میں تقسیم ہوتی رہی، معاون اور مخالف معاون جناتِ ارضی و اخروی کے حق دار بنے اور مخالف تباہی و ہلاکت کے شکار۔

انسانی ہدایت کے اس انقلاب آفرین نظام پر ایک مورخانہ نگاہ ڈالنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ بدکاروں کے لیے انتقام فطرت سے کوئی مفر موجود نہیں۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ٥ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ٥ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ٥ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ٥ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ٥ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ٥ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ٥ (مرسلات. ۱ تا ۷)	قسم ہے ان ہستیوں کی جو دنیا کو خیر و معروف کا پیام سناتی ہیں، جو گناہوں کی خس و خاشاک کو آندھی بن کر سمیٹتی ہیں، جو شگالی ہواؤں کی طرح رحمت کی گھٹاؤں کو کائنات کے ہر گوشے تک پہنچاتی ہیں جو دنیا کو نیک و بد میں تقسیم کرتی ہیں جو کفر کی تاریکیوں کو شعاع نور بن کر چیرتی ہیں اور جو اتمام حجت یا تدبر کے لیے احکامِ الٰہی سناتی ہیں کہ نتائج اعمال ٹل نہیں سکتے۔

(۲۴)

شاعر و ساحر میں ایک خاص تشابہ ہے۔ ساحر غیر حقیقی اشیاء کو حقیقی بنا کر دکھاتا ہے اور شاعر خیالی اشیاء کو جاذب قلب و نگاہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ شاعر کا تمام زور تراش الفاظ پر صرف ہو جاتا ہے اور اس لیے دنیائے عمل سے بمنازل دور رہتا ہے۔ یہ فطرتاً مبالغہ پسند، حساس، استقلال و حوصلہ سے محروم، حسن و رنگ کا دیوانہ اور جذبات کے ہاتھ میں ایک بازیچہ ہوتا ہے۔ یہ صاحب الرائے نہیں ہوتا، بلکہ گرگٹ کی طرح ہر لحظہ رنگ بدلتا ہے چونکہ شعر کہنا ایک آسان سا مشغلہ ہے جس میں دماغی تربیت، بلند علم اور تحقیق و تلاش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیز اشعار داد کے لیے کہے جاتے ہیں، اس لیے شاعر سہل انگار، خودستا اور عیاش بن جاتا ہے اور اس کے پیرو بھی اسی قماش کے لوگ ہوتے ہیں۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ ٥ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ٥ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ٥ (الشعراء. ۲۲۴ تا ۲۲۶)	شاعروں کے پیرو گمراہ ہوا کرتے ہیں کیا تم دیکھتے نہیں کہ انہیں کسی اصول پر قرار حاصل نہیں ہوتا۔ یہ ہر وادی میں بے طرح گھوم رہے ہوتے ہیں اور ان کے اقوال کبھی شرمندۂ عمل نہیں ہوتے۔

تاریخ اسلام پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ شاعر ہمیشہ زوال و ہلاکت کا قاصد رہا ہے۔ عرب میں آن حضرت ﷺ سے پہلے کئی ہزار فصیح

البیان شعراء موجود تھے اور ساتھ ہی قوم عیاشی و پست اخلاقی کی انتہائی گہرائیوں میں گری ہوئی تھی، جب اس قوم نے آنکھ کھولی اور ایشیائے وسطیٰ میں ایک لرزہ خیز سلطنت کی طرح ڈالی تو معاً شاعر معدوم ہو گیا۔ چند سو سال بعد مرگ و زوال کا یہ قاصد پھر کہیں سے نکل آیا۔ عباسیہ کے بڑے بڑے راویوں اور شاعروں کا تذکرہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ حماد کو ایک لاکھ قصائد جاہلیت یاد تھے۔ ابوتمام نے چودہ ہزار اور اصمعی نے سولہ ہزار ارجوزے یاد کر رکھے تھے اور ایک مرتبہ ابو صمصم نے ہارون الرشید کو ایک سو عمرو نامی شعرا کا کلام سنایا تھا جن کی صرف ردیف الف ڈیڑھ یوم میں ختم ہوئی تھی۔ ان شعرا کے قصائدِ مدحیہ کا اثر لازماً سلاطین عباسیہ پر پڑتا تھا۔ چنانچہ اس خاندان کے چند آخری فرمانروا کاہل و کم کوش ہو گئے اور سیلاب تتار میں تنکوں کی طرح بہہ گئے۔

اندلس میں عربوں کو تبھی زوال آیا، جب وہاں سینکڑوں شاعر پیدا ہو گئے تھے، یہاں تک کہ سرکاری خط و کتابت بھی شعروں میں ہوتی تھی۔

ایران میں غزنوی، تیموری اور سلجوقی سیلاب کی طرح اٹھے اور جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ اس فوری زوال کی ایک وجہ شعراء کی یاوہ گوئی تھی۔ ان کے قصائد سے سلاطین کو دارائے ارض و سماء ہونے کا دھوکہ لگ جاتا تھا۔ نتیجتاً وہ اپنی غفلت و نادانی کا شکار بن جاتے تھے۔ محمود غزنوی کے دربار میں کم و بیش چار سو شاعر تھے۔ ملک شاہ اور سنجر کے درباری شاعروں سے کون آگاہ نہیں۔ صفوی خاندان نے کم و بیش تین سو برس تک حکومت کی اور اس عرصے میں ایک بھی کام کا شاعر پیدا نہ ہوا۔ وجہ ظاہر ہے کہ شاعر صرف دورِ انحطاط میں پیدا ہوتا ہے اور دورِ عروج میں ناپید ہو جاتا ہے۔ ہندوستان میں اردو شاعری کا عروج محمد شاہ رنگیلے کے عہد سے شروع ہوتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جب خاندانِ مغلیہ کے آثارِ زوال ہر سو عیاں تھے۔ شاہ عالم ثانی نواب آصف الدولہ اور بہادر شاہ ظفر کے زمانہ میں شاعری کا وہ چرچا ہوا کہ طوفانِ شعر میں خاندانِ مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو گیا۔

آج (۱۹۴۲) کہ ہندوستان کا زوال بحد کمال پہنچ چکا ہے۔ شاعری پورے جوبن پر ہے۔ آئے دن شہروں میں شاعروں کی محفلیں جمتی ہیں۔ دس بیس ہرزہ سرا مل کر بیٹھ جاتے ہیں،

ایک صاحب ایک ہی شعر کو بار بار پڑھتے اور داد لینے کے لیے سامعین کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں۔ سامعین شعر کو سمجھیں یا نہ سمجھیں "خوب مکرر" واللہ! قلم توڑ دیا، سبحان اللہ اور آہاہاہا کے نعرے لگاتے ہیں اور شاعر صاحب "بندہ نوازی، قدر دانی، میں کیا ہوں، نالائق پاجی جو کچھ ہیں جناب ہی ہیں" کہہ کر داد وصول کرتے ہیں۔ مشاعرے کے بعد ہفتوں احباب سے پوچھتے رہتے ہیں۔ "کہو بھائی رات کا مشاعرہ کیسا رہا؟ مجھے تو فرصت ہی نہیں تھی۔ سیکرٹری صاحب کے اصرار پر چند بند موزون کر لیے تھے، کچھ لطف بھی آیا؟ تو شاعر صاحب کے حواری ایک قہقہے کے بعد فرماتے ہیں۔ "واللہ! آپ کیوں کسر نفسی فرما رہے ہیں آپ کا کلام تو اعجاز تھا اعجاز! اگر آج داغ و امیر مینائی زندہ ہوتے تو آپ کا منہ چوم لیتے۔

آج انگلستان، جرمنی اور روس میں کیوں شاعروں کی وہ کثرت نہیں جو اس وقت ہندوستان میں ہے؟ کیا ان لوگوں کے دل جذبات سے خالی ہیں؟ کیا وہاں ماں کو بچے سے محبت نہیں؟ کیا وہاں فطرت رنگین نہیں؟ سب کچھ ہے۔ لیکن فرق ہے تو صرف اتنا کہ ان کے اچھے دماغ سیاسی، اقتصادی، تمدنی، اخلاقی اور علمی گتھیاں سلجھانے میں مصروف ہیں اور ہم مشاعرے منعقد کر رہے ہیں۔ رگ گل سے بلبل کے پر باندھ رہے ہیں اور یار کی کمر معدوم تلاش کر رہے ہیں۔

انبیاءؑ و دیگر مصلحینِ عالم کا تعلق ٹھوس حقائق سے ہوتا ہے ان کے ہر اقدام کا نتیجہ دو اور دو، چار کی طرح واضح ہوتا ہے اور دوسری طرف شاعر کا واسطہ خیالات سے پڑتا ہے۔ یہ خود خیالی، اس کے نغمے خیالی، اور اس کی دنیا خیالی، نہ ارادوں میں فاتحانہ بلندیاں اور نہ عزم میں مجاہدانہ استواریاں، انصافاً فرمایئے کہ ایسا شخص کسی قوم میں کوئی سیاسی یا اخلاقی انقلاب پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ یا کوئی مصلح شعر گوئی میں پڑ کر مصلح رہ سکتا ہے؟

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ط (یٰسٓ۔ ۶۹) — ہم نے رسول عربی (صلعم) کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ یہ فن آپ کے شایانِ شان تھا۔

دنیائے شعر میں کچھ مستثنیات بھی ہیں۔ مشرق و مغرب ہر دو میں چند ایسے شاعر ہو گزرے ہیں جنہوں نے شاعری کو گل و بلبل کی فرسودہ رٹ سے ہٹا کر بلند تر مقاصد کے لیے

استعمال کیا۔ ایران میں سعدیؔ و رومیؔ ۔ جرمنی میں گوئٹےؔ اور ہندوستان میں بالمیکؔ، بابا نانکؔ، ٹیگورؔ اور اقبالؔ وہ بلند پایہ مصلحین تھے۔ جنہوں نے اپنا پیغام شعر میں دیا۔ یہ لوگ ایک خاص دل و دماغ کے مالک تھے، ان کا تخیل درجۂ الہام تک پہنچا ہوا تھا اور ان کے نغموں میں شعر و روحانیت کا عنصر ایک خاص تناسب کے ساتھ پایا جاتا تھا، ان حضرات کا مقابلہ عام برساتی شاعروں سے درست نہیں، اس لیے علامہ اقبالؔ فرماتے ہیں:

بآں رازے کہ گفتم پے نبروند　　　ز شاخ نخلِ من خرما نخوروند
من اے میرا مم داد تو خواہم　　　مرا یاراں غزل خوانے شمروند

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرم رازِ درونِ مے خانہ

(۲۵)

اللہ کا سب سے بڑا معجزہ یہ کائنات ہے۔ اگر نگارستان گیتی کی یہ خرد افروز نیرنگیاں کسی کج فہم کے لیے سامانِ تشفی نہیں ہو سکتیں تو پھر دریائے نیل کا پھٹنا، لاٹھی کا سانپ بننا اور فرشتوں کا مادی صورت میں متمثل ہونا بھی مفید نہیں ہو سکتا۔

ہر نبی نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتے وقت پہلے اس کے اعجاز تخلیق پر غور کرنے کی دعوت دی تھی مثلاً:

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ۝　فرعون نے موسیٰ سے پوچھا کہ خدا کون اور کیا ہے؟ موسیٰ نے کہا: وہی جو ارض و سماء اور دیگر اشیاء کا رب ہے (اگر تم یقین حاصل کرنا چاہتے ہو) تو اس مقصد کے لیے یہ کائنات کافی ہے۔ (شعراء ۲۳، ۲۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو اس اللہ کی طرف بلاتے ہیں جو اوصاف ذیل کا مالک ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ○ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ○ (شعراء ۷۸۔ ۸۰)

جس نے مجھے پیدا کر کے میری تربیت و ہدایت کا حیرت انگیز سامان بہم پہنچایا، میری غذا کے لیے یہ دنیائے نباتات وحیوانات اور پینے کے لیے سمندر بادل وغیرہ بنائے اور جس نے میرے جسم میں ایسے جراثیم رکھ دیئے ہیں جو حملہ آور جراثیم مرض کا مقابلہ کر کے بیماری سے مجھے بچاتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

وَمَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (شعراء۔ ۱۴۵) میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا مجھے وہ اللہ اجر دے گا جو کائنات کی ہزار در ہزار دنیاؤں کا پالنہار ہے۔

حضرت ہودؑ نے قوم عاد کو کائنات کی طرف یوں متوجہ کیا۔

اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِیْنَ ○ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ○ (شعراء۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴) اللہ نے تمہیں مویشی، بیٹے، باغات اور چشمے عطا فرمائے۔

حضرت شعیبؑ اصحاب الایکہ کو اللہ کی صفتِ خلق پر غور کرنے کی یوں دعوت دیتے ہیں۔

وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ○ (شعراء۔ ۱۸۴) اس اللہ سے ڈرو، جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کئی دیگر اقوام کو پیدا کیا۔

یہ ہے مشتے نمونہ خروارے، ورنہ کسی الہامی کتاب کو اٹھا کر دیکھو۔ ہر صفحہ معجزاتِ خلق کے تذکرے سے معمور ہوگا۔

(۲۶)

ایک قوم کے ننگ و ناموس کی حفاظت اس کے نوجوان کیا کرتے ہیں، اس وقت جو سلوک یورپ اپنے نوجوانوں سے کر رہا ہے وہ از بس افسوس ناک ہے۔ یہ زنانہ سوٹ، یہ مؤنثانہ ادائیں، یہ عیش پرستی، یہ ناؤ نوش، یہ عشق بازی، یہ دن میں پانچ مرتبہ تنورِ شکم تاپنا، یہ ٹینس، یہ برج

اور یہ مخلوط کلب نوجوانوں کے لیے پیام موت بن گئے۔ عیاشی نے سہل انگار اور سہل انگاری نے اپاہج بنا دیا۔ جفاکشی کے خوگر نہ رہے، مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوگئی۔ اخلاق فاضلہ کا خاتمہ ہوگیا۔ جرأت، شجاعت، میدان طلبی اور ذوقِ شہادت جاتا رہا، ہاتھ سے کام کرنا اور دو میل پیدل چلنا دوبھر ہوگیا۔ جوانوں کی اس رنگین مزاجی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اقوام دنوں اور ہفتوں میں مٹ گئیں۔

ڈنکرک کی شکست (۲۹ مئی ۱۹۴۰ء) کے بعد لنڈن کے مشہور اخبار ''ٹیلی گراف'' نے ۱۸ جون ۱۹۴۰ء کو مقالۂ افتتاحیہ میں لکھا تھا:

''ہم ایک بات پر جس قدر افسوس کریں، کم ہے اور وہ کہ گزشتہ بیس برس میں ہم نے اپنے نوجوانوں کو صرف دو چیزیں سکھائیں، یعنی ٹینس اور گولف اور انہیں جہادِ زندگی کے لیے تیار نہ کیا، جس کی سزا آج ہمیں بھگتنی پڑی۔''

فرانس کے صدر مارشل پیتان نے ۲۲ جون ۱۹۴۰ء کو رات کے ۹:۳۰ بجے ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''گزشتہ جنگِ عظیم کی نسبت اس دفعہ ہمارے پاس اسلحۂ جنگ، افواج اور دیگر وسائل بہت زیادہ تھے۔ ہماری حلیف سلطنتیں بھی تعداد میں کافی تھیں اور پھر ہم ہار گئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شکست کی وجوہ کیا ہیں؟ اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمیں شکست ہٹلر نے نہیں دی بلکہ اپنے نوجوانوں نے دی جن کا کام کھانا پینا اور عیش اڑانا تھا۔''

آج دنیا کو معلوم ہوا کہ اسلام جو کچھ کہتا تھا وہ ہمارے ہی بھلے کے لیے تھا۔ روزے اس لیے فرض ہوئے کہ قوم میں جفاکشی باقی رہے، زکوٰۃ کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ یہودیوں کی طرح دولت کی پرستش شروع نہ ہو جائے۔ نماز کا مقصد یہ تھا کہ روحانی و اخلاقی فوائد کے ساتھ ساتھ قوم میں صف بندی، اطاعتِ امیر اور باقاعدگی کے اوصاف باقی رہیں۔ یورپ نے غلطی سے بنگلوں، کلبوں، موٹروں اور سینماؤں کو تہذیب و تمدن کی آخری منزل سمجھ لیا تھا اور آج انہیں معلوم ہوا کہ جسے وہ تہذیب کہتے تھے وہ درحقیقت تباہی و ہلاکت کا جہنم تھا۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ قانون شکن اقوام کو جہنم گھیرے رکھتا ہے۔

(توبة. ۴۹)

پنجاب کے ایک صاحب نظر سے ملاقات ہوئی، کہنے لگے کہ فرانس کی تباہی کے ذمہ دار تین ''ڈ'' ہیں یعنی ڈرنک (مے نوشی) ڈانس (ناچ) اور ڈنر (رات کے کھانے) اسلام نے آج سے ۱۳۶۲ برس پہلے دنیا کو عیاشی کے نتائج سے متنبہ کر دیا تھا لیکن قرآن کو جھوٹا کہنے والوں نے اس تنبیہ پر دھیان نہ دیا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَ الْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

لوگ عورتوں، بیٹوں، سونے چاندی کے ڈھیروں نشان لگائے ہوئے گھوڑوں، چوپاؤں اور کھیتوں کے گرویدہ ہو چکے ہیں، کاش! انہیں معلوم ہوتا کہ یہ سب کچھ دنیا کی عارضی متاع ہے اور حسنِ انجام تو صرف الٰہی قانون کی پیروی کا نتیجہ ہے۔

(آل عمران. ۱۴)

ہندوستان کے مہذب طبقے نے اقوام یورپ سے اگر کوئی چیز سیکھی ہے تو صرف ''ڈ''۔ یورپ کے پاس تو اس زہر کا کچھ تریاق موجود تھا، یعنی محققین، طبیعین و موجدین کا ایک طاقت ور گروہ جو اس کے عیوب کو کسی حد تک ڈھانپ سکتا تھا، لیکن یہاں صرف رنگیلے ہی رنگیلے بستے ہیں۔ شام کو پتلون کس لی اور چل دیئے کسی مے خانے، عیش خانے یا پری خانے کی طرف۔ وہاں جا کر مۓ ارغوانی کے دو چار جام چڑھائے، بے گانہ عورتوں کے ساتھ ایک ہی صوفے پر بیٹھ کر غلط انگریزی میں گپیں ہانکیں۔ بہت زیادہ مہذب ہوئے تو کچھ ناچ بھی ہو گیا اور آدھی رات کے قریب میاں مستانے گھر کو لوٹے۔ خیر سے اس کا نام رکھا ہوا ہے، نئی تہذیب۔

وائے قومے کشتۂ تدبیر غیر کارِ او تخریب خود تعمیرِ غیر
از حیا بے گانہ پیرانِ کہن نوجواناں چوں زناں مشغول تن
وردِ دل شاں آرزوہا بے ثبات مردہ زائید از بطونِ امہات

دختران او بزلفِ خود اسیر شوخ چشم و خود نما و خردہ گیر
ساختہ ، پرداختہ ، دل باختہ ابرداں مثلِ دو تیغ آختہ
ساعدِ سیمین شاں عیش نظر سینۂ ماہی ، بموج اندر نگر
ملتے خاکستر اس بے شرر صبح اواز شامِ او تاریک تر
آہ! قومے ، دل زحق پرداختہ
مردہ مرگِ خویش را نشناختہ

(علامہ اقبالؒ رحمتہ اللہ علیہ)

تہذیب نو کا زہر کھانے والو! اور اے نظامِ نو کے نعرے لگانے والو! یاد رکھو کہ الہامی ضوابط کے سوا کہیں نجات موجود نہیں، اگر تم اس دنیا میں امن سے رہنا چاہتے ہو اور نہیں چاہتے کہ ہر دس بیس برس کے بعد تمہاری بستیاں اجڑیں اور تمہارے سروں پر آتشیں بم برسیں تو اللہ کی حبل المتین کو تھام لو۔ اگر تمام قانون پر عمل نہیں کر سکتے تو صرف ایک دفعہ کو اپنا لو۔ تمہارے مصائب ختم ہو جائیں گے اور وہ ہے ''انصاف''! اپنے آپ کے ساتھ انصاف۔ ملازموں، ماتحتوں، مملوکوں اور نوآبادیوں کے ساتھ انصاف۔ ہمسایہ ملکوں اور دنیا کی دیگر قوموں کے ساتھ انصاف، انصاف وہ کیمیا ہے جس سے تمہاری حیات ملی و شخصی سنہری بن جائے گی۔ اس سے تمہاری سیاست استوار اور تمہاری حکومت پائیدار ہو جائے گی اور تمام عالم تمہاری بقا کی دُعا مانگے گا۔

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ . (الرحمٰن. ۹) دنیا کا توازن قائم رکھو اور ترازو کو ایک طرف مت جھکنے دو۔

(۲۷)

ایک بشارت:

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جب بصرہ کے پاس ایرانی آتش پرستوں نے رومیوں کو شکست دی تو مشرکین نے مسلمانوں کو طعنے دیئے کہ عیسائی تقریباً تمہارے مذہبی بھائی تھے لیکن ایرانیوں نے ان کی خوب خبر لی۔ اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ○ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَ یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ (روم. ۲. ۴)

اس آیت میں دو بشارتیں دی گئی تھیں۔اول یہ کہ چند سال کے اندر اندر رومی ایرانیوں کو شکست دیں گے۔دوم وہاں اللہ کی حکومت قائم ہو جائے گی جس سے مسلمانوں کو مسرت ہو گی۔

حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ "بضع سنین" سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: بین الثلاث الی التسع (یعنی تین سے نو سال تک) اس آیت کے سات سال بعد رومیوں نے ایرانیوں کو شکست دی اور پورے نو برس بعد دمشق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو گویا ہر دو بشارتیں تھوڑے وقفہ کے بعد پوری ہو گئیں۔

یہ ٹھوس تاریخی حقائق ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔مجھے ان اصحاب کی عقل پر حیرت ہوتی ہے جو ان بشارات کی موجودگی میں قرآن کو جھٹلاتے پھرتے ہیں۔

نکتہ۔یہ جنگ ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان ہوئی تھی۔پہلی جنگ میں ایرانی غالب آئے تھے۔حیرت ہے کہ اللہ نے مغلوب رومیوں کا تو ذکر کیا لیکن اہل ایران کا نام تک نہ لیا۔یہ غالباً اشارہ تھا اس حقیقت کی طرف کہ رومیوں کی حکومت دنیا میں باقی رہے گی اور ساسانی یوں میٹ دیے جائیں گے جس طرح ان کا ذکر قرآن سے محو کر دیا گیا۔

ترجمہ: عرب کے پاس ہی ایک جنگ میں اہل روم مغلوب ہو گئے ہیں لیکن چند سال کے بعد وہ پھر غالب ہوں گے۔اس سرزمین پر (داؤدؑ و سلیمانؑ کے عہد میں) اللہ کی حکومت رہی اور اب پھر وہی حکومت قائم ہو جائے گی، اس روز اہل ایمان بہت مسرور نظر آئیں گے۔

(۲۸)

عورت ایام شباب میں حسین ہوتی ہے۔یہی حسن زن و شوہر میں باعث الفت بنتا ہے، بڑھاپے میں حسن و عشق ہر دو رخصت ہو جاتے ہیں اور عشق کی جگہ شفقت لے لیتی ہے آیت ذیل میں رحمت (شفقت) سے پہلے مودت کا ذکر کچھ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (روم. ۲۱)

الٰہی آیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے جذبات بہمی میں سکون پیدا کرنے کے لیے تمہیں ہم جنس بیویاں عطا فرمائیں اور تمہیں محبت وشفقت کے رشتوں سے باندھ دیا۔ سوچنے والوں کے لیے یہاں کچھ اسباق پنہاں ہیں۔

(۲۹)

جس طرح شہد سازی نحل کی فطرت ہے اسی طرح نیکی انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

سوال: اگر نیکی انسان کی فطرت میں داخل ہے تو چور، چوری اور زانی، زنا کے بعد خوش کیوں ہوتا ہے؟

جواب: یہ لوگ بعض حالات سے مجبور ہو کر ان جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں ورنہ سیاہ کاریوں سے یہ بھی متنفر ہیں۔ اگر کسی چور کے گھر ڈاکہ ڈالا جائے یا زانی کی لڑکی کی طرف کوئی بوالہوس بری نگاہ سے دیکھ لے تو یہ لوگ وفورِ غضب سے کھولنے لگتے ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ لوگ بھی گناہ کو گناہ ہی سمجھتے ہیں۔ ورنہ ان اعمال کو نیکی سمجھتے تو بجائے انتقام لینے کے حملہ آوروں کو شاباش دیتے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (روم. ۳۰)

انسان کو اللہ نے خدائی فطرت عطا کی ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اس فطرت کے رجحانات کا نام مذہب ہے۔

شہد کی مکھی اپنی فطرت سے کام لے کر شہد بنا رہی ہے۔ پودوں کی فطرت پھول کھلا رہی ہے اور درخت اپنے نظام کو نباہنے کے بعد ازہار و اثمار کی حسین دنیائیں تعمیر کر رہے ہیں۔ انسان کی فطرت احسن وکمال ہے۔ اگر ایک مکھی نظام فطرت سے کام لے کر اس قدر کمال دکھا سکتی ہے تو انسان اپنے نظام پر چل کر خدا جانے کیا کچھ کر دکھائے لیکن مصیبت تو یہی ہے کہ یہ اپنے نظام سے دور بھاگتا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ. (عادیات. ۶) انسان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔

(۳۰)

کائنات کے مختلف مناظر میں اس قدر تعاون ہے کہ یہ سب ایک کنبے کے افراد معلوم ہوتے ہیں۔ انسانی غذا تیار کرنے کے لیے زمین، ہوا، سورج، پہاڑ اور سمندر سب مل کر کام کرتے ہیں۔ خزاں کے بعد جب موسم بہار اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے، تو نباتات کی تخلیقِ ثانی کے لیے کائناتی انجن کا ہر پرزہ محوِ عمل ہو جاتا ہے۔ سورج صحراؤں کو گرماتا ہے، ہوائیں بخارات کو اٹھا کر ہمالہ کی طرف گرم پرواز ہو جاتی ہیں، وہاں بادل تعمیر ہوتے ہیں جو زمینِ مردہ پر برستے ہیں، اس کے قوائے نامیہ بیدار ہوتے ہیں۔ زمینی بکٹیریا کام پر لگ جاتا ہے اور اس طرح نباتات کی تخلیقِ ثانی وقوع میں آتی ہے۔

اللہ کے لیے نہ تو خلقِ اول دشوار تھی اور نہ خلقِ ثانی۔ انسانی دنیا میں ہم ہر روز خلق اول کا تماشا دیکھتے ہیں اور عالمِ نباتات میں ہر سال خلقِ ثانی کے مناظر سامنے آتے ہیں۔ کائنات کی مشینری میں خلق کی زبردست استعداد موجود ہے۔ یہ سورج، سمندر اور ہوا وغیرہ اس مشین کے پرزے ہیں جو ایک چھوٹے سے ذرے، یعنی انسان تک کے لیے جنبش میں آجاتے ہیں۔

ایک آدمی چارپائی تیار کرنے لگتا ہے تو پہلے دماغ میں سوچتا ہے، پھر پاؤں چل کر بازار سے سوتری وغیرہ لاتے ہیں۔ آنکھیں دیکھتی ہیں اور ہاتھ بنتے ہیں۔ اسی طرح کائنات ایک جسم کی طرح ہے جس کے مختلف اعضا مل کر کام کو سرانجام دیتے ہیں۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ط تم سب کا پہلا اور دوسرا جنم نفسِ واحدہ کی طرح ہے۔ (لقمان. ۲۸)

(۳۱)

سدُّ العرم:

اہلِ سبا (یمن) کا مشہور شہر مآرب تھا، جس کے جنوب مغرب میں پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ سینکڑوں میل تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک نالہ ان پہاڑوں کے جنوب مغرب سے نکل کر

وادی اونہ میں شمال مغرب کی طرف بہتا تھا۔ مآرب کے ایک فرمانروا عبد شمس نے اس پانی کے آگے ایک بند لگایا جو سدُّ العرم کے نام سے مشہور ہوا۔ اس بند کی لمبائی شرقاً غرباً ۲۴۰۰ فٹ، اونچائی ۴۲ فٹ اور چوڑائی ۴۵۰ فٹ تھی۔ اس بند سے دو نہریں نکالیں جو شہر کے دو باغوں (ایک شہر کے دائیں اور دوسرے بائیں طرف) کو سیراب کرتی تھیں۔ جب اہل سبا عیاش ہو گئے اور اس بند کی مرمت تک سے غافل ہو گئے تو ایک روز یہ بند ٹوٹ گیا اور تمام شہر سیلاب میں بہہ گیا۔

سدّ العرم کا قصہ نہ تو صفحات تاریخ میں محفوظ رہا تھا اور نہ اذہانِ انسانی میں۔ قرآن حکیم نے اس داستان سے پردہ اٹھایا اور آج اس بند کے کھنڈرات برآمد ہو کر قرآن حکیم کے الہامی ہونے پر شہادت دے رہے ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكِنِهِمْ ايَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ط كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ط بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ o فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ o ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ط

اہل سبا کے خوبصورت گھر قدرت الٰہی کا کرشمہ تھے۔ شہر کے دائیں بائیں دو باغ تھے تا کہ لوگ اللہ کا رزق کھا کر اس کا شکریہ ادا کریں۔ شہر نہایت خوبصورت تھا اور باشندوں پر اللہ مہربان تھا۔ ان لوگوں نے اللہ سے منہ پھیر لیا نتیجتاً ہم نے ان پر سیل عرم بھیجا۔ ان کے باغ مٹا دیے اور وہاں بدمزہ پودے جھاؤ کے درخت اور کچھ بیری کے جھاڑ اگا دیے۔ یہ تھی سزا ان کے کفر کی۔ (سبا ۱۵ تا ۱۷)

اعرضوا کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان لوگوں نے اس بند کی مرمت سے غفلت کی۔

(۳۲)

طوفانِ نوح کی گزرگاہ

جرمنی کے ایک محقق نے ثابت کیا ہے کہ بہت قدیم زمانے میں افریقہ و امریکہ باہم ملے ہوئے تھے اور یہ درمیانی خطہ اطلانطیس کہلاتا تھا۔ کسی زلزلے کی وجہ سے یہ درمیانی خطہ ڈوب

گیا اور ہر دو براعظم علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ محقق مذکور اس نظریے پر تین دلائل پیش کرتا ہے۔

ا۔ افریقہ کے مغربی ساحل اور امریکہ کے مشرقی ساحل کے نباتات بالکل ملتے جلتے ہیں، جن سے شبہ ہوتا ہے کہ کسی وقت یہ دونوں خطے ایک تھے۔ ۲۔ اہرام مصر کی طرح میکسیکو سے بھی اہرام کے آثار باقیہ برآمد ہوئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں خطوں میں کسی وقت ایک ہی قوم آباد تھی، جس کا تمدن اور فن عمارت ایک جیسا تھا۔ ۳۔ نیز ہر دو ممالک کے پرانے برتن اور مجسمے بھی ہم رنگی مذاق پر شہادت دیتے ہیں۔

اس محقق کا خیال یہ ہے کہ طوفان نوح اطلانطیس میں آیا تھا اور یہ طوفان کسی زلزلے کا نتیجہ تھا۔ بعض دیگر محققین کا خیال یہ ہے کہ یہ طوفان لیموریا میں آیا تھا۔ لیموریا خشکی کا وہ قطعہ تھا جو جنوبی افریقہ اور عرب کو باہم ملاتا تھا اور اب ڈوب چکا ہے۔ ایک اور مؤرخ کی رائے ہے کہ یہ طوفان عراق کے شمال میں فرات کی طغیانی کی وجہ سے آیا تھا اور ایک بہت بڑا شہر، یعنی ادر (جو ۳۵۰۰ء ق م بہت ترقی پذیر تھا) تباہ ہو گیا تھا۔

یہ نظریہ کچھ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کی تفصیل کے علاوہ ''تاریخ ملل قدیمہ'' کا ایک واقعہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اس تاریخ میں درج ہے۔

''کالڈیہ کی سلطنت میں بعل نامی ایک دیوتا کو انسانوں پر غصہ آیا۔ اس نے شاہ کالڈیہ کسوتھرس (KISOUTHROUS) کو طوفان آنے کی خبر دی اور حکم دیا کہ کشتی بنا کر ہر جنس کا جوڑا اس میں رکھ لے، پھر بارش ہوگئی یہاں تک کہ اردگرد کے علاقے پانی میں ڈوب گئے اور کشتی آرمینیہ کے پہاڑ کے ساتھ جا لگی۔''

قرآن حکیم میں درج ہے۔

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ. (ھود ۴۴) حضرت نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ کے ساتھ جا لگی۔

جودی شام اور آرمینیہ کی سرحد پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔

تاریخ ملل قدیمہ کا قصہ قرآن کے عین مطابق ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن میں صاحب کشتی کا نام نوح اور وہاں کسوتھرس دیا ہوا ہے چونکہ ناموں کی صورت مختلف زبانوں میں بدل

جاتی ہے۔ مثلاً: ہم حضرت مسیحؑ کو عیسیٰ اور انگریز جیسس اور کرائسٹ کہتے ہیں داؤد کو ڈیوڈ اور یحییٰ کو یوحنا بنا رکھا ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ قدیم زمانے کا کسوتھرس عربی میں نوح بن گیا ہو۔

بہر حال ان دونوں بیانوں سے یہ بات واضح ہے کہ طوفان عراق اور اس کے شمالی حصوں میں آیا تھا۔

(۳۴)

اسلامی کھیتی:

قرآن حکیم میں آں حضرت صلعم کی تیار کردہ قوم کی جا بجا تعریف کی گئی ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ	محمد اللہ کے رسول ہیں آپ کے ساتھی کفار کے
عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا	مقابلہ میں سخت اور آپس میں نرم ہیں ہر وقت
سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا	رکوع و سجود میں پڑے اللہ سے فضل و رحمت
سِيْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط	مانگتے رہتے ہیں۔ جبیں پر آثار سجود ہیں ان کے
ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ط	حالات تورات وانجیل میں بھی مذکور ہیں۔ یہ قوم
كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ	اس کھیتی کی طرح ہے جس نے پہلے ایک ڈنڈی
فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ	نکالی جو مضبوط ہو کر موٹی ہو گئی یہاں تک کہ اپنے
لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط الخ.	بل پر سیدھی کھڑی ہو گئی اس کھیتی کو دیکھ کر کسان
(سورہ فتح. ۲۹)	خوش ہوا اور کفار جل مرے۔

یہ اسلامی کھیتی کس طرح پھلی پھولی اور اس کی شاخیں کہاں کہاں تک پھیلیں، جدول ذیل میں ملاحظہ ہو:

نمبر	سلسلہ سلاطین	تعداد ملوک	پایہ تخت	سال ابتداء	سال اختتام	عرصہ حکومت
۱	خلفائے راشدین	۴	مدینہ	۱۱ھ	۴۰ھ	۳۰ سال
۲	امیہ	۱۴	دمشق	۴۱ھ	۱۳۲ھ	۹۱ سال
۳	عباسیہ	۳۷	بغداد	۱۳۲ھ	۶۵۶ھ	۵۲۴ سال
۴	امیہ (سپین)	۲۳	قرطبہ	۱۳۸ھ	۴۲۲ھ	۲۸۴ سال
۵	الحمودیہ "	۱۲	مالقہ	۴۰۷ھ	۴۳۹ھ	۳۲ سال
۶	" "	۲	الجزیرہ	۴۳۱ھ	۴۵۰ھ	۱۹ سال
۷	العبادیہ "	۳	اشبیلیہ	۴۱۴ھ	۴۸۴ھ	۷۰ سال
۸	الزیریہ "	۵	غرناطہ	۴۰۳ھ	۴۸۳ھ	۸۰ سال
۹	الجہوریہ "	۳	قرطبہ	۴۲۲ھ	۴۶۱ھ	۴۹ سال
۱۰	ذوالنونیہ "	۳	طلیطلہ	۴۲۷ھ	۴۷۸ھ	۵۱ سال
۱۱	العامریہ "	۷	ذوالفقیہ	۴۱۲ھ	۴۷۸ھ	۶۶ سال
۱۲	تجیبی "	۹	مرقوسہ	۴۱۰ھ	۵۳۶ھ	۱۲۶ سال
۱۳	ملوک دانیہ	۲	دانیہ	۴۰۸ھ	۴۶۸ھ	۶۰ سال
۱۴	بنی نصر "	۲	غرناطہ	۶۲۹ھ	۸۹۷ھ	۱۶۸ سال
۱۵	الادارسہ (افریقہ)	۱۰	مراکش	۱۷۲ھ	۳۷۵ھ	۲۰۳ سال
۱۶	الاغالبہ "	۱۱	ٹیونس	۱۸۴ھ	۲۹۶ھ	۱۱۲ سال
۱۷	زیریہ "	۸	ٹیونس	۳۶۲ھ	۵۴۳ھ	۱۸۱ سال
۱۸	بنوحماد (الجزائر)	۹	جزائر	۴۳۸ھ	۵۴۸ھ	۱۱۰ سال
۱۹	مرابطون (الجزائر)	۶	مراکش وغیرہ	۴۴۸ھ	۵۴۱ھ	۹۳ سال

۲۰	الموحدون (افریقہ)	۱۳	شمالی افریقہ	۵۲۴ھ	۶۶۸ھ	۱۴۴ سال
۲۱	بنوزیان "	۹	جزائر الغرب	۶۳۳ھ	۷۹۶ھ	۱۶۳ سال
۲۲	بنومرین "	۲۹	مراکش	۵۹۱ھ	۸۷۵ھ	۲۸۴ سال
۲۳	الشرفا "	۲۵	مراکش	۹۵۱ھ	جاری ہے	جاری ہے
۲۴	الطولونیہ "	۵	مصر	۲۵۴ھ	۲۹۲ھ	۳۸ سال
۲۵	اخشیدیہ "	۵	مصر	۳۲۳ھ	۳۵۸ھ	۳۵ سال
۲۶	فاطمیہ "	۱۴	قاہرہ	۲۹۷ھ	۵۶۸ھ	۲۷۱ سال
۲۷	الیوبیہ "	۴۵	قاہرہ شام وغیرہ	۵۶۴ھ	۶۴۸ھ	۸۴ سال
۲۸	ممالیک البحر "	۳۰	"	۶۴۸ھ	۷۶۲ھ	۱۴۴ سال
۲۹	بنوحفص "	۲۳	ٹیونس	۶۲۵ھ	۹۴۱ھ	۳۱۶ سال
۳۰	ممالیک برجی	۲۴	قاہرہ	۷۸۴ھ	۹۲۲ھ	۱۳۸ سال
۳۱	خدیویہ	۱۰	"	۱۲۲۰ھ	۱۲۷۲ھ	ـ
۳۲	زیادیہ	۵	زبید (یمن)	۲۰۴ھ	۴۰۹ھ	۲۰۵ سال
۳۳	یعفوریہ	۱۰	صنعا	۲۴۷ھ	۳۴۵ھ	۹۸ سال
۳۴	نجاحیہ	۸	زبید "	۴۱۲ھ	۵۵۳ھ	۱۴۲ سال
۳۵	صلیحیہ	۳	صنعا "	۴۲۹ھ	۴۹۵ھ	۶۶ سال
۳۶	ہمدانیہ	۸	" "	۴۹۲ھ	۵۶۹ھ	۷۷ سال
۳۷	مہدیہ	۳	زبید "	۵۵۴ھ	۵۶۹ھ	۱۸ سال
۳۸	زریعیہ	۸	عدن	۴۷۶ھ	۵۶۹ھ	۹۳ سال

۳۹	رسولیہ	۱۷	یمن	۶۲۶ھ	۸۵۸ھ	۲۳۲سال
۴۰	ایوبیان (یمن)	۶	"	۵۶۹ھ	۶۲۵ھ	۵۶سال
۴۱	طاہریہ	۴	"	۸۵۰ھ	۹۲۳ھ	۷۳سال
۴۲	الائمۃ الرسیہ	۱۷	صعدہ (یمن)	۲۸۰ھ	۷۰۰ھ	۴۲۰سال
۴۳	ائمہ صنعا		صنعا	۱۰۰۰ھ	جاری ہے	جاری ہے
۴۴	حمدانیہ	۹	موصل	۳۱۷ھ	۳۹۴ھ	۷۷سال
۴۵	مرادسیہ	۷	حلب	۴۱۴ھ	۴۷۲ھ	۱۰۳سال
۴۶	عقیلیہ	۱۱	موصل	۳۸۶ھ	۴۸۹ھ	۱۰۹سال
۴۷	مروانیہ	۵	دیار بکر (شام)	۲۸۰ھ	۴۸۹ھ	۱۰۹سال
۴۸	مزیدیہ	۸	الحلّہ	۴۰۳ھ	۵۴۵ھ	۱۴۲سال
۴۹	دلفیہ	۵	کردستان	۲۱۰ھ	۲۸۵ھ	۷۵سال
۵۰	ساجیہ	۴	آذربائیجان	۲۶۸ھ	۳۱۸ھ	۵۵سال
۵۱	علویہ	۵	طبرستان	۲۵۰ھ	۳۱۶ھ	۶۶سال
۵۲	طاہریہ	۵	خراسان	۲۰۵ھ	۲۵۹ھ	۵۴سال
۵۳	صفاریہ	۳	فارس	۲۵۴ھ	۳۹۰ھ	۱۳۶سال
۵۴	سامانیہ	۱۰	ترکستان	۲۶۱ھ	۳۸۹ھ	۱۲۸سال
۵۵	خانات ایلاک	۲۶	ترکستان	۳۲۰ھ	۵۶۰ھ	۲۴۰سال
۵۶	زیادیہ	۶	جرجان	۳۱۶ھ	۴۳۴ھ	۲۱۸سال
۵۷	حسنویہ	۳	کردستان	۳۴۸ھ	۴۰۶ھ	۵۸سال
۵۸	بویہیہ	۲۷	عراق وغیرہ	۳۲۰ھ	۴۴۸ھ	۱۲۸سال
۵۹	کاکوی	۲	کردستان	۳۹۸ھ	۴۴۳ھ	۴۵سال
۶۰	کاکوی	۵۱	مغربی ایشیا	۴۲۹ھ	۷۰۰ھ	۲۷۱سال
۶۱	دانشمندیہ	۵	ملاطیہ وغیرہ	۴۹۰ھ	۵۶۰ھ	۷۰سال

۶۲	اتابکہ بوری	۶	دمشق	۴۹۷ھ	۵۴۶ھ	۵۲سال
۶۳	زنگی	۲۰	شام وغیرہ	۵۲۱ھ	۶۴۸ھ	۱۲۷سال
۶۴	امرائے بلتگینی	۳	اربلا	۵۳۹ھ	۶۳۰ھ	۵۱سال
۶۵	امرائے ارتقیہ	۲۵	دیارِ بکر وغیرہ	۴۹۵ھ	۸۱۱ھ	۳۱۶سال
۶۶	شاہانِ ارمینیہ	۸	ارمینیہ	۴۹۳ھ	۶۰۴ھ	۱۱۱سال
۶۷	امرائے آذربائیجان	۵	آذربائیجان	۵۳۱ھ	۶۲۲ھ	۱۹سال
۶۸	سلغریہ	۹	فارس	۵۴۳ھ	۶۸۶ھ	۱۴۳سال
۶۹	ہزار اسپیہ	۱۴	ورستان	۵۴۳ھ	۷۴۰ھ	۱۹۷سال
۷۰	شاہانِ خوارزم	۸	خوارزم	۴۷۰ھ	۶۲۸ھ	۱۵۷سال
۷۱	خانانِ قتلغیہ	۸	کرمان	۶۱۹ھ	۷۰۳ھ	۸۴سال
۷۲	آلِ عثمان	۳۷	قسطنطنیہ	۶۹۹ھ	۱۳۳۶ھ	ـــ
۷۳	خانانِ مغول	۳۴	رنگاریہ وغیرہ	۶۰۳ھ	۱۰۴۳ھ	۴۴۰سال
۷۴	مغول فارس	۱۷	فارس	۶۵۴ھ	۷۵۰ھ	۹۶سال
۷۵	خانانِ اُردو	۴۰	شمال جیحون	۶۲۱ھ	۹۰۷ھ	۲۸۶سال
۷۶	خانانِ القرم	۶۲	القرم	۸۲۳ھ	۱۱۹۷ھ	۳۷۴سال
۷۷	خانانِ چغتائی	۲۸	ترکستان	۶۲۴ھ	۷۶۰ھ	۱۳۶سال
۷۸	جلائری	۶	عراق	۷۳۶ھ	۸۱۴ھ	۷۸سال
۷۹	مظفری	۶	فارس وغیرہ	۷۱۳ھ	۷۹۵ھ	۸۲سال
۸۰	سربداری	۱۲	خراسان	۷۳۷ھ	۷۸۳ھ	۴۶سال
۸۱	کرتی	۸	ہرات	۶۴۳ھ	۷۹۱ھ	۱۴۸سال
۸۲	قراقویونلو	۵	آذربائیجان	۷۸۰ھ	۸۷۴ھ	۹۴سال
۸۳	امرائے آق قویونلو	۱۲	آذربائیجان	۷۸۰ھ	۹۰۸ھ	۱۲۸سال
۸۴	شاہانِ ایران	۲۳	طہران	۹۰۷ھ	جاری ہے	جاری ہے

۸۵	تیموری	۱۱	ترکستان	۷۷۱ھ	۹۰۶ھ	۱۳۵سال
۸۶	شیبانی	۲۰	ترکستان	۹۰۶ھ	۱۰۰۷ھ	۱۰۱سال
۸۷	امرائے منگیت	۶	ترکستان	۱۲۰۰ھ	۱۲۸۴ھ	۸۴سال
۸۸	شاہان خیوا	۳۵	ترکستان	۹۲۱ھ	۱۲۸۹ھ	۶۸سال
۸۹	شاہانِ خوقند	۱۹	ترکستان	۱۱۱۲ھ	۱۲۹۳ھ	۱۸۱سال
۹۰	جانی	۱۱	استرخان	۱۰۰۷ھ	۱۲۰۰ھ	۱۹۳سال
۹۱	غزنوی	۲۲	افغانستان وپنجاب	۳۵۱ھ	۵۸۲ھ	۲۳۱سال
۹۲	غوری	۱۰	افغانستان وہند	۵۴۳ھ	۶۱۲ھ	۶۹سال
۹۳	سلاطین دہلی	۳۸	دہلی	۶۰۲ھ	۹۶۲ھ	۳۶۰سال
۹۴	ملوک بنگال	۵۹	کلکتہ	۵۹۹ھ	۹۸۴ھ	۳۸۵سال
۹۵	ملوک جونپور	۶	جونپور	۷۹۶ھ	۹۰۵ھ	۱۰۹سال
۹۶	ملوکِ مالوہ	۷	مالوہ	۸۰۴ھ	۹۳۷ھ	۱۲۳سال
۹۷	گجرات	۱۴	گجرات	۷۹۹ھ	۹۸۰ھ	۸۱سال
۹۸	خاندیس	۱۱	خاندیس	۸۰۱ھ	۱۰۰۸ھ	۲۰۷سال
۹۹	ملوک بہمنی	۱۸	دکن	۷۴۸ھ	۹۳۳ھ	۱۸۵سال
۱۰۰	ملوک عمادیہ	۵	برار	۸۹۰ھ	۹۸۰ھ	۹۰سال
۱۰۱	ملوک کشمیر		کشمیر	۷۳۵ھ	۹۹۵ھ	۲۶۰سال
۱۰۲	ملوک نظامیہ	۱۰	احمدنگر	۸۹۶ھ	۱۰۰۴ھ	۱۰۸سال
۱۰۳	ملوک برید	۵	برید	۸۹۷ھ	۱۰۱۸ھ	۱۲۱سال
۱۰۴	ملوک عادلہ	۸	بیجاپور	۸۹۵ھ	۱۰۹۷ھ	۲۰۲سال
۱۰۵	ملوک قطبیہ	۵	گولکنڈہ	۹۱۸ھ	۱۰۹۸ھ	۱۸۰سال
۱۰۶	ملوک مغل	۲۱	دہلی	۹۳۲ھ	۱۲۷۵ھ	۳۴۳سال
۱۰۷	افغانستان	۱۶	کابل	۱۱۶۰ھ	جاری ہے	جاری ہے

۱۰۸	سلطنتِ سعودیہ	۱	ریاض	۱۳۴۲-۴۳ھ	جاری ہے	جاری ہے
۱۰۹	ملوکِ عراق	۳	بغداد	۱۳۳۸-۳۹ھ	جاری ہے	جاری ہے
۱۱۰	پاکستان		کراچی	۱۳۶۶ھ	جاری ہے	جاری ہے
۱۱۱	انڈونیشیا		جارا	۱۳۶۸ھ	جاری ہے	جاری ہے

نوٹ:۔ یہ معلومات صحیح ترین اور بہترین ماخذ سے حاصل کی گئی ہیں۔

۱۔ ہٹلر نے پولینڈ کو ۱۸ یوم، ناروے، ڈنمارک اور لکسمبرگ کو صرف ایک دن، ہالینڈ کو پانچ دن بلجیم کو ۱۳ دن، فرانس کو ۱۲ یوم اور یونان و یوگوسلاویہ کو تین ہفتوں میں مٹا دیا تھا اور چھ برس کی جنگ ۱۹۳۹ء-۱۹۴۵ء) کے بعد خود بھی تباہ ہو گیا۔ برقؔ

۲۔ حضرت نوحؑ کو بھی حکم دیا گیا تھا کہ وَاصۡنَعِ الۡفُلۡكَ ...... فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ (ہود ۳۷ تا ۴۰) کشتی بناؤ.........اور اس میں ہر جنس کا جوڑا رکھ لو۔ (برقؔ)

۳۔ محرم ۱۳۷۲ھ میں سلسلہ خدیویہ کے آخری فرمانروا شاہ فاروق کو جنرل محمد نجیب نے مصر سے نکال کر جمہوریہ کی بنا ڈال دی۔

۴۔ آلِ عثمان کا سلسلہ ۱۹۱۸ء میں ختم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مصطفیٰ کمال اتاترکؒ نے اتحادی اقوام کو ترکی سے نکال کر ایک جمہوریہ کی بنیاد ڈال دی جس کا پہلا صدر خود اتاترک تھا۔ دُوسرا عصمت انونو اور آج کل ۱۹۵۳ء میں کمال بائر ہے۔ برق

۵۔ نمبر ۱۰۸ و نمبر ۱۰۹ کی تواریخ قیاساً درج کر دی گئی ہیں۔ ممکن ہے اصلی تواریخ اور ان میں کچھ اختلاف ہو۔

باب ۱۲

بعض سورتوں کے مطالب

وَالْفَجْرِ

جب ایک ملزم کے پاس اپنی مدافعت کے لیے کوئی شہادت موجود نہیں ہوتی تو وہ اللہ کی قسم کھا کر اپنی برأت ثابت کیا کرتا ہے۔ بہ دیگر الفاظ وہ اللہ کی شہادت پیش کرتا ہے، اس لیے قسم کے معنی ہوں گے، شہادت، دلیل اور ثبوت:

وَالْفَجْرِ ○ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ○ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ○ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ○ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ○ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ○ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ○

(فجر ۱ تا ۷)

تشریح الفاظ:۔ الفجر: اس فجر سے مراد صبح ہے۔

لیال عشر: دس راتوں سے مراد حج کی راتیں ہیں۔ ہمارے ہاں حج کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس لیے کہ تمام مسلمانانِ عالم کے نمائندے ایک لباس میں ایک مرکز پر جمع ہو کر ہر سال اپنی طاقت، وحدت اور تنظیم کا مظاہرہ کیا کرتے ہیں۔

الشفع: جفت اعداد۔

الوتر: وہ اعداد جو دو پر تقسیم نہ ہو سکیں۔ یعنی لعاد، جس طرح کہ ایک سے ایک مل جائے تو گیارہ بن جاتا ہیں۔ اسی طرح آغازِ اسلام میں مسلمان منظم و متحد ہو کر ایک مہیب طاقت بن گئے تھے اور آج منتشر ہو کر پٹ رہے ہیں۔ اعداد کے ذکر میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے کہ مسلم الجبرا کے موجد ہوں گے۔ انقلاب زمانہ دیکھئے کہ آج یونیورسٹی امتحانات میں مسلمانوں کی کثرت حساب ہی میں فیل ہوتی ہے۔

ارم ذات العماد: تمام عرب ارم بن سام کی اولاد ہیں اور عاد ثمود اسلاف عرب تھے، جو عراق سے ہجرت کر کے عرب میں پہنچے تھے۔ عرب کی ایک شاخ عمالقہ کے سوا باقی تمام

شاخیں مٹ چکی ہیں۔ یہ عمالقہ عراق و مصر پر ۳۴۶۰ سے ۲۸۱ ق م تک حکمران رہے اور رعاۃ کہلائے۔ عراق پر مختلف زمانوں میں مختلف اقوام حکمران رہیں۔ مثلاً: ماربین، کلدانی، اشوری، دولۃ البابلیہ۔

الاولیٰ: مؤخرالذکر خالص عربوں کی حکومت تھی جس کے فرماں رواؤں کی تعداد گیارہ تھی۔ ان میں سے ایک کا نام حمورابی تھا، جو مسیحؑ سے تئیس برس پہلے گزرا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اسی عہد میں پیدا ہوئے تھے۔ اس کی حکومت کے ضابطۂ قوانین (جس میں دوسو تراسی قوانین ہیں) کا ایک نسخہ ۱۹۰۱ء میں بلادِ سوس میں دستیاب ہوا تھا، یہ پتھر کی سات قدم لمبی ایک سل پر مسماری حروف میں منقوش تھا۔ طسم اور جدیس بھی انہی عربوں میں سے تھے۔

عادؑ و ثمود ۳۳۴ ق م میں عرب میں داخل ہوئے اور یمن میں ایک حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جو دولۃ معینیین کے نام سے مشہور ہوئی، یہ حکومت سبا رحیر کی حکومت سے بڑی تھی۔ اس کے دوسو تینتیس کتبے ایک انگریز سیاح ہیلف کے ہاتھ لگے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکومت خلیج فارس سے بحرابیض کے سواحل تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اسے آخر میں قحطانیوں نے تباہ کیا تھا۔

بعض مؤرخین کا خیال یہ ہے کہ اہرام مصر عادی فرمانرواؤں کے تیار کردہ ہیں۔ اور غالباً اس آیت ارم ذات العماد میں عماد سے مراد یہی اہرام مصر ہیں۔

ترجمہ آیت: ''صبحِ رسالت کا طلوع، تنظیم واتحاد کی دس راتیں، آحاد وازواج کا سلسلہ اور کفر کی بیتی ہوئی رات شاہد ہے۔ کیا اہل دانش کے لیے یہ شہادت کافی نہیں کہ بدکار کا انجام برا ہوگا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے مینار بنانے والے عادارم کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔''

مطلب یہ ہے کہ صبح رسالت طلوع ہو چکی ہے۔ مسلمان ایک مرکز پر جمع ہو کر متحد ہو رہے ہیں، ایک سے دو اور دو سے چار بن رہے ہیں۔ علوم وفنون کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔ کفر و شرک کی ظلمتیں چھٹ رہی ہیں تو کیا ان حالات میں وہ اقوام زندہ رہ سکتی ہیں جن میں تنظیم نہیں، وحدت نہیں، رسول ﷺ مقبول جیسا کوئی رہبر نہیں اور علوم کی طرف توجہ نہیں؟ اہلِ دانش کو یہ یقین

تھا کہ یہ تمام اقوام عادارم کی طرح پھٹ جائیں گی اور آخر ایسا ہی ہوا۔

جس طرح ایک کے عدد سے لا متناہی اعداد بنے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اسی طرح ایک خدا سے لاکھوں قسم کے موجودات نکلے اور پھر بھی وہ ایک کے ہندسے کی طرح بے تغیر و تبدل موجود ہے۔

ایک کا کوئی جزو نہیں اور نہ دیگر غیر متناہی اعداد میں اس کی کوئی اور مثال موجود ہے بس یہی حال اللہ کا ہے کہ غیر منقسم بھی ہے اور بے مثال بھی۔

ایک کا عدد تمام دیگر اعداد کا منبع ہے، اسے مٹا دیجئے تو دیگر اعداد خود بخود مٹ جائیں گے لیکن اگر باقی تمام اعداد مٹ جائیں تو بھی ایک کا عدد باقی رہے گا۔ یہی تعلق خدا اور کائنات کا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ○ (الرحمٰن . ۲۶. ۲۷) تمام موجودات فنا ہو جائیں گے لیکن بزرگ و برتر رب باقی رہے گا۔

الذّاریات:

جب آفتاب پانی پر چمکتا ہے تو پانی بخارات کی صورت بدل کر اوپر چلا جاتا ہے، وہاں سے برستا ہے تو زمین پر ہر سو چمن زار کھل جاتے ہیں۔ دریاؤں، نالوں اور ندیوں میں طغیانی آ جاتی ہے۔

رسول ایک آفتاب ہوتا ہے جو انسانی دنیا پر چمک کر قابل، کارکن اور سلیم الفطرت افراد و اقوام کو اخلاقی، تمدنی و سیاسی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے، جہاں سے وہ بارانِ رحمت بن کر برستے ہیں۔ ہر طرف لالہ زار کھل جاتے ہیں اور کاہل و بے کار لوگ خس و خاشاک کی طرح اس سیلاب میں بہہ نکلتے ہیں۔

آغازِ آفرینش سے اب تک ضابطۂ اخلاق ایک رہا ہے۔ گو صحفِ مقدسہ کی بعض فروعی ہدایات ایک دوسرے سے مختلف تھیں لیکن اصول سب کے ایک تھے۔ فضا میں کروڑوں بڑے بڑے آفتاب گزرگاہوں پر نہایت تن دہی سے گھوم رہے ہیں، ان کی حرکات ایک دوسرے سے

مختلف ہیں لیکن سب کے سب ایک ہی آئین کو نباہ رہے ہیں، اسی طرح تمام انبیائے کرام بعض فروعی اختلافات کے باوجود ایک ہی امر عظیم کی طرف دعوت دیتے رہے اور ایک ہی آئین کو مختلف عبارتوں اور زبانوں میں پیش فرماتے رہے اگر حرکاتِ نجوم کے اختلاف پر نکتہ چینی کی کوئی گنجائش نہیں تو پھر مصلحین کرام کی مقدس تعلیم پر جہاں اختلاف محض جزوی و فروعی ہے، یہ سر پھٹول کیوں ہو؟

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا o فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا o فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا o فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا o اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ o وَاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ o وَ السَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ o اِنَّكُمْ لَفِىْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ o (الذاریات. ۱ تا ۸)

قسم ہے ان ہواؤں کی جو ذرات کو تکوینِ باراں کے لیے اڑا لے جاتے ہیں جو بادلوں کی ایک دنیا کندھوں پر لیے پھرتی ہیں جو کسی روک ٹوک کے بغیر چلتی اور ہر طرف قطرات باراں کو تقسیم کرتی پھرتی ہیں کہ تم سے جو وعدے کیے گئے ہیں وہ پورے ہوں گے اور جزا و سزا کا آئین پورا ہو کر رہے گا۔ مختلف گزرگاہوں والے آسمان کی قسم کہ تم تعلیم انبیاء کے متعلق خواہ مخواہ اختلاف میں پڑے ہوئے ہو۔

الطور:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر اس لیے تشریف لے گئے تھے کہ نجاتِ انسانی کا ضابطہ حاصل کریں اور اسی مقصد کے لیے ہزارہا انبیاء گلۂ آدم کی طرف مبعوث ہوئے تھے، کعبہ کی تعمیر کا مقصد بھی یہی تھا کہ طبقاتِ انسانی ایک مرکز پر جمع ہو کر وسائلِ امن و سلام پر غور کریں یہ فضاؤں میں سیاروں کا محیر العقول نظام ہماری تربیت کے لیے ہے۔ بطنِ زمین میں کھولتے ہوئے سمندر اسی لیے رکھے گئے ہیں کہ وقتاً فوقتاً ابل کر مکونات ارضی کے ذخائر ہم تک پہنچائیں۔

کہو کہ کیا ان بے شمار نعمتوں کو استعمال کرنے والے انسان سے اس کے اعمال کا حساب نہیں لیا جائے گا؟ کیا ضوابطِ انبیاء کے منکر، استعمال کعبہ سے نا آشنا، آفتاب و ماہتاب کے پکائے ہوئے پھل کھا کر غافل سو جانے والا انسان پاداشِ عمل سے بچ جائے گا؟ ہرگز نہیں!

وَالطُّوْرِ ٥ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ٥ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ٥ وَالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ ٥ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ٥ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ٥ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ٥ مَالَهٗ مِنْ دَافِعٍ ٥

کوہِ طور کی قسم کھلے کاغذات میں لکھی ہوئی کتاب (قرآن اور دیگر صحائف جو اتحادِ تعلیم کی وجہ سے ایک ہی کتاب سمجھے جاتے ہیں) کی قسم، آباد کعبہ کی قسم، اس بلند آسمان اور ابلتے ہوئے سمندر کی قسم کہ اللہ کا عذاب آیا ہی چاہتا ہے، جسے روکنے والا کوئی نہیں۔ (طور ۱۔۸)

والنجم:

جس طرح ہر ستارہ انسانی دنیا کا رہبر ہے، اسی طرح آنحضرت صلعم ابنِ آدم کے ہادی ومعلم تھے۔ جس طرح ستارہ نور وضیا کا منبع ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ نورِ ہدایت کے مصدر تھے، جس طرح ستارہ اپنی گزرگاہ پر سیدھا جاتا ہے اسی طرح رسولؐ اللہ کے معین کردہ صراطِ مستقیم پر سیدھے چلتے رہے۔ جس طرح کہ ہر ستارے کی حرکت پر ایک نگران موجود ہے، اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی اللہ کی نگرانی میں تھے اور جس طرح ستارہ غروب تو ہوتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ بعد از مرگ بھی اپنی بے پناہ تعلیم اور کروڑوں نام لیواؤں کی بدولت زندہ ہیں۔ آپ ﷺ نے جس عظیم الشان شہنشاہیت کی بنیاد ڈالی تھی، اس کے چند در و دیوار بدستور موجود ہیں۔ آپ ﷺ کی بنائی ہوئی بین الملی جمہوریت آج پھر زندہ ہو رہی ہے اور دنیا چوٹ کھا کر آپ ﷺ کے اصولوں کی طرف دوبارہ لوٹ رہی ہے۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ٥ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی ٥ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ٥ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ٥ (نجم۔۱۔۴)

ھویٰ کے معنی لغت میں طلوع وغروب ہر دو ہیں۔ ھویٰ ھویا اذا غرب و ھویا اذا علا و صعد۔

ترجمہ آیت: ''قسم ہے ستارے کی جب وہ افق سے نکل کر اپنی گزرگاہ پر سیدھا چل

پڑے کہ تمہارا دوست (رسولؐ) اپنی سیدھی راہ سے ذرہ برابر نہیں بھٹکا۔ وہ تم سے کوئی من گھڑت باتیں نہیں کہتا بلکہ ہمارا دیا ہوا پیغام سناتا ہے۔"

ایک ارادت مند یا سعادت مند شاگرد اپنے استاد کے اخلاق واطوار سے بسا اوقات یہاں تک متاثر ہوتا ہے کہ استاد کا اسوہ عمل اس کی زندگی کے ہر پہلو پر چھا جاتا ہے اور ہر بات میں اپنے استاد کی نقل کرتا ہے۔

ہمارے سامنے آنحضرت ﷺ جیسا شاگرد ہے اور خود خالقِ کائنات معلم۔ یہ شاگردی استادی کا سلسلہ پہلے بذریعہ نامہ و پیام شروع ہوا اور پھر یہ ایک دوسرے کے اس قدر قریب آگئے کہ درمیان میں صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ٥ ذُوْمِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ٥ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ٥ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ٥ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ٥ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ٥ (النجم. ۵. ۱۰)

مفسرین کرام نے شدید القویٰ سے مراد جبریل لیے ہیں اور فاوحیٰ الی عبدہ میں کا فاعل اللہ قرار دیا ہے جو محض تکلف ہے۔ میری ناقص رائے میں اگر شدید القویٰ سے اللہ مراد لیا جائے تو تفسیر میں زیادہ حسن پیدا ہو جاتا ہے اور فاوحی کا فاعل بھی تلاش کرنے سے نجات مل جاتی ہے۔

ترجمہ آیت: آنحضرت ﷺ کو طاقت ور اور پر ہیبت رب نے تعلیم دی (پر ہیبت استاد سے طلبہ زیادہ مستفیض ہوتے ہیں) اللہ ایک بلند افق پر جلوہ فرما تھا جہاں سے وہ نیچے اترا اور قریب آتا گیا۔ یہاں تک کہ استاد شاگرد میں صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے پیارے بندے کو جو سمجھانا تھا سمجھایا۔

سورۃ البلد:

(الف) مکہ مکرمہ زمانۂ جاہلیت میں بھی بیت اللہ سمجھا جاتا تھا جہاں شکار قتل اور جھگڑا ممنوع تھا لیکن اہل مکہ اسی شہر میں آنحضرت ﷺ کو ایذا پہنچاتے تھے۔ اگر دنیا کے مقدس ترین شہر

میں ایک مقدس ترین انسان، انسانی دست درازیوں سے محفوظ نہ رہ سکا تو دنیا کی باقی بستیوں میں عام انسانوں پر کیا بیت رہی ہوگی؟

(ب) انسانی ولادت پر غور کرو، انسان ظلمت شکم میں نو ماہ تک رہنے کے بعد کس تکلیف سے جنم لیتا ہے اور کتنی مصیبتوں کے بعد پلتا ہے۔ زندگی کا کوئی مرحلہ دکھ درد سے خالی نہیں، عیالداری کی الجھنیں، طلب علم وتلاش کی صعوبتیں اور قلبہ رانی و بار برداری کی مصیبتیں تادم واپسیں پیچھا نہیں چھوڑتیں تو پھر انسان جو جفاؤں کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے، کیوں نہ ذرا اور دکھ اٹھا کر سعادتِ جاوداں کی گھاٹی پر چڑھنے کی کوشش کرے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ.

(ج) انسان کی تمام زندگی تلاش سکون میں کٹ جاتی ہے لیکن یہ نعمت اسے پھر بھی حاصل نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ انسانی سعادت وشقاوت کی باگ ڈور کسی اور طاقت کے ہاتھ میں ہے۔ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ (البلد۔۵)

(د) انسان ہمیشہ شکایت کیا کرتا ہے کہ اس نے لاکھوں روپے کمائے لیکن اطمینان کی دولت سے پھر بھی محروم رہا۔ کاش! اسے معلوم ہوتا کہ اطمینان فراوانی دولت سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ نعمت اعضاء و جوارح کے صحیح استعمال سے میسر ہوتی ہے۔ اعضاء کا صحیح استعمال کیا ہے؟ اس کا جواب صحفِ سماویہ کے علاوہ خود انسانی ضمیر میں بھی موجود ہے۔ وھدیناہ النجدین۔ ہم نے انسان کو سعادت وشقاوت کی دونوں راہیں دکھا دی ہیں۔

(ہ) دنیا کے بڑے بڑے مصلح بے شمار جسمانی اذیتیں سہتے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے لیکن پھر بھی خوش تھے یہ اس لیے کہ وہ اعضاء کا صحیح استعمال کرنے کے بعد اطمینان قلبی کی نعمت سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔

لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ o وَاَنْتَ حِلٌّۢ
بِھٰذَا الْبَلَدِ o وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ o لَقَدْ
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ o
اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْہِ اَحَدٌ o
یَقُوْلُ اَھْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًا o اَیَحْسَبُ
اَنْ لَّمْ یَرَہٗٓ اَحَدٌ o اَلَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ
عَیْنَیْنِ o وَلِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ o وَ
ھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ o فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَۃَ
وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَۃُ o فَکُّ رَقَبَۃٍ o اَوْ
اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَۃٍ o یَّتِیْمًا
ذَا مَقْرَبَۃٍ o اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ o
ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا
بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَۃِ o
اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ o وَالَّذِیْنَ
کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا ھُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ
o عَلَیْھِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَۃٌ o (بلد)

قسم ہے مکہ کی اور تم مکہ میں عنقریب فاتحانہ داخل ہوا
چاہتے ہو (پیشگوئی) اور قسم ہے جننے والی ماں اور جنے
ہوئے بچے کی ہم نے انسانوں کو دکھوں میں پیدا کیا ہے
انسان کا یہ خیال کہ اس پر کسی کو قدرت حاصل نہیں غلط
ہے۔ وہ چلاتا ہے کہ اس نے بے شمار دولت ضائع کی
لیکن اسے چین نہ ملا کیا وہ سمجھتا کہ اس کی کوششوں پر کوئی
نگران موجود نہیں؟ وہ کیوں اپنے اعضاء کو صحیح طور پر
استعمال نہیں کرتا؟ کیا ہم نے اسے دو آنکھیں، زبان
اور ہونٹ بلا وجہ عطا کئے ہیں؟ اور سعادت و شقاوت کی
دو راہیں دکھانے کی خواہ مخواہ تکلیف کی ہے! افسوس کہ
انسان مسرت پائیدار کی گھاٹی پر نہ چڑھا۔ جانتے ہو کہ
یہ گھاٹی کیا ہے؟ غلام افراد و اقوام کو آزاد کرانا، رشتہ دار
یتیموں اور خاک آلود مسکینوں کو ایام قحط میں کھانا کھلانا
اور دنیا کو صبر و شفقت کا درس دینا کہ یہی لوگ نجات
پائیں گے اور ہمارے احکام کی مخالفت کرنے والے
عذاب جہنم کا شکار بنیں گے۔

الشمس:

فلاحِ انسانی کا انحصار تزکیۂ دل و دماغ پر ہے۔ یہ تزکیہ اعمالِ حسنہ اور مطالعۂ فطرت سے حاصل ہوتا ہے۔ آفتاب و ماہتاب کی نور پاشیاں اور ارض و سماء کے دیگر مناظر کا مطالعہ انسانی دل و دماغ پر وہ کیفیت خشیت و حیرت طاری کر دیتا ہے کہ طائرِ تخیل ان جمیل فضاؤں کو چیر کر خیام قدس تک پہنچنے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے جس طرح حسنِ کائنات آفتاب کا رہین منت ہے، اسی طرح بزمِ انسانی کی رونقیں تزکیۂ دل و دماغ پر موقوف ہیں جس طرح بادل نورِ آفتاب کو روک لیتے ہیں، اسی طرح گناہوں کی ظلمتیں انوارِ نفس کو ڈھانپ لیتی ہیں اور دنیائے دل ایک ظلمت کدہ بن کر رہ جاتی ہے۔ اعمالِ حسنہ میں سب سے بڑا عمل مطالعہ کائنات ہے کہ اس سے جہاں انسان

کی مخفی طاقتیں بے حجاب ہوتی ہیں۔ وہاں فطرت کا سب سے بڑا راز یعنی اللہ متلاشی نگاہوں کے سامنے عریاں ہو جاتا ہے۔

کنت کنز امخفیا فاردت ان اعرف مخلقت ادم. (حدیث) میں ایک مخفی خزانہ تھا، میں نے بے حجاب ہونا چاہا اس مقصد کے لیے انسان کو پیدا کر دیا۔

چونکہ فطرت میں نہایت حسین وجمیل مناظر بکھرے پڑے ہیں جن میں سے ہر ایک پر معبود ہونے کا دھوکا ہو سکتا ہے، اس لیے پیرو ابراہیمؑ کو مطالعہ کائنات کے وقت ابراہیمی نظر سے کام لینا ہوگا، نہ کہ مشرکانہ سطحیت سے کہ کبھی چاند کے سامنے سر جھکا دیا اور کبھی سورج کے سامنے۔

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٥ (آل عمران. ۹۵) تم خدا پرست ابراہیم کے پیچھے چلو اور یاد رکھو کہ وہ مشرک نہ تھا۔

وَالشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا ٥ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ٥ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ٥ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ٥ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ٥ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ٥ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ٥ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ٥ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ٥ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ٥ (الشمس. ۱. ۱۰) آفتاب، ضیائے آفتاب، اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے والے ماہتاب، کائنات کو بے نقاب کر دینے والے دن، روشنیوں پر حجاب پھینکنے والی رات ارض و سماء کے حسین وجمیل مناظر اور انسان کی فطرت کاملہ (جسے ہم نے گناہ ثواب کی تمام راہیں بتا دی ہیں) کی قسم کہ تزکیہ نفس باعثِ فلاح اور آلودگی نفس باعث خسران ونامرادی ہے۔

اللیل:

ہماری زمین فضائی دنیاؤں کے مقابلے میں ایک ذرہ دیمقراطیسی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ جب رات مناظر ارضی کو ڈھانپ لیتی ہے تو پہنائے فلک کی لامتناہی دنیاؤں کو عریاں کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس اگر دن زمینی نیرنگیوں کو بے حجاب کرتا ہے تو گردوں کے لاتعداد عوالم کو نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔

موت زندگی کی شام ہے جس کے آتے ہی اس دنیا کے مناظر اوجھل ہو جائیں گے اور وہ تمام اسرار جو نصف النہار حیات میں چشم بینا سے نہاں تھے، عیاں ہو جائیں گے۔

تھیں بنات النعش گردوں دن کے پردوں میں نہاں
شب کو اِن کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

(غالبؔ)

اللیل:

لیل ونہار اور مؤنث و مذکر کا اختلاف دراصل ایک اکمل واجمل نظام کا حامل ہے جس طرح یہ اختلاف حسنِ فطرت ہے، اسی طرح قبائل انسانی کے تنوع سے بزمِ انسان کی بہار قائم ہے۔ اقوام کا عمل، منہج، تمدن اور رنگِ تفکر ایک دوسرے سے جدا جدا ہے۔ اسی اختلاف سے روحِ مقابلہ زندہ ہے۔ ایک قوم کے عروج سے دوسری میں رشک پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر آج یہ جذبہ سرد پڑ جائے تو انسانوں کو دنیا ڈھوروں کی دنیا بن کر رہ جائے۔ اقوام وافراد ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش ترک کر دیں اور ہر سینے میں چراغ جستجو بجھ جائے۔

کامیابی کوشش کا نام ہے، جو لوگ تعمیری کوششوں میں جانی و مالی ایثار سے کام لیتے ہیں وہ کامران بن جاتے ہیں اور جو ان قربانیوں سے دور بھاگتے ہیں انہیں پیس دیا جاتا ہے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى o وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى o وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى o اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى o فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى o وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى o فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى o وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى o وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى o فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى o وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى o (اللیل۔ ۱ تا ۱۱)

سیاہ رات، روشن دن اور مونث و مذکر کے اختلاف کی قسم کہ تم انسانوں کے اعمال میں اختلاف ہے جس قوم یا فرد نے مالی قربانی کی، نافرمانی کے نتائج سے ڈرا اور حسنات کو اختیار کیا تو اسے راحت وسعادت نصیب ہوگی اور جس نے بخل سے کام لیا۔ قوانین فوز وفلاح سے بے پروائی برتی اور ہر اچھی ہدایت کو جھٹلایا تو ہم اسے مصائب کا شکار بنا دیں گے اور اس کی دولت اسے تباہی سے نہیں بچا سکے گی۔

الضحٰی:

حدیث میں مذکور ہے کہ کچھ عرصے کے لیے آنحضرت ﷺ پر وحی کا نزول بند ہو گیا تھا۔ اس سے آپ کی طبیعت مکدر رہنے لگی اور کفار طعنے دینے لگے کہ لو آپ کی رسالت ختم ہو گئی

ہے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ سورت نازل ہوئی۔

جس طرح دنیا میں لیل و نہار کا سلسلہ قائم ہے اور ہر دو الٰہی رحمت ہیں اسی طرح وحی کا آنا یومِ رسالت اور رک جانا شبِ رسالت ہے اور ہر دو رحمت ہیں۔

جس اللہ نے ایک یتیم پر اس قدر نوازشیں کیں کہ اسے پالا، دشمنوں سے بچایا۔ تاجِ رسالت سر پر رکھا اور چوپان سے سلطان عالم بنا ڈالا تو کیا آئندہ کے لیے اسے اپنی نوازشوں سے محروم کر دے گا۔

وَالضُّحٰی ○ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰی ○
مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ○
وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ○
وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ○
اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰی ○
وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ○ وَوَجَدَكَ
عَآئِلًا فَاَغْنٰی ○ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا
تَقْهَرْ ○ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ○
وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ○
(الضحیٰ)

روزِ روشن اور شب سیاہ کی قسم کہ اللہ نے نہ تو تمہیں رخصت کیا اور نہ وہ ناراض ہے تمہارا انجام آغاز سے بہتر ہوگا دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور تمہیں یوں کامیاب بنائے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے تم ایک یتیم تھے ہم نے تمہیں اپنی پناہ میں لیا۔ تم اصلاحِ قوم کے وسائل سوچنے میں حیران تھے اور اسی ایک خیال میں کھوئے تھے ضآلًا ہم نے تمہیں فوز و فلاح کے گر بتائے۔ فھدیٰ تم فقیر تھے اور ہم نے علم و سلطنت دے کر تمہیں دولتمند بنایا (تم یتیم رہ چکے ہو) اس لیے یتیموں پر رحم کھایا کرو۔ سائل کو مت ڈانٹو اور الٰہی نعمتوں کا ہر جگہ ذکر کیا کرو۔

التین:

انجیر (تین) سریع الہضم، ملین، محلل بلغم، گردوں کو صاف کرنے والا اور مثانہ کی ریت بہا لے جانے والا میوہ ہے۔ طور مشہور پہاڑ ہے جہاں حضرت کلیم کو اللہ سے شرف ہم کلامی حاصل ہوا تھا۔ پہاڑ عموماً معادن کے خزانے ہوتے ہیں لیکن طور مقامِ وحی بھی تھا۔ مکہ مولدِ رسولؐ اور مقامِ کعبہ ہے۔

اگر اللہ میووں، پہاڑوں اور شہروں کو منبع برکات بنا سکتا ہے تو کیا انسان کی تخلیق ہی ناقص ہوتا تھی۔

سرزمین بابل میں انجیر کی کثرت تھی اور یروشلم کے گرد و نواح میں زیتون کی فراوانی۔

طورِ کا تعلق حضرت موسیٰ اور مکہ کا آنحضرت ﷺ سے ہے۔ ان چار چیزوں کا ذکر فرما کر اللہ نے ہمیں ان چار انبیاء علیہم السلام کی طرف متوجہ کیا جو کفرستان میں پیدا ہونے کے باوجود اپنی بہترین فطرت کی بدولت شموس ہدیٰ بن کر چمکے۔ اگر انسان کی فطرت ناقص ہوتی تو یہ مصلحین کرام اس تاریک ماحول اور گناہ آلود دنیا میں باں آب وتاب کیونکر جلوہ گر ہوتے۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ (سرزمین) تین وزیتون اور طور و مکہ کی قسم کہ ہم وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ نے انسانوں کو بہترین فطرت کے ساتھ پیدا کیا فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ (التین) ہے۔

العلق

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (علق ۔ ۱ تا ۵)

علم الانسان میں اگر قلم کو علم کا فاعل سمجھا جائے تو تفسیر میں زیادہ حسن پیدا ہو جاتا ہے، یعنی قلم نے انسانوں کو وہ کچھ سکھایا جس سے وہ نا آشنا تھا۔ ظاہر ہے کہ تہذیب وتمدن کا ارتقاء قلم کا رہین منت ہے۔ اگر اسلاف کے افکار ہم تک بذریعہ قلم نہ پہنچتے تو ہم بدستور تہذیب کے ابتدائی مراحل میں ہوتے۔

''یہ وہ پہلی آیات ہیں جو آنحضرت ﷺ پر غارِ حرا میں نازل ہوئی تھیں۔ غور فرمائیے کہ اس پہلے سبق ہی میں کس زور سے کائنات کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تم اس رب کے نام سے پڑھو جس نے جونک سے انسان بنایا۔۔۔''

انسان ماں کے رحم میں ایک مرحلے پر جونک تھا۔ رفتہ رفتہ انسان بنا اور پھر مختلف مدارج تہذیب وتمدن سے گزر کر سلطنت ونبوت کے درجے تک پہنچا۔ تو کیا یہ ممکن نہیں کہ جاہل عرب وحشت وبربریت کی ظلمتوں سے نکل کر فلاح وہدیٰ کے جلوہ زاروں میں جا پہنچیں؟

ہم والد کی تعظیم اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمارا مربی اور بظاہر رزاق ہے۔ استاد کے سامنے اس لیے جھکتے ہیں کہ وہ اخلاق معلم ہے اور مرشد کا ادب اس لیے کہ وہ ہادی ورہبر ہے۔ اللہ تعالیٰ میں یہ تمام اوصاف بدرجہ کمال موجود ہیں۔ وہ ہمارا خالق ورزاق بھی ہے۔ ہادی رہبر بھی ہے

اور معلم ومربی بھی۔ اس لیے وہ بہت زیادہ تعظیم کے قابل ہے۔ وَرَبُّكَ الْاَكْرَام۔

اللہ نے قلم کی قسم کھائی اور انسانی ذہن و زبان کو نظر انداز کر دیا حالانکہ تحریر احساساتِ ذہنی ہی کی تصویر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذہنی تصورات مٹ جاتے ہیں اور تحریر باقی رہتی ہے۔ بہ دیگر الفاظ قلم انسانی افکار کا محافظ ہیں اور اس لیے اسے بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ آیات ایک طرح کی پیش گوئی معلوم ہوتی ہے کہ عرب بہت جلد سیاست وتمدن کے منازل طے کرنے کے بعد دنیا کے مسلم وہادی قرار پائیں گے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ بشارت کس طرح درست نکلی۔

ترجمہ آیت: پڑھ اور اس اللہ کا نام لے کر پڑھ جس نے انسان کو پہلے جونک اور پھر انسان بنایا۔ اس معزز ومنظم رب کا نام لے کر پڑھ جس نے قلم کو علم دیا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جس سے وہ نا آشنا تھا۔

القدر:

قدر کے معنی لغات میں یوں دیے گئے ہیں:

تقدیر، تکوین، تقسیم، تعیین، فیصلہ اور اندازہ وغیرہ۔

قرآن حکیم کا نزول بلا ریب تقسیم نعمت، تعیین صراط اور تکوین ملت کا پیغام تھا۔ بدکرداروں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا اٹل فیصلہ اور باطل اقوام کے لیے دنیوی واخروی کامرانیوں کا پُرزور اعلان تھا۔ اس محشر بدامن صحیفے کا مقصد سطح ارضی پر ایک زبردست اخلاقی وسیاسی انقلاب برپا کرنا تھا۔ پست کو بلند اور بلند کو پست بنانا تھا، اس لیے یہ کہنا غلط نہیں کہ قرآن کریم کا نزول ایک ایسی رات میں ہوا جو اقوام عالم کے لیے ایک فیصلہ کن رات تھی۔ قیصر وکسریٰ کے زوال اور پیروانِ رسولؐ کے عروج وارتقا کی رات تھی۔ اس رات کے پردوں میں سے سینکڑوں انقلابات وہیجانات اقوام مستقبل کو جھانک رہے تھے۔ نظم کہن ٹوٹ رہا تھا اور نظام نو کا آفتاب پوری شان وشکوہ کے ساتھ افقِ انسانیت سے طلوع ہو رہا تھا۔

اس وقت کفر وعصیان کی شب تاریک تمام عالم پر محیط تھی اور اس رات کے آخری حصے میں قرآنی روشنیاں الہامی بلندیوں سے برسنا شروع ہوئیں تو جو رات کہ اہل زمین کی طرف آسمانی

برکات کی بشارتیں لے کر آئی تھی وہ یقیناً ہزار مہینوں سے بہتر تھی .... خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ط
اَلْفِ شَهْرٍ (ہزار ماہ) سے مراد زمانۂ جاہلیت ہے۔ یوں تو یہ زمانہ کئی سو سال لمبا تھا، لیکن آخری اسی برس ہر لحاظ سے نہایت تاریک تھے۔ الفجر آنحضرت ﷺ نے ایک نوجوان قوم کی بنیاد ڈالی تھی۔ ہر چیز زندگی کے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد کامل بنتی ہے۔ گندم کا پودا چھ ماہ اور آم کا درخت آٹھ برس کے بعد مکمل ہوتا ہے۔ اقوام کی رفتارِ عروج بہت زیادہ صبر آزما اور سست ہوتی ہے۔ برطانیہ نو سو برس کے بعد ایک طاقتور سلطنت کا مالک بنا اور یہی حال دیگر اقوام کا ہے۔

اس حقیقت سے ایک عالم آشنا ہے کہ خاندان امیہ کے آخری دور میں اسلامی سلطنت کی سرحد میں مشرق میں ملتان اور مغرب میں رود بارِ انگلستان تک پھیل چکی تھیں۔ علوم وفنون کے چشمے پھوٹ رہے تھے اور بڑے بڑے محدث، منجم، مؤرخ اور فلسفی ابھر رہے تھے۔ پھر جب خاندان عباسیہ برسر اقتدار آیا تو صوم کا گویا ایک سیلاب امنڈ پڑا۔ ہزارہا اہل قلم نے جنم لیا اور لاکھوں کتابیں تصنیف ہوئیں۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ بغداد میں بہتر دار الکتب موجود تھے اور بقول ڈاکٹر ڈریپر (معرکہ مذہب و سائنس) زبیدہ والدہ امین کی ذاتی لائبریری میں چھ لاکھ کتابیں تھیں۔ ایک مرتبہ ماموں اور شاہ روم کے درمیان جنگ چھڑ گئی جس میں مؤخر الذکر کو شکست ہوئی۔ ماموں کی علم نوازی دیکھئے کہ صرف ایک کتاب (المجسطی) لے کر ساری سلطنت شکست خوردہ بادشاہ کو واپس دے دی۔ اس دورِ نہضت میں علم کی سب سے زیادہ خدمت اہل ایران نے سرانجام دی تھی۔ علماء اطباء حکماء اور فلاسفہ کی ایک کثیر تعداد ایرانی تھی اور اس طرح آنحضرت ﷺ کا وہ ارشاد بھی پورا ہو کر رہا کہ۔

لو کان العلم بالثری یا لناله رجل من اهل فارس.   اگر علم ثریا میں بھی ہوگا تو ایران کا مرد اسے اتار لائے گا۔

تو یہ تھی وہ صبح، جس کا ظہور کوفہ و بغداد سے ہوا تھا۔

علم کے بغیر کوئی حکمران قوم مہذب نہیں بن سکتی۔ تاتاریوں نے تھوڑی سی مدت میں تمام اسلامی ممالک کو روند ڈالا تھا لیکن بے علم تھے۔ اس لیے مؤرخ انہیں بدستور وحشی غیر مہذب اور جاہل لکھتا ہے۔ علم افراد و اقوام ہر دو کی زینت ہے اور یہی وہ آفتاب ہے، جس سے ان کی شبِ تیرہ منور ہوتی ہے۔

اِنَّـآ اَنْـزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ○ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا لَیْـلَةُ الْقَدْرِ ○ لَیْـلَةُ الْـقَـدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○ (القدر)

ہم نے یہ قرآن ایک فیصلہ کن رات میں نازل کیا۔ جانتے ہو کہ یہ شب فیصلہ کیا ہے؟ یہ رات گزشتہ ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اس میں الٰہی حکم سے فرشتے نازل ہو رہے ہیں اور زندگی زمین پر اتر رہی ہے یہ رات امن وسلام کا پیام لے کر آئی ہے اور طلوع سحر تک باقی رہے گی۔

العادیات:

گھوڑوں کا خالق اللہ ہے اور اللہ ہی نے ان کی غذا پیدا کی۔ انسان صرف اتنا کرتا ہے کہ کھیت سے چارہ لا کر گھوڑے کے آگے ڈال دیتا ہے۔ گھوڑا اس چھوٹی سی مہربانی کا بدلہ یوں ادا کرتا ہے کہ مالک کی خاطر دوڑتے دوڑتے ہانپ جاتا ہے۔ سنگلاخ زمینوں میں یوں گرم سیر ہوتا ہے کہ اس کے سموں سے شرارے پھوٹنے لگتے ہیں۔ برچھیوں اور بھالوں کی پروانہ کرتے ہوئے صفوفِ اعدا پر ٹوٹ پڑتا ہے اور گرد وغبار کے طوفانوں کو چیر کر نکل جاتا ہے۔ دوسری طرف انسان کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ نعمت عقل عطا فرمائی۔ اس کی پرورش کا حیرت انگیز سامان فراہم کیا اور آفتاب و ماہتاب تک اس کے قبضے میں دے دیے لیکن پھر بھی یہ سرکش کا سرکش ہی رہا اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اتنا معاوضہ بھی ادا نہ کر سکا جتنا گھوڑا اپنے مالک کی چھوٹی سی نوازش کا کیا کرتا ہے۔

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ○ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ○ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ○ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ○ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ○ (العادیات ۱ تا ۶)

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے دوڑتے ہانپ جاتے ہیں۔ جن کے سموں سے آگ نکلتی ہے جو صبح دم دشمن پر دھاوا بولتے ہیں جو گرد وغبار کی آندھیاں اٹھا کر صفوفِ اعدا میں جا گھستے ہیں کہ انسان اپنے رب کا یقیناً باغی ہے۔

العصر:

دفاتر تاریخ انسانی زیاکاریوں، ناکامیوں اور تباہیوں سے لبریز ہیں۔ سینکڑوں اقوام

دنیا میں ابھریں، پھلیں، پھولیں اور جونہی آئین فطرت سے دور ہٹیں تو فطرت نے انہیں پیس کر رکھ دیا۔

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ....الخ (العصر) تاریخ عالم شاہد ہے (والعصر) کہ انسان ہمیشہ نا کامی و نامرادی کا شکار رہا۔ ہاں وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو الٰہی قانون پر عمل پیرا ہو گئے۔

الفیل

ابرہہ بن الصباح نے صنعا میں ایک ''کعبہ'' بنوایا جس کا نام فلیس رکھا اور لوگوں کو اس کعبے کے طواف پر مجبور کیا۔ ایک منچلا رات کے وقت موقع پا کر اس ''کعبے'' میں پاخانہ پھیر گیا۔ جس پر ابرہہ بھڑک اٹھا اور ایک طاقتور فوج (جس میں ۱۳ ہاتھی بھی تھے) لے کر کعبے کو گرانے کی ٹھان لی۔ کہتے ہیں کہ مکہ کے قریب پہنچ کر ہاتھی رک گئے اگر انہیں صنعا کی طرف متوجہ کیا جاتا تو چل پڑتے ورنہ بیٹھ جاتے۔

مکہ کے پاس عبدالمطلب (آنحضرتؐ کے جد امجد) کے دو سو اونٹ چر رہے تھے جنہیں ابرہہ نے پکڑ لیا۔ جب عبدالمطلب انہیں چھڑانے کے لیے آیا تو ابرہہ کہنے لگا:

''تم قریش کے سردار ہو اور کعبہ کے متولی بھی۔ تم کو معلوم ہے کہ میں کعبہ گرانے آیا ہوں۔ حیرت ہے کہ تمہیں اونٹوں کی تو فکر ہے لیکن کعبہ کی کوئی فکر نہیں۔''

عبدالمطلب نے کہا ''میں صرف اونٹوں کا مالک ہوں، اس لیے مجھے انہی کی فکر ہونی چاہیے۔ باقی رہا کعبہ تو اس کا بھی ایک مالک موجود ہے جو مجھ سے بہت زیادہ طاقتور ہے وہ خود اس کی فکر کرے گا۔''

اتنے میں خاص قسم کے پرندے منہ میں کنکر لیے آپہنچے۔ یہ کنکر ہاتھیوں، گھوڑوں اور سپاہیوں کے جسم سے سیدھے پار نکل جاتے تھے۔

یہاں دو معمے حل طلب ہیں۔ (۱) پرندوں کا پتھر لے کر آنا۔ (۲) پتھروں سے گھوڑوں وغیرہ کا ہلاک ہو جانا۔ پہلا معمہ بدستور حل طلب ہے اور انسانی علم ابھی اس راز سے نقاب اٹھانے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور دوسرے معمے کو آج قانونِ افتاد نے حل کر دیا ہے۔

قانونِ افتاد:

اگر ہم ہوائی جہاز سے جو دس ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ رہا ہو، ایک پتھر ٹپکائیں تو کششِ ارضی کی وجہ سے ہر ثانیہ کے بعد اس پتھر کی رفتار بڑھتی چلی جائے گی۔ حساب کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ رفتار پہلے سیکنڈ میں صرف ۳۲ فٹ، دوسرے میں ۶۴، تیسرے میں ۹۶، اور چوتھے میں ۱۲۸ فٹ ہوگی۔ اصول یہ ہے۔

۱ سیکنڈ	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
×	×	×	×	×	×	×	×	×	×	×	×
۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲
۳۲	۶۴	۹۶	۱۲۸	۱۶۰	۱۹۲	۲۲۴	۲۵۶	۲۸۸	۳۲۰	۳۵۲	۳۸۴

اگر ہم ایسی بلندی سے پتھر ٹپکائیں کہ اسے زمین تک آتے آتے دو منٹ لگ جائیں تو آخری سیکنڈ میں اس کی رفتار ۳۸۴۰ فٹ ہوگی، یعنی بندوق کی گولی کی رفتار سے تقریباً نصف۔

اگر پرندوں نے ایسی بلندی سے کنکر ٹپکائے ہوں جہاں سے زمین تک پہنچنے میں دو اڑھائی منٹ صرف ہو گئے ہوں تو ظاہر ہے کہ ان کنکروں کی رفتار زمین کے قریب چار پانچ ہزار فٹ فی ثانیہ ہوگی جو انسانوں اور حیوانوں کی ہلاکت کے لیے کافی سے زیادہ ہے۔

وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ٥ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ٥ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ٥ (الفیل)

اللہ نے ان پر پرندوں کے ڈار بھیجے جو ان پر کنکر برساتے تھے اور اس طرح اللہ نے انہیں کھائے ہوئے چارے کی طرح روند کر رکھ دیا۔

حکایت:

ایک رات خواب میں حضرت اقبالؔ اور سر سید احمد خاں رحمتہ اللہ علیہما سے ملاقات ہوئی۔ علامہ اقبالؔ مجھے فرمانے لگے۔ ''ذرا الفیل کی تفسیر تو سناؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی تو سر ہلا کر اظہارِ پسندیدگی فرمایا اور اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

خاتمۂ سخن:

ہر ابتدا کی انتہا ہے اور آج ''دوقرآن'' طباعت کی چودہ منازل طے کرنے کے بعد

انجام تک آ پہنچی۔ اس طویل عرصے میں بیسیوں خطوط اطراف ملک سے موصول ہوئے۔ کسی میں معجزات تکوین و تدوین کی ان ایمان افروز تفاصیل پر مجھے شاباش دی گئی تھی اور کسی میں میری کوتاہیوں کو بے حجاب کیا گیا تھا۔ میں ان ہر دو قسم کے بزرگوں کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اول الذکر کا اس لیے کہ انہوں نے میری اس حقیر تحریر کو قابل توجہ سمجھ کر میری حوصلہ افزائی فرمائی اور موخر الذکر کا اس لیے کہ انہوں نے نہایت خلوص و محبت سے مجھے سیدھی راہ دکھائی۔ چونکہ بحث میں الجھنا میرا ذاتی وطیرہ نہیں اس لیے ایک آدھ خط کا میں نے جواب نہیں دیا اس بداخلاقی کی معافی چاہتا ہوں۔

صحیفۂ کائنات کے بے شمار پہلو تشنۂ تکمیل رہ گئے ہیں۔ کچھ تو خوف طوالت سے نظر انداز کر دیے گئے اور کہیں میری کم علمی و بے بضاعتی حائل تھی۔ میں نے طلبہ کائنات کو راہ دکھا دی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ مجھ سے کوئی زیادہ باہمت تمام پہلوؤں پر اس قدر روشنی ڈال سکے کہ متلاشیان علم کی تشنگی فرو ہو جائے۔

میں سائنس کا طالب علم نہیں ہوں، اس لیے ممکن ہے کہ بعض مسائل طبیعی کو میں نے غلط بیان کر دیا ہو لیکن بقول سعدیؒ:

چو ''قولے'' پسند آیدت از ہزار بمردی کہ دست از تعنت بدار

میرے محترم بھائی مولانا غلام احمد صاحب پرویز نے شکایت کی تھی کہ مضمون بہت لمبا ہو چلا ہے اور ممکن ہے کہ بعض دیگر قارئین ''البیان'' بھی مجھے کوستے ہوں، لیکن

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

شعرائے عرب جب کسی موضوع پر نظم لکھتے تھے، تو محبوبہ کی تعریف سے شروع کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات اس موضوع پر چند اشعار ہوتے تھے اور محبوبہ کی تعریف میں تین چوتھائی سے زیادہ۔ جب کعب ابن زبیر رسول اللہ صلعم کی خدمت عالیہ میں ۵۵۔ اشعار کا قصیدہ مدحیہ پیش کرتا ہے تو محبوبہ کی شان میں ۴۰۔ اشعار کہہ جاتا ہے۔

طرفہ اپنی ناقہ کی تعریف میں ۲۹، اور لبید بن ربیعہ ۳۱۔ اشعار لکھ جاتا ہے۔ یہی حال امراء القیس، عمر بن کلثوم اور دیگر شعرائے عرب کا تھا۔ اگر آپ ان شعراء کی اس بے ربطی کو برداشت فرماتے رہے۔ اگر آپ کشاف، معالم التنزیل، بیضاوی اور جلالین کی صرفی و نحوی

موشگافیوں، علامہ فخر الدین رازی کی منطقیانہ نکتہ سنجیوں اور بعض دیگر مفسرین کی فقہی مطلب طرازیوں کو گوارا کرتے رہے تو مجھے امید ہے کہ الٰہی صنائع پر میری ان بے ربط تفاصیل کو بھی برداشت فرمائیں گے۔

ایک ہرے بھرے کھیت میں ایک زمیندار اپنے بیل کے ساتھ داخل ہوتا ہے وہاں ایک ماہر اقتصادیات اور ایک عالم نباتات پہلے سے موجود ہیں۔ اب یہ تمام اس کھیت کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ بیل صرف آزادی کا منتظر ہے کہ مالک ٹلے اور وہ اس لہلہاتی ہوئی کھیتی سے پیٹ بھرے۔ زمیندار اندازہ لگا رہا ہے کہ اس دفعہ کتنا قرضہ بے باق ہو جائے گا۔ ماہر اقتصادیات یہ سوچ رہا ہے کہ اس سال اس ملک کی خوشحالی پر اچھی فصلوں کا کیا اثر پڑے گا اور عالمِ نباتات ان پودوں کے عناصر ترکیبی اختلاف الوان، زمینی بکٹیریا اور پتوں کی حیرت انگیز مشین پر غور کر رہا ہے۔

قرآن حکیم کھیتی کی طرح ہے، کسی نے اس کو متصوفانہ نگاہ سے دیکھا۔ کسی نے اس کی سحر بیانی کی تعریف کی۔ واعظ نے اس میں سے دلچسپ کہانیاں انتخاب کیں۔ ملا ذکر حور و شراب طہور پرمست ہو گیا۔ مفتیوں نے اسے مسائل فقہی کا ایک ضابطہ سمجھا۔ گدی نشینوں نے سجدۂ تعظیمی کے جواز پر آیات ڈھونڈیں۔ راہب نے ترکِ دنیا کے دلائل پیش کیے اور بعض نے اسے منتروں، جنتروں اور ٹوٹکوں کی کتاب بنا ڈالا لیکن مجھے اس کتاب میں انسان کی سیاسی، اقتصادی و اخلاقی سطوت کے لیے بے بہا گر ملے۔ میں نے نگارستان گیتی کی اس میں تفصیل دیکھی اور مجھے حتماً معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول و فعل میں مکمل مشابہت ہے۔ کائنات کیا ہے؟ قرآن کی تفصیل اور قرآن کیا ہے۔ کائنات کا متن۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ	اللہ نے کتاب کائنات کی بہترین تفصیل (احسن الحدیث) نازل فرمائی۔ یہ کتاب کائنات سے ہر رنگ میں مشابہ بلکہ اس کا ثنیٰ (شافی) ہے۔ اس کے مطالعہ سے ان (طلبہ کائنات) کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جن کے دلوں میں کیفیت خشیہ موجود ہے۔

(زمر۔ ۲۴)

محفل گیتی میں شاہد مستی مستور ہے اور مسلم کا فرض اسے بے نقاب کرتا ہے۔

مرا دل سوخت بر تنہائی او
کنم سامانِ برہم آرائی او

میں نے اس عروس حجلہ نشین کے بے حجاب کرنے کے لیے یہ حقیری کوشش کی ہے۔ میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں مجھے معلوم نہیں۔ہاں اس قدر یقیناً معلوم ہے کہ وہ موجود ضرور ہے اور یہ گل وانجم کے جلوے اسی کے پرتو ہیں۔

دور بنیان بارگاہ الست
بیش ازیں پے زبر وہ انہ کہ ہست

جس طرح اس کائناتی روح کو خلوت گہ حجاب سے نکال کر جلوہ آرائے محفل بنانا انسانی کوشش کی انتہائی منزل ہے۔اسی طرح خود انسانی قلب و دماغ میں بھی ایک رنگین دنیا آباد ہے، جس کا ظہور رتکمیل انسانیت ہے۔

نمود اس کی نمود تیرگی نمود تیری نمود اس کی
خدا کو تو بے حجاب کر دے خدا تجھے بے نقاب کر دے
(اقبالؔ)

شکریہ:

حد درجہ کی احسان فراموشی ہوگی۔اگر میں ادارہ ''البیان'' اور کتاب منزل کشمیری بازار لاہور کا شکریہ ادا نہ کروں، جن کی کرم فرمائی سے میری یہ تحریر ملک کے طول وعرض میں جا پہنچی۔غور و فکر کی نئی راہیں کھل گئیں اور مسلمانانِ ہند کو قرآن کے تفصیلاً لکل شیء ہونے کا یقین ہوگیا۔ اور اگر یہ ادارے میرے دست گیری نہ کرتے تو میری آواز میرے سینے میں یوں دبی رہتی جس طرح کوئی کلی کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جائے اور اس کی عطریتوں سے کوئی مشام مستفید نہ ہو سکے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

ماخذ:

میں نے جن کتابوں سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے ان کے نام درج ذیل ہیں۔ بعض کتب کے صرف نام درج ہیں۔ مصنفوں کے نام حافظے سے اتر گئے ہیں اور اب ڈھونڈتا ہوں تو وہ کتابیں نہیں ملتیں۔

۱۔ تفسیر جواہر القرآن۔ ۲۵ جلد (علامہ جوہری طنطاوی)

۲۔ طبقات الارض (مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند)

۳۔ ملل قدیمہ (، ، ، ،)

۴۔ انسان اور چوپایہ (ڈاکٹر ایم۔ ایل سیٹھی)

۵۔ نباتات اور نباتاتی خوراک (، ،)

۶۔ القمر (مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند)

۷۔ تذکرہ (علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی)

۸۔ تفسیر بیان القرآن (سورہ فاتحہ) مولانا ابوالکلام آزاد)

انگریزی کتابیں

9. World of Plants.

10. Peeping into the Universe.

11. Wonders of the sea.

12. War inventions.

13. Miracle of life.

14. How our bodies are made.

15. Wonders of Science.

16. Marvels of life.

17. Great Design.

18. Science during the last 3000 years.

19. Science from day to day.

20. A.B.C. of Chemistry.

21. Animal World.

22. Starland.

23. Marvels of Geology.

24. Nature's Wonder Workers.

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا عَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ل عموماً اس کے معنی سیاہ رنگ کا چھوٹا سا پرندہ سمجھے جاتے ہیں جس کے سینے کے پر سفید ہوتے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ "اردو" کا لفظ ہے "عربی ابابیل" ابالہ کی جمع ہے جو "ابلی" سے مشتق ہے۔ ان کے معنی ہیں متفرق گروہ۔ ڈاروں کے ڈار، اونٹوں کا بڑا گلہ۔

مصنف کی دیگر کتب

من کی دنیا

دو قرآن

معجم القرآن

معجم البلدان

تاریخ حدیث

عظیم کائنات کا عظیم خدا

بھائی بھائی

رمز ایمان

دانش عرب و عجم

دانش رومی و سعدی

میری آخری کتاب

یورپ پر اسلام کے احسان

فرمانروایان اسلام

مضامین برق

حرف محرمانہ

سلاطین اسلام

مضامین برق

ISBN 969-503-802-6

الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور